

سوشلزم یا اسلام

نور محمد احمد

مکتبہ خیرات لاہور

سوشلزم یا اسلام

نور شید احمد



مکتبہ حیرانِ غراہ کراچی

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)



طابع :	سید کاظم علی
ناشر :	مکتبہ چسراغ راہ کراچی
مطبع :	چشمہ حق پرست اسلام آباد
قیمت :	اسلامی اکادمی
تعداد :	مدرسہ دارالعلوم پاکستان
	میرٹھرا

فہرست مندرجات

۹	پیرایہ آغاز
۱۶	سوشلزم یا اسلام
۱۸	سوشلزم کیا ہے؟
۱۸	سوشلزم کی تعریف کا تعین
۲۰	سوشلزم کا ارتقاء
۲۱	سوشلزم - ایک ہمہ گیر نظام
۲۴	مارکسزم کیا ہے؟
۴۶	سوشلزم اور کمیونزم میں فرق
۵۷	سوشلزم کو جاننے کے معیار
۵۹	اشتراکیت کے مثبت پہلو
۶۲	نظام سرمایہ داری کے سائنسی مطالعہ کا آغاز
۶۲	نظام سرمایہ داری کی اصلاح
۶۳	علمی خدمات
۶۳	انقلابی قوت
۶۹	اشتراکی مالکیت

۶۸	سماش تجربے
۷۰	اشتراکیت کی اخلاقی دلیل
۷۱	اشتراکیت کی نظری الجھنیں
۷۷	اشتراکیت کی اصل ناکامی
۷۹	فرد کی نفی
۸۱	غیر اخلاقی ذرائع کا جواز
۸۴	اشتراک کی سماج کی مثال
۸۵	قسط کا استعمال
۸۶	عورتوں کا استحصال
۸۸	بچوں کا استحصال
۸۹	مزدوروں کا استحصال
۹۰	غیر انسانی ترجیحات
۹۲	مزدوروں کی حق تکفی
۹۵	پڑتال کے حق کا ناتمہ
۹۶	جبری محنت
۹۹	عرقی انقلاب
۱۳	اشتراک کی سماج میں دائمی کش مکش
۷۲	بنیادی انسانی حقوق کا احکام
۱۵۵	خانہ دانی نظام کا ناتمہ

- ۱۱۸ اشتراک موقع پرستی کی چند مثالیں
- ۱۲۸ اشتراکیت اور معاشی مسئلہ
- ۱۲۹ انسانی نقطہ نظر سے
- ۱۳۱ کیا اشتراکیت کرنی معاشی پروگرام دیتی ہے؟
- ۱۳۳ کیا اشتراکیت کی عملی مثال کرنی نمونہ بن سکتی ہے؟
- ۱۴۸ روس کی معاشی ترقی
- ۱۴۸ اشتراک نقطہ نظر
- ۱۵۲ کچھ روسی اعداد و شمار کے بارے میں
- ۱۶۳ روس کی رفتار ترقی
- ۱۶۹ روس ابد و دوسرے ممالک کی ترقی :
- ۱۷۷ تکنیکی مطالعہ
موانذہ کے چند اور پہلو
- ۱۸۰ روس کی معاشی ترقی میں اشتراکیت کا حصہ
- ۱۸۰ قدرتی وسائل کی بہتات
- ۱۸۹ صنعتیت کا آغاز
- ۱۹۲ ترقی کے امکانات
- ۱۹۵ ترقی کا سرمایہ دارانہ اسلوب
- ۱۹۹ اُجرتوں میں تفاوت
- ۲۰۸ کسانوں اور مزدوروں کا استحصال
- ۲۱۱ جبری محنت اور بیگار

۲۱۲	بیرونی امداد
۲۱۹	معاشی ترقی کے استعماری طریقے
۲۱۹	اشتراکیت کا سماجی جغرافیہ
۲۲۷	معاشی ترقی کی قیمت
۲۲۷	انفرادی آزادی کا خاتمہ
۲۲۹	سیاسی مصلحت پسندی
۲۲۹	کلیتہ پسندی
۲۲۹	اشیائے صرف کی کمی
۲۳۲	پست کوالٹی
۲۳۹	غیر متصفانہ نظام محاصل
۲۳۷	زردی میدان میں ناکامی
۲۴۱	بیوروکریسی کا عروج
۲۴۲	معاشی استحکام اور سماجی فلاح
۲۴۳	انصاف اور عدم استحکام
۲۴۸	سماجی انصاف
۲۵۷	اشتراکیت اور آج کے ترقی پذیر ممالک
۲۵۷	معاشی ترقی کی حقیقت
۲۵۹	معاشی ترقی کا اشتراکی اسلوب
۲۶۱	اشتراکیت اور ترقی پذیر ممالک

- ۲۶۷ مارکسی اشتراکیت اور روسی اشتراکیت
- ۲۶۷ اشتراکی اصولی انقلاب کی تردید
- ۲۶۹ قومی ملکیت اور ذاتی ملکیت
- ۲۷۱ غیر کبی آئینوں کا رواج
- ۲۷۵ صنعت کا استحصال
- ۲۷۹ طبقاتی استحصال
- ۲۷۸ مابو اسطہ ٹیکس
- ۲۷۸ معاشی محرکات
- ۲۷۹ قوم پرستی کا احیاء
- ۲۸۵ سیاسی موقع پرستی
- ۲۸۷ سازہ ارتداد
- ۲۰۰ اشتراکیت اور اسلام
- ۳۰۳ اختلافات کے چند بنیادی پہلو
- ۳۱۴ سوشلزم یا اسلام
- ۳۱۴ اسلام — ایک جامع اور ہمہ گیر نظام
- ۳۱۵ — فطری نظام
- ۳۱۶ — احترام آدمی
- ۳۱۷ — انفرادی حقوق کی ضمانت
- ۳۱۹ — اخلاق کی مرکزی حیثیت

- ۳۲۰ — توازن و اعتدال کی راہ
- ۳۲۰ — تقویٰ اور جہاد کا قصہ
- ۳۲۱ — مالگیر تہذیب
- ۳۲۲ — تعلیمی و اصلاحی نظام
- ۳۲۳ — ثبات اور تغیر
- ۳۲۴ — اسلام کا معاشی نظام
- ۳۲۶ — اسلام اور سرمایہ داری
- ۳۲۸ — اسلام اور کثرت پسندی
-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیرایہ آغاز

اس وقت پوری اسلامی دنیا میں، اور خود پاکستان میں، سوشلزم موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ ایک گروہ سوشلزم کے مبلغ کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ کچھ دوسرے لوگ سوشلزم اور اسلام کا ایک مرکب بنانا چاہتے ہیں اور وہ اسلامی سوشلزم کی بات کر رہے ہیں۔ یہ آرائیں مختلف سمتوں سے اٹھ رہی ہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ اصل مسئلہ کا خلاصہ علمی انداز میں تحقیقی دیانت کے ساتھ جاننا لیا جائے اور جو راستہ بھی اختیار کیا جائے سوچ سمجھ کر اختیار کیا جائے۔

جو لوگ سوشلزم کی بات کر رہے ہیں اگر ان کے افکار و آراء کا تجزیہ کیا جائے تو ان کو مندرجہ ذیل گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ وہ حضرات جنہوں نے اشتراکیت کو سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اشتراکیت کے سوا کوئی اور نظریہ یا مذہب آج کی دنیا کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتا۔ یہ حضرات اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ ان کی نگاہ میں مذہب کو مٹا دینا چاہیے یا کم از کم نظر انداز کر دینا چاہئے اور سماجی تعمیر اشتراکی اصولوں کے مطابق ہونی چاہیے۔ اپنی بات اتنے کھل کر کہنے کی اخلاقی جرأت کم ہی

لوگوں میں ہے۔ لیکن یہ گروہ بھی مسلمان ممالک میں موجود ہے، مگر معمولی اقلیت میں ہے۔

(ب) وہ حضرات جن کے دل وہ مارغ اشتراکیت کو قبول کر چکے ہیں لیکن وہ اشتراکیت کی بات کئے عام کرنا قریبی مصلحت نہیں سمجھتے۔ اس لیے اس پر اسلامی سوشلزم کا بیبل لگاتے ہیں تاکہ اس قوم کے لیے اشتراکیت قابل قبول ہو جائے۔ جو لوگ بائبل بوجھ کر یہ کام کر رہے ہیں وہ بھی ہیں تو دراصل زمرہ والفت، وہی سے متعلق، لیکن اخلاق جرات کی کمی کے باعث کڑوی گولی پر شکر کی تڑجھانے کا کام کر رہے ہیں۔

(ج) وہ حضرات جنہوں نے اشتراکیت کو فرد و ملک کے بعد قبول نہیں کیا ہے بلکہ محض فیشن ہونے کی وجہ سے اختیار کر لیا ہے۔ ان کا مطالعہ بہت کم اور معلومات بہت نامکمل ہیں۔ یہ نہ اشتراکیت کی بنیادوں سے واقف ہیں، نہ اس کے نظام کار سے اور نہ ہی ان نتائج سے جو اشتراکیت کا تجربہ پیدا کر چکا ہے۔

(د) اوپر کے گروہ (ج) میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اخلاص کے ساتھ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اشتراکیت میں خیر ہے اور وہ اسلام سے متصادم نہیں۔ اس لیے دونوں کا اجتماع ہو سکتا ہے۔ ان کا یہ خیال اس وجہ سے بھی ہے کہ وہ اشتراکیت سے پوری طرح واقف نہیں ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ ان میں سے کچھ کا تصور مذہب وہی روایتی تصور ہے۔ یعنی مذہب نماز روزہ سے عبادت ہے اور اجتماع زندگی کے باقی تمام امور وقت کے تصورات کے مطابق طے کئے جاسکتے ہیں۔

۱۷) ایک بڑا گروہ ہے جسے اشتراکیت سے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ اس کے بارے میں اخباروں میں مقبوضا بہت دیکھا ہے اور اڑتی اڑتی باتیں سنی ہیں۔ لیکن اس نظریہ کے ضروری پہلوؤں سے وہ کا حق واقف نہیں ہے۔ وہ ابھی اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا ہے، لیکن کوئی رائے قائم ضرور کرنا چاہتا ہے۔

ان میں سے ہر گروہ کے اپنے مسائل اور نفسیات ہیں۔ اس کتاب میں ہمارے مخاطب یہ تمام ہی لوگ ہیں،

دالت، اور دب، میں بیان کئے ہوئے حضرات سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس کتاب کے مضامین پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اور ہٹ دھرمی کی بجائے حق پرستی کی روش اختیار کریں۔ وہ صرف دلیل کی زبان کو زور دیں اور جس چیز پر دل و دماغ مطمئن ہو باتیں اسے قبول کر لیں۔ اگر آپ دلیل سے اپنی کوئی رائے بدل دیتے ہیں تو یہ تمہاری مزاجی نہیں حق دوستی ہے۔ دج، دوا گھڑا، میں بیان کئے ہوئے بھائیوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اشتراکیت کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اس کے بارے میں رائے قائم کریں۔ محض کچھ مقامات پر کسی چیز کا پہلو اس کی صداقت کی دلیل نہیں ہے۔ محض نعرہ بازی اور نفی پرستی میں نہ نظریات کو قبول کیا جاتا ہے اور نہ رو۔ یہ کام تحقیقی مطالعہ اور ٹھنڈے سوچ بچار سے ہونا چاہئے اور ہم ان کو ان کی دعوت دیتے ہیں۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ جو دلیل کا مقابلہ کر سکتا ہو وہ بزدل ہے، جو دلیل کے گنگے سر تسلیم خم کر دے وہ بے وقوف ہے اور جو دلیل کی زبان سمجھے گا اہل ہی نہ ہو وہ احمق ہے۔ ہم ان سب گروہوں کو دعوت دیتے ہیں کہ

جذبائیت سے بند ہو کر خاص استدلالی سطح پر اس مسئلہ پر غور کریں۔ یہاں جو کچھ پیش کیا گیا ہے۔ وہ دلیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، ناقابل انکار شواہد کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ اور دلیل کا جواب دلیل سے دینے اور ملٹی مہادہ کرنے کے لیے جنم ہر وقت تیار ہیں۔ اس میں علم کی ترقی ہے اور ذہن کی زندگی کا لازمی مضمر ہے۔

○

یہاں ہم ایک امر کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ جنہیں اشتراکیت سے نامعلوم کس قسم کی دلچسپی ہے، یہ شوشہ چھوڑتے ہیں کہ اشتراکیت پر تنقید سے اشتراک کی ملک سے پاکستان کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں گے۔ یہ بات نہ صرف سطحی اور بے حقیقت ہے بلکہ مضحکہ خیز ہے۔ اس سلسلہ میں چند باتیں ذہن میں رہیں تو بہتر ہے۔

۱۔ اشتراکیت، سرمایہ داری، جمہوریت، فسطائیت، مغربیت، منفیت، یسب مختلف نوع کے نظریات ہیں اور ان کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ ایک خاص سطحی کام ہے۔ اس کا کوئی تعلق تعلقات خارجہ سے نہیں۔ دنیا کے سارے ملک میں مختلف نظاموں اور نظریات کا تنقیدی مطالعہ ہوتا ہے اور کوئی صاحب ہوش اسے تعلقات خارجہ کا مسئلہ نہیں بناتا۔ سہریہ ہے کہ غائب کے باب میں بھی جہاں جذبات سے زیادہ مآزک ہوتے ہیں، کبھی سفارتی تعلقات کا ڈھول نہیں پیٹا جاتا۔ جس زمانے میں ہمارے تعلقات امریکہ سے نہایت گہرے تھے، اس زمانے میں بھی ہم نے سرمایہ داری پر کوئی تنقید کی ہے، لاہر معنی جمہوریت کی دھجیاں بکھیری ہیں لیکن تعلقات خارجہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ اب اگر اشتراک کی ملک سے ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں۔ تو اس کے

یہ معنی نہیں ہیں کہ اشتراکیت کا علمی محاسبہ نہ کیا جائے، سوال یہ ہے کہ خود مغربی اور اشتراکی ممالک میں اسلام کے خلاف جو کچھ لکھا جاتا ہے، اور علمی انداز میں یا تحقیقی طریقہ پر نہیں بلکہ علمی اور بازاری انداز میں لکھا جاتا ہے اس نے آج تک مسلمان ملکوں سے ان کے سفارتی تعلقات کو متاثر کیوں نہیں کیا، ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ امریکہ میں اشتراکیت کے خلاف سب سے زیادہ کام ہو رہا ہے اور مد یہ ہے کہ ان کی چند یونیورسٹیوں میں تو اشتراکیت کا مطالعہ تک ممنوع ہے، لیکن اس کے باوجود روس اور امریکہ کے درمیان یہ کہ سفارتی تعلقات ہیں بیکرگشتہ پانچ چھ سال سے بین الاقوامی امور پر ان دونوں کا اتحاد و اشتراک بڑھتا جا رہا ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے کئی ممالک ایسے ہیں جہاں اشتراکی پارٹی اور اشتراکی فکر پر قانونی پابندی رہی ہے۔ لیکن روس سے نہ صرف یہ کہ ان کے تعلقات دوستانہ تھے بلکہ معاشی تعاون اور مالی انداز تک کا سلسلہ جاری تھا۔

۲۔ ہر ایک اصولی بات پر سامنے رہنی چاہیے کہ مغربی ممالک سے دوستی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کے نظام تمدنی اور نظریہ حیات کو بھی ہم قبول کر لیں یا اس کا تنقیدی مطالعہ ترک کر دیں۔ اسی طرح اشتراکی ممالک سے دوستی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم اشتراکیت کے کارہ لیں ہی جاتیں۔ سفارتی تعلقات ایک چیز ہیں اور نظریاتی الحاق اور تمدنی امور میں لین دین بالکل جدا چیز۔ ان دونوں میں خلط بھٹ و ہنس لوگ کرتے ہیں جن کا یا کوئی مخصوص مفاد ہو اور یا جو زمین و آبی سیاست کے مفادات سے بھی واقف نہیں ہیں۔

۳۔ ایک اور بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ایک ملک کی خارجہ پالیسی کا انحصار

کئی چیزوں پر ہوتا ہے۔ اس کا اپنا نظریہ حیات اور اس کا آئی مفاد۔ اگر ان دونوں کو خارج تعلقات کے نام پر مصیبت چڑھایا جاسکتا ہو تو پھر ایسے تعلقات کا کیا فائدہ؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اشتراکیت پر تنقید سے اشتراک مالک سے تعلقات خراب ہو جائیں گے، کیا انہوں نے یہ غور کیا ہے کہ اس میں کیا بات مضمر ہے؟ کیا اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اشتراک مالک کے تعلقات کی قیمت ہم کو یہ ادا کرنی چاہیے کہ اپنے نظریہ حیات کو ترک کر دیں اور اشتراکیت کو قبول کر دیں؟ ہم یہ ماننے سے انکاری ہیں کہ روس یا چین ایسی احمقانہ بات کریں گے کہ تم سے دوستی صرف اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ تم اشتراکیت پر تنقید نہ کرو؟ یا امریکا اور برطانیہ ہم سے یہ مطالبہ کر لے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ہماری دوستی کی قیمت اس طرح ادا کرو کہ سرمایہ دارانہ نظام اختیار کرو اور ہماری لادینیت پر تنقید نہ کرو۔ اگر کوئی ایسی احمقانہ اور سرکشانہ بات کہتا ہے تو ہمارا جواب صرف یہ ہونا چاہیے کہ ہمیں ایسی دوستی نہیں چاہیے جس کی قیمت اپنے نظریہ حیات اور اپنی فکر و عمل کی آزادی کی شکل میں دینی پڑے۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت بھی

جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کو تاہی

ہمارے خیال میں یہ بات یا تو شریک منا سر کہتے ہیں یا وہ لوگ جو بادشاہ سے بھی زیادہ تاج کے وفادار ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بہر دو صورت یہ بات مہمل اور ناقابل انتفاع ہے۔



یہ مضمون ادارہ معارف اسلامی کراچی کے ماہنامہ مجلہ چراغِ راہ کے سوشلزم نمبر
میں ادارہ کی حیثیت سے لکھا گیا تھا۔ موصوعہ اور مباحث کی اہمیت کے پیش نظر اب
اسے کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ ابتداء میں تو خیال یہ تھا کہ مضمون کے
آخری سحفتے میں جو مباحث تشذروہ گئے ہیں، ان پر مزید تفصیل سے روشنی ڈالی جائیگی
اور مضمون کی کتابی صورت میں اشاعت سے قبل اس میں اضافے بھی کیے جائیں گے،
مگر مصنف کی دیگر مصروفیات اور ملک سے باہر چلے جانے کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔
البتہ نظر ثانی کے دوران جہاں ضروری سمجھا گیا وہاں جزوی طور پر تراجم و اضافے کر دیئے گئے
ہیں۔ نیز حوالہ جات

خورشید احمد

لیٹر رائٹمنٹ
۱۲ جنوری ۱۹۶۹ء

سوشلزم یا اسلام

ایک مسلم معاشرہ میں یہ سوال اٹھتا کہ اس کی منزل سوشلزم ہوگی یا اسلام، ہے تو اچھے کی بات، لیکن یہ ایک ناخوش گوار حقیقت ہے کہ آج عالم اسلام میں یہ سوال اس شکل میں اٹھ چکا ہے اور اسے نظر انداز کرنا کسی طرح بھی دانشور کی مددش نہیں ہو سکتی آج عالم اسلام شدید ذہنی انتشار سے دوچار ہے۔ کبھی مسلم معاشرہ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے مخصوص مزاج کے بارے میں غیر معمولی طور پر مضبوط اور حساس تھا۔ وہ ہر باطل نظریہ کے مقابلے میں ایک سیر ہلائی ہوئی دیوار کی مانند تھا۔ اس کی کیفیت اس شجر طیبہ کی سی تھی جس کی جڑیں ایمان اور عقیدہ میں مضبوطی کے ساتھ اترتی ہوئی ہوں، جس کا تنہ مضبوط اور شاخیں اپنی اصل سے چوستہ ہوں، جس کے پتے تروتازہ اور جس کے پھول شگفتہ ہوں۔ مختلف سمتوں سے آنے والی ہوائیں، خواہ وہ کیسی ہی تند و تیز کیوں نہ ہوں، اس درخت کو کوئی نقصان نہ پہنچا پاتی ہوں، بلکہ ان سے وہ اپنی ضرورت اور اپنے مزاج کے مطابق غذا حاصل کرتا اور اپنی بنیاد پر نئی دستکوں اور بلندوں سے ہم کنار ہوتا رہتا رہتا۔ لیکن آج کیفیت بڑی مختلف ہے۔ اب وہ درخت کمزور ہو چکا ہے۔ صحرایہ بادِ موسم کے خیز سے اس کی تازگی اور سرسبزی کو مٹائے ڈال رہے ہیں۔ وہ دیوار جس کے قدموں پر کبھی ہر حملہ آور سرخشا کر پیا چو جاتا تھا،

آج اس کی بنیاد کو زور ہو گئی ہے۔ اس دیوار میں مجید اور دشمنے پڑ چکے ہیں اور خود مسلم معاشرہ میں سے ایسی آوازیں اُٹھ رہی ہیں جو اس کے کانوں کے لیے اجنبی اور نامانوس ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج وقت کے چلتے ہوئے نظاموں سے شدید مرعوبیت کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ کچھ لوگ لادینیت پر فریفتہ ہیں۔ کچھ سرمایہ داری کے طلسم میں گرفتار ہیں۔ کچھ قومیت کے ہاتھوں نقدول ہار چکے ہیں۔ کچھ اشتراکیت کے سحر میں مبتلا ہیں۔ غرض وقت کے ہر نظام کے کچھ نہ کچھ سویدہ اور مدعی خود مسلمانوں میں سے اُٹھ کر مٹے ہوئے ہیں اور اسلامی دنیا کو اپنے دل پسند نظام کی تہرہ گاہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے تعلیم و تبلیغ اور نشر و اشاعت کے ذرائع بھی استعمال کیے جا رہے ہیں اور جہاں جس مذہب تک ممکن ہے جبر و تشدد کے حربے بھی اختیار کیے جا رہے ہیں۔ یہ سب تحریکات اسلامی تہذیب و ثقافت کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان میں سے ایک نہایت اہم اور موثر چیلنج اشتراکیت کا ہے۔ ان صفحات میں ہم مختلف پہلوؤں سے اس رجحان کا جائزہ لینا چاہتے ہیں اور دلائل و شواہد کے ذریعہ اپنی قوم کے سوچنے بچنے والے عناصر کے سامنے یہ بات رکھنا چاہتے ہیں کہ ان کی اصل منزل کونسی ہے

سو شلوم یا اسلام؟

سوشلزم کیا ہے؟

سب سے پہلے جس چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ سوشلزم ہے کیا ہیں کے معنی و مفہوم اور اس کے پروگرام کو متعین کرنے کے بعد ہی عالم اسلام کے لیے اس کے چیلنج کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

سوشلزم کی تعریف کا تعین

سوشلزم کا لفظ ان چند اصطلاحات میں سے ایک ہے جن کے مفہوم کے بارے میں خدو یا اختلافات اور امتزاج نظر پایا جاتا ہے۔ معاشی اور معاشرتی امور میں حکومت کی معمولی مداخلت سے لے کر تمام وسائل دولت اور اثاثے صرف کے بر جبر قومی تحویل میں لے لیے جانے تک کی کیفیات کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ فکر و فلسفہ سے لے کر معمولی معاشی اصطلاحات تک پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ مختلف محرکات کے تحت پیش کیے جانے والے مختلف انواع معاشی اور سیاسی خیالات کو اس لفظ کے سہارے بیان کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنے اختلافات سوشلزم کے معنی کے بارے میں پائے جاتے ہیں، شاید کسی دوسرے لفظ کے بارے میں نہیں پائے جاتے۔ اسی بنا پر پروفیسر جوڈ نے کہا تھا کہ سوشلزم اس ٹرپ کی مانند ہے جو اپنی شکل و صورت کبھی کی ہے، اور یہ اس لیے کہ ہر کوئی اسے اپنے سر پر منڈھنے میں مصروف ہے۔ "انٹیلیکچوئل پڑیا آن سوشل سائنسز" کا فاضل مقالہ نگار بھی شکایت کرتا ہے کہ سوشلزم، کیونکہ اور اجتماعیت کی

اصطلاحات، جو بالعموم ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتی ہیں، نہایت مبہم، غیر واضح اور صحیح تعریف سے محروم نہیں۔ ایک انگریز اہل قلم اس صورت حال کا اس طرح اظہار کرتا ہے،

یہ دو شلزم ہوتی بھی ہے اور غیر ہوتی بھی، نظری بھی ہے اور عملی بھی، تصوراتی بھی ہے اور مادی بھی، بہت قدیم بھی ہے اور بالکل جدید بھی۔ یہ لفظ ایک معنوں سے بندھے اور احساس سے لے کر واضح عملی پروگرام تک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کے مختلف توتیلے مختلف صورتوں میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً اسے ایک فلسفہ حیات، ایک قسم کے مذہب، ایک اخلاقی مضابط، ایک معاشی نظام، ایک تاریخی عرض، ایک قانونی اصول کہا جاتا ہے۔ پھر اسے بیک وقت ایک عوامی تحریک اور ایک سائنسی تجربہ، ماضی کی ایک تعبیر اور مستقبل کا ایک تصور، آواز، جنگ اور نقارۃ امن، قسند و انقلاب اور خاموش تغیر، محبت اور بے لوثی کا سمیٹہ اور نفرت اور خود غرضی کا مجمر، انسانیت کی امید اور تہذیب کا قاتل، دورِ نوکی علیہ وار اور خوفناک تباہی کا پیامبر قرار دیا جاتا ہے۔²

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہے کہ شلزم کی تعریف کے سلسلے میں کس

2. Jaszi, Oscar, "Socialism", *Encyclopedia of the social Sciences* The Macmillan Co., New York, 1950. Vol. XIV, p. 210.

3. Ishadwell, A., *Quarterly Review*, London, July, 1924.

p. 2. Quoted by Loucks, William N., *Comparative* (۴)

قدر انتشار نکر پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بحث و گفتگو میں سوشلزم کے بہت سے متوجہ رہنے والے موقت کو تبدیل کرنے اور ہر شکل کے وقت پہلو بستے میں زیادہ دشواری محسوس نہیں کرتے۔

اشتراکیت کے اس پہلو کے پورے پورے اعتراف کے بعد ہم اس امر کی کوشش کریں گے کہ آوازوں کے اس جنگل میں سے کتنی صورت معنی پیدا کریں اور ان افراد کو نظر انداز کر کے جن پر اشتراکیت کا اطلاق میں ٹکھانا ہی ہوتا ہے، ان بنیادی افکار و تصورات کو متعین کرنے کی کوشش کریں جن سے اشتراکیت عبارت ہے۔

ہم ان تمام اشتراکی رجحانات کو نظر انداز کر سکتے ہیں جن کا سراغ ماضی بعید میں لگایا جاتا ہے۔ وہ سب بہت جزوی، نامکمل، مبہم اور خیالی (Utopian) تھے۔ وہ اپنے وقت کی کسی مخصوص صورت حال کی پیداوار یا کسی وقتی عدم توازن کو دور کرنے کی ایک کوشش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ ایک جامع نظریہ اور اجتماعی تحریک کی حیثیت سے اشتراکیت انیسویں صدی میں رونما ہوئی۔ ہماری توجہ کا اصل مرکز اشتراکیت کا یہی جدید دور ہے۔

سوشلزم کا ارتقاء

اشتراکیت نے مغربی تہذیب کے بطن سے جنم لیا ہے اور اسی کی گود میں اس نے پرورش پائی ہے۔ اس نظریہ اور اس تحریک کو سمجھنے کے لیے اس کے تہذیبی پس منظر کو نگاہ میں رکھنا بے حد ضروری ہے۔

مغرب کی نئی زندگی کا آغاز اس نگرانی اور ذہنی دوسے ہوا جسے نشاۃ ثانیہ

(Renaissance) کہتے ہیں اور جو عبارت تھی قرون وسطیٰ کے مذہبی برہنہ

کے نظام کے خلاف بغاوت ہے۔ سب سے پہلے نگری میدان میں آ کر رومی اور حریت پسندی (Liberalism) رونما ہوئی جس کا سبب نمایاں مظہر پڑنے ادب کا احیاء تھا۔ یہ تحریک دراصل یورپ کے مذہبی دور کے مقابلہ میں اس سے قبل کی دنیا سے ذہنی وابستگی کی علامت تھی۔ پرانی دیولالاق اور یونانی اور رومی اصنامی ادب (Pagan literature) سے رجوع کیا گیا اور نگروں کے ہر پہلو میں مذہب کی دی ہوئی اقدار سے گریز، بلکہ ان سے انحراف اور ان کے خلاف بغاوت اور تشدد و اثر بغاوت کی روش اختیار کی گئی۔ پھر یہ لبرلزم فلسفہ کے میدان میں رونما ہوا اور الہامی ہدایت سے بے نیاز ہو کر محض عقل کے سہارے سفر حیات طے کرنے کا دعویٰ پیش کیا، عقلیت (Rationalism) اور انسانیت پرستی (Humanism) کی تحریکات اسی رجحان کی طرہ ورتھیں۔ اس کے بعد اس کا نظریہ اخلاق و معاشرت کے دائرے میں ہوا اور روایتی اخلاق کے مقابلہ میں ایک قسم کی بے قیدی، آزاد خیالی پسندی اور بے راہ روی کی کیفیت رونما ہوئی۔ پھر یہ حریت پسندی خود مذہب کے دائرے میں رونما ہوئی اور اس نے تحریک اصلاح مذہب (Reformation) کو جنم دیا۔ بحیثیت مجموعی جو نیا نقطہ نظر ابھرا اس میں آخرت کو اساس بنانے کی بجائے صرف اس دنیا کے سود و زیاں کو بنیاد بنانے کا رویہ تھا۔ نئی اقدار کا محور مرکز جلب دنیا، حصول منفعت، لذت پسندی اور مادہ پرستی قرار پائی۔ اس کے اظہار کا اگلا میدان سیاست تھی۔ یہاں اس نے انفرادیت (Individualism) کا روپ دھارا۔ بادشاہت اور استبدادی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا گیا۔ فرد کے حقوق کے لیے لڑائی لڑی گئی اور بالآخر عوام کی حاکمیت کی بنیاد پر لادینی جمہوری

نظام قائم کیا گیا۔ سیاست جی کا ایک اور پہلو مذہب کے نام پر ہمہ گیر بین الاقوامی ریاست تھی۔ اس کے خلاف بھی تحریک رونما ہوئی اور بین الاقوامیت کی جگہ قومیت کا محدود جغرافیائی تصور رونما ہوا۔ بالآخر معیشت کے دائرہ میں اس نئی رونے اپنا اظہار کیا اور صنعتی انقلاب کے صہارے جدید سرمایہ داری رونما ہوئی جس میں فرد کو معاشی معی دہد کی بے قید آزادی دی گئی، اور سرمایہ کو اصل فیصلہ کن قوت بنا دیا گیا اور ذاتی نفع کا حصول معیشت کی رہنما طاقت بنا۔ حکومت کی مداخلت کو محدود و متروک دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں شدید قسم کی معاشی انفرادیت (Economic individualism) رونما ہوئی۔ سائنس اور ٹکنیٹ (Technology) کی تمام قوتیں انفرادیت پسند تہذیب کو پروان چڑھانے کے لیے استعمال ہوتیں۔ برہنہ کی اس تحریک نے جہاں مذہبی اور سیاسی استبداد سے پیدا ہونے والی بہت سی خرابیوں کو دود کیا اور نئی تخلیقی قوتوں کو جنم دیا، وہیں اس نے متعدد نئے مسائل اور پیچیدگیاں بھی پیدا کر دیں۔ نیا انسان اخلاقی، مذہب، قانون اور رواج کے تمام بندھنوں کو توڑ کر بالکل مادر پدر آزادی کے تباہ کن راستے پر لگ گیا اور ظلم و استعمار کا ایک نیا اور خراب تر دور شروع ہو گیا۔ معیشت کے میدان میں یہ لگاؤ سب سے زیادہ شدید تھا۔ اس کے خلاف جو ہمہ گیر رد عمل رونما ہوا اس میں انفرادیت پرستی کی جگہ اجتماع پرستی نے لے لی۔ مغربی تہذیب کی باقی تمام بنیادوں کو تو جوں کا توں محفوظ رکھا گیا البتہ فرد کو اجتماعی مخلو کا پابند بنانے کی ٹکلیں تجویز ہونے لگیں۔ فرد کی جگہ سماج کو مرکزی اہمیت دینے کا تصور رونما ہوا۔ اس کا اپنی انتہائی شکل میں اظہار سوشلزم کی تحریک میں ہوا۔

سوشلزم مغربی تہذیب کی اساس — حقیقت، لا مذہبیت اور باویت

— سے اسجرا اور اس کی کچھ بے اعتدالیوں — توہینیت، انفرادیت اور سرمایہ داری — کی اجتماعیت کے ذریعہ قصیح و تکمیل کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔ جس مٹی سے اس کا خمیر اٹھا ہے وہ مغربی تہذیب ہی کی مٹی ہے، البتہ اس کے کچھ پہلوؤں کی تکمیل کرتا ہے اور کچھ کی تردید و تنقیص۔ یہ ہے اشتراکیت کا توہنی اور تہذیبی پس منظر۔

مے ایک مشہور امریکی اہل قلم رسل ڈبلیو ڈبلیو پورٹ لکھتا ہے کہ مغربی صنعتی تہذیب اور اشتراکیت تمدنی کارشتہ ماں اور بیٹی کا رشتہ ہے، دونوں کی رگوں میں ایک ہی خون بہا رہا ہے، دوسری ہے، دونوں کی اساس مشترک ہے۔

ڈراصل وہ چیزیں جو امریکہ اور روس کو ایک دوسرے سے جدا اور تیز کرتی ہیں آزاد دنیا کو اس درجہ حیرت اور خوف میں مبتلا نہیں کرتیں جتنی وہ چیزیں جو ان دونوں میں مشترک ہیں۔ ان دونوں ٹیکنیکی تہذیبوں میں جو چیز مشترک ہے وہ ان کی فلسفیانہ ربات ہے، ایک کے سلسلہ میں کلیت پسندانہ اور بے جھجک، اور دوسرے کے سلسلہ میں اضافی اور متردد، لیکن بہر حال ایک ایسی رباتیت جس کی نگاہ میں انسان و مرنی کی تخلیق ہے اس کی خیمات اس دنیا کے اجتماعی مفاد کے حصول کی شکل میں ہے اور جس کے حصول کا ذریعہ زیادہ صنعتی پیداوار، معاشی قزاقانی اور ذہنی تعاون ہے۔ یہ سماجی کلیت پسند رباتیت اور آزادی پسند رباتیت کے تغیر میں دو مختلف قسم کے انسان دیکھا جوتے ہیں۔ یعنی جدلی انسان اور صنعتی انسان۔ لیکن جس درپردہ خیمات اور پریشانی سے ان کی کی پری دوچار ہے وہ یہ ہے کہ صنعتی انسانی جدلی انسانی سے ایک متک جباہونے

جدید لٹریچر میں اشتراکیت کا نقطہ تین مختلف چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
 (الف) وہ نظام فکر اور اجتماعی نظریہ جو انفرادیت اور سرمایہ داری کے مقابلہ میں دیتا ہو۔
 (ب) وہ عملی اجتماعی تحریک جو سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے اور اشتراکی نظام کو قائم
 کرنے کے لیے برپا ہوئی۔

(ج) وہ نظام مملکت جو ان ممالک میں قائم ہوں جہاں اشتراکی تحریک اپنا مطلوبہ انقلاب
 برپا کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

ان تینوں کے اندر ایک جوہری وحدت پائی جاتی ہے۔ لیکن تجزیہ اور محاکمہ کے
 لیے نظریہ تحریک اور نظام میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اس مطالعہ میں ہمارے پیش نظر
 نظریہ اور نظام ہوں گے، تحریک کی کیفیت اور اس کے پیدا کردہ مسائل سے ہم غصنا تو
 تعرض کریں گے لیکن وہ ہمارا اصل موضوع بحث نہیں ہیں۔

سرمایہ داری کی بے اعتدالیوں، اس کے ظلم و استحقاق اور عوام اور خصوصیت سے
 مزدور طبقہ کے ساتھ اس کے ناروا سلوک کے خلاف اشارویں صدی کے آخری نصف
 ہی میں آوازیں اٹھنا شروع ہو گئی تھیں۔ انیسویں صدی کے شروع میں یہ احساس
 اور بھی شدید ہو گیا کہ اصلاح سال کے لیے مزدوری ہے کہ معاشی زندگی میں بنیادی

دوسرے بار جو ایک ندرمانی سے انداز میں اس سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہیں ہے حقیقت
 یہ ہے کہ جدلی انسان، منفعتی انسان ہی کی اولاد ہے جیسا کہ مارکسزم کی تاریخ سے ثابت ہے۔

Russel W. Devenport, The Dignity of Man, Harper
 and Bros., New York, 1955, pp. 238-39.

تبدیلیاں کی جاتیں۔ چونکہ سرمایہ داری کی بنیاد بے قیود انفرادی ملکیت اور آزاد کاروبار پر تھی اس لیے ان حضرات نے اس بنیاد پر مغرب لگائی اور یہ تصویر پیش کیا کہ اگر سرمایہ پیداواری طاقت قومی تحریک یا اجتماعی ملکیت میں لے لی جائیں تو سب مساوی ہو جائیں گے اور وہ چیز جو معاشی ظلم کا ذریعہ بن رہی ہے، باقی درجہ ہے۔ اس کے نتیجہ میں ایک دوسرا سماج رونما ہوگا اور وہ زیادہ صحت مند ہوگا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ تبدیلی جسے عام کی تیاری کے ذریعہ، عام سیاسی جدوجہد کے نتیجہ میں لائی جاسکتی ہے اور خود برسرِ اقتدار اور با اثر طبقات کو اس کے لیے ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔ منیف مائٹن، فیود ہرا اور رابرٹ اوٹن اس نقطہ نظر کے علمبردار اور اسی مسلک کے پرچار میں مصروف تھے۔ چونکہ وہ سرمایہ داری کی انفرادیت پرستی کو ختم کرنا چاہتے تھے اور فرد کی جگہ اجتماع کے مفاد کو اصل رہنما بنانا چاہتے تھے اس لیے اس نئی فکر کو سوشلزم کے نام سے موسوم کیا گیا۔ انیسویں صدی کی دوسری چوتھائی (۵۰-۱۸۷۹ء) میں اشتراکی افق پر مارکس رونما ہوا اور اگلے ۵۰ سال تک وہ اور اس کے افکار دنیا پر چلتے رہے جس بات کو مارکس کے پیشِ دعا خلوقی اور انسانی بنیادوں پر پیش کر رہے تھے، مارکس نے اس کو بظاہر ایک سائنس بنا کر پیش کیا اور اس وقت سے آج تک سوشلزم کے قریباً ہر مکتب فکر پر مارکس اور اس کے فلسفی رفیق فریڈرک اینیبلز کے نظریات کی چھاپ موجود ہے۔ اشتراکی مفکر ایک سنگ۔ ایک تنہا اور ایک تجویز کی شکل میں تو موجود تھی لیکن اسے ایک جامع نظریہ اور ایک متبادل نظام کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ مارکس اور اینیبلز کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسے یہ حیثیت عطا کی۔ سوشلزم کی وہ شاخیں بھی جنہوں نے جنوی

تھے مارکس اور اینیبلز کی اہم تصانیف یہ ہیں۔

اصلاح پر آمادگی کا اظہار کر دیا ہے، اس کی نظام کے تصور کے اثرات سے پاک

اشتراکی منشور (Communist Manifesto) جو فروری ۱۸۴۸ء میں شائع

ہوا۔ اس کا اصل جہت نظام سرمایہ داری ہے، جس کے بارے میں پورے زور و شوق کے ساتھ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ وہ قریب المرگ ہے اور یہ دعوئی تاریخ کی ایک خاص تعبیر — معاشی تعبیر — پر مبنی ہے۔ اس منشور نے بحث و گفتگو

کراختیات کی سطح سے اٹھا کر تاریخ اور عمرانیات کی سطح پر پہنچا دیا اور سرمایہ داری کی موت اور اشتراکیت کا ظہور تاریخ کا تعاضا قرار دیتے گئے۔ مسئلہ پورے سماج کا مسئلہ بن گیا اور اس کی قسمت کا فیصلہ طبقاتی کشمکش کو سوچ دیا گیا۔

(ملاحظہ ہو مارکس اور اینیبلز، منتخب مقالات، ۱۸۴۸ء صفحہ ۹۷-۱۱۳۷)

۲۔ نقد معاشیات قومی (Critique of Political Economy)

یہ تحریر اس دعوے کے ثبوت میں لکھی گئی تھی جو منشور اشتراکیت میں کیا گیا تھا۔ لیکن اصل کتاب نامکمل رہی۔ صرف دو ابواب لکھے جا سکے جو اس عنوان سے چھپے ہیں۔ اس کا پیش نظر اشتراکی لڑ بچہ کی اہم ترین تحریکات میں سے ایک ہے اور اس میں تاریخی مادیت کے نظریہ کو پندرہ نکات میں مرتب کیا گیا ہے۔ نقد معاشیات قومی میں قد زائد کے نظریہ کو اس کی ابتدائی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو کارل مارکس، اینیبلز، منتخب مقالات، ۱۸۴۸ء جلد اول صفحہ ۲۵۹ تا ۳۱۳)

۳۔ سرمایہ (Capital) نقد معاشیات قومی اس دعوئی کو ثابت کرنے میں نام

نہیں ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے مصالح یا ضروریات کے پیش نظر کسی خاص

(۴) رہی اور تہمتاً غیر موثر اور بالواس کی رہی۔ مارکس نے ۱۸۶۳ء میں پھر اس کام کو شروع کیا اور ان دنوں اور اب اور برٹش میوزیم سے جمع کردہ معلومات کی بنیاد پر سرمایہ داری پر اپنی اصل تنقید لکھنی شروع کی۔ ۱۸۶۵ء سے ۱۸۶۷ء تک وہ صرف مواد جمع کرتا رہا اور ۱۸۶۲ء سے ۱۸۶۶ء تک پانچ سال کی شب و روز کی محنت سے کتاب کی پہلی جلد لکھی۔ اس کی دوسری اور تیسری جلد مارکس کی موت کے بعد شائع ہوئیں، دوسری ۱۸۸۵ء میں اور تیسری ۱۸۹۳ء میں۔ آخری جلد مارکس کی یادداشتوں اور مسودات سے مرتب کی گئی۔ اس کتاب کا اصل موضوع اشتراکیت نہیں، سرمایہ داری ہے۔ مارکس کی تاریخی اور معاشی فکر اس ایک کتاب میں جمع ہو گئی ہے۔ لیکن تجزیاتی انداز کے ساتھ ساتھ اس میں واقعاتی اور بیانیہ انداز بھی اختیار کیا گیا ہے۔ اس میں سرمایہ داری کے ارتقاء اور اس کے مستقبل کے تاریخی قوانین کو پیش کیا گیا ہے اور اسی سلسلہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ایک دور کا پورا نظام زندگی دراصل اس دور کے وسائل پیداوار اور ان پر مبنی پیداواری تعلقات کی پیداوار ہوتا ہے۔ اب اگر سرمایہ دارانہ تہذیب کو ختم کرنا ہے تو اس کا قدیم وسائل پیداوار کو انفرادی ملک سے نکال کر اجتماعی تحریر میں لانا ہوگا۔ سرمایہ داری کے موجودہ مرحلہ میں جو پیداواری تعلقات ہیں اور جو اجتماعی ادارے کام کر رہے ہیں وہ نئی پیداواری قوتوں سے مناسبت نہیں رکھتے۔ اس لیے حالات کی یہ قوت ان تعلقات اور لوازمات کو ختم کر کے رہے گی اور ان کی جگہ فطری (۴)

پہلو کو نمایاں کرتی ہیں۔ اب سوشلزم ایک سہلج اور ایک تہذیب کے معنی رکھتا ہے،

۱۔ سماجی قانون کے تحت اشتراکیت رونما ہوگی۔ مارکس کا اصل موضوع سرمایہ داری

میں پائے جانے والے تضادات، اس کا ظلم و استحصال (Exploitation)

اور اس میں پائی جانے والی مفارقت (Alienation) ہے۔ اور ان پر اس

نے بڑی بہتر مثالیں پیش کی ہیں۔ (These of

Feuerbach) سرمایہ کی تحریر و ترویج سے قبل مارکس نے ایک مختصر تحریر

جرمنی میں لکھ لکھ کر فیورباخ پر لکھی تھی جس میں مذہب پر فلسفیانہ مہم کیا گیا ہے۔

دعا خطہ ہر منتخب مقالات جلد اول صفحہ ۲۵۲-۵۵۵) اس طرح اس نے اسی دور

میں ایک اور کتاب افلاس فلسفہ (Poverty of Philosophy) لکھی

(۱۸۴۷ء) اس کتاب میں خیالی اشتراکیت پر زور دیا اور تنقید ہے اور یہ فرانسیسی

منکر پروڈھوں کے رد میں لکھی گئی ہے۔ دعا خطہ ہر (Poverty of

Philosophy) (مطبوعہ ماسکو) انقلاب اور طبعی انقلاب کے سلسلہ میں مارکس

کی متعدد تحریریں ہیں جن میں فرانس کے ۱۸۴۸ء کے ناکام انقلاب پر

تبصرہ (Civil War in France) اور ۱۸۷۱ء کے پیرس کمیون پر

تنقید شامل ہے۔

۵۔ گوتھا پروگرام پر تنقید (Critique of the Gotha Programme)

یہ مارکس کی آخری تحریرات میں سے ایک ہے اور اس میں جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹک

پارٹی کے پیش کردہ پروگرام دے جے گوتھا پروگرام کہا جاتا تھا، اس مناسبت سے ۱۳

اور اپنے نقطہ نظر کے مطابق کی تبدیلی کا مدعی ہے۔ یہ وہ بنیادی بات ہے جس کا

(ص) کہ وہ گوتھ کے مقام پر پہنچنے والی کانفرنس میں منظور کیا گیا تھا پر تنقید کی ہے۔
 (ملاحظہ ہو منتخب مقالات، جلد دوم صفحہ ۳۰ تا ۳۸) مارکس نے اس تحریر میں پہلی مرتبہ
 اشتراکیت کے دوسرا اصل، اولیں اور آخری کی تخصیص کی۔ اس میں اشتراکی سماج کے
 بارے میں مارکس کے کچھ خیالات بہت واضح شکل میں سامنے آئے، ورنہ دوسری
 تحریرات میں تنقیدی اور متغی رنگ غالب ہے۔

اینجلز کی اولیں تصنیف انگلستان میں مزدوروں کی حالت (Conditions
 of the Working Class in England) ہے جو ۱۸۴۵ء میں شائع
 ہوئی تھی۔ اس کے بعد اشتراکی غمخوار کی تسوید میں اس نے حصہ لیا، مگر اس کا اپنا
 قول یہ ہے کہ یہ غمخوار مارکس کا کھسا ہوا ہے میرا اس میں بجز نام کے اور کوئی حصہ
 نہیں دو یا سچہ۔ تیسرا ایڈیشن، اینجلز نے بہت سے نہایت اہم اور قیمتی مضامین
 اور اپنٹ لکھے ہیں جو اشتراکیت کے مختلف پہلوؤں کی تشریح و توضیح کرتے ہیں
 البتہ اینجلز نے جدلی مادیت کے پورے فلسفہ کو ایک کتاب میں نہایت جامع
 آغاز میں مرتب کر دیا ہے اور وہ ہے Anti-Duhring (مطبوعہ ۱۸۷۸ء)
 مارکس اشتراکیت کی تبلیغ و تشہیر میں اس کتاب کا حصہ نہایت نمایاں
 ہے۔ سائنس سے متعلق امور پر پیدا ہونے والے بہت سے بنیادی سوالات
 پر اینجلز نے Dialectics of Nature میں بحث کی ہے۔ یہ ایک روشیت
 سے روڈیو ہنگ کا مکمل ہے۔ (مطبوعہ مارکس ۱۹۵۳ء) اس لڑی پیر کے ایک (ص)

دعویٰ چوٹی کے اشتراک اہل قلم کرتے ہیں اور جس کا اقتراٹ اشتراکیت پر علمی اور تحقیقی کام کرنے والے تمام اہم تعاونوں نے کیا ہے۔

(۱۲) سرسری جائزہ سے اندازہ ہو جائے گا کہ مارکس اور انجیلز نے ہدیٰ فکر کو ایک نظام کی شکل میں مرتب کیا ہے۔

۱۹۴۷ء میں اشتراکیت فتنہ کی سوسائٹی جوبلی منانے کے لیے برطانیہ کی لیبر پارٹی نے اس کا ایک نیا ایڈیشن وہاں کے مشہور پبلیشر شوٹلے مینر ہیرالڈ سے لاسکی کے نئے تعاون کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس کے نام میں دونوں کے باہم اشتراک کی اچھی عکاسی ہو گئی ہے۔ کتاب کا نام ہے ”اشتراکیت فتنہ — اشتراکیت گنگ میل“

(The Communist Manifesto — Socialist Landmark)

۱۳ ہم اس امر سے واقف ہیں کہ چند اہل قلم اس بات کو بھی پیش کرتے ہیں کہ اشتراکیت کی بنیادی معاشی فکر کو اس کی بالبعد الطبیعیات سے الگ کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں لازم و ملزوم نہیں ہیں۔ یہ بات صرف ان لوگوں نے کہی ہے جو اشتراکیت سے کوئی مرکب بنانا چاہتے تھے۔ مثلاً سوسی سوشلزم کے طبع وار۔ لیکن وہاں یہ بات صرف اس لیے ممکن ہوئی کہ عیسائیت غرضیت کی قائل تھی اور اس کا اپنا معاشی اور سماجی نظام نہ تھا۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ ہینڈ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس مرکب میں سے سمیت آہستہ آہستہ دم توڑ گئی اور صرف اشتراکیت باقی رہ گئی۔ دو چیزیں ہیں یہ بات مٹانی بک اور دو ایک دوسرے اہل قلم نے بھی کہی ہے کہ ان حضرات کی حیثیت ایک ناقابل انتفاک اقلیت کی سی ہے جس کی بات کو اشتراکیت فکر کی ۱۴

سوشلزم — ایک ہبرگیر نظام

سب سے پہلے مارکس اور اینیبلز کو سمجھئے۔ بلاشبہ ان کے پروگرام میں وسائل پیدا
کی قومی ملکیت کو مرکزی ہامیت حاصل ہے۔ لیکن یہ اس لیے کہ ان کی نگاہ میں ایک
دور کا پورا تمدن، اس کا فلسفہ، مذہب، اخلاق، قانون، معاشرت، ثقافت، یہاں
نظام، بین الاقوامی تعلقات، غرض ہر چیز وسائل پیداوار اور پیداوار می تعلقات پر
مبنی ہے۔ تمدن اس معاشی زیریں ساخت (Economic infra structure)

کا پیدا کردہ ہے۔ اس کی حیثیت ثانوی اور طفیلی ہے جب کہ معاشی زیریں ساخت
اصل اور حقیقی ہے۔ باقی سب کچھ اسی کا عکس اور پر آ ہے۔ ان معاشی وسائل پر
جسے ملک اور تصرف حاصل ہو وہ صاحب اقتدار طبقہ ہے اور باقی تمام افراد
ان کے تابع ہیں۔ ان دونوں طبقات میں کش مکش سے ساری انسانی تاریخ عبارت
ہے۔ قانون اور ریاست برسر اقتدار طبقہ کے تسلط کو مستحکم کرنے کا کام انجام دیتے
ہیں اور آلودہ استحصال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مذہب اور اخلاق انہی کے مفاد کے
تحفظ کا وظیفہ ادا کرتے ہیں، معاشرت و ثقافت اسی طبقاتی صورت حال کی پیداوار
سمجھتے ہیں، فلسفہ، ادب اور فن انہی کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس لیے تمدن میں
فیصلہ کن چیز وسائل پیداوار اور ان پر تصرف ہے۔ انہیں انفرادی ملک سے
حکال کر قومی تحویل میں لے آنے سے سارا نظام بدل جائے گا۔ قومی ملکیت کے

۱۰، خطیم اکثریت بلکہ ان کی (Mainstream) جنڈل نہیں کرتی ہے۔ نیز اشتراکیت کے
بانیوں کی تحریرات اور ان کا مجموعی نظام فکر بھی اس کی تائید سے قاصر ہے۔

معنی محض ایک معاشی تبدیلی نہیں بلکہ ایک سماجی اور تمدنی انقلاب کے ہیں جس کے نتیجے میں ایک نیا سماج اور نیا تمدن رونما ہوگا اور موجود تمدن کی لاپاٹ ہرجائے گی۔ اینہذا منشور اشتراکیت کے مقدمہ میں اشتراکی فکر کے بنیادی اور اساسی تصور کو اس طرح پیش کرتا ہے۔

فکر ہر تاریخی دور میں اس کامرور معاشی طریق پیداوار و تبادلہ اور اس کے تحت لازمی طور پر رونما ہونے والی سماجی تنظیم و بنیت وہ اس اور بنیاد ہیں جس پر اس دور کی فکری اور سیاسی تاریخ مبنی ہوتی ہے اور صرف اسی کی روشنی میں ان کی تعبیر و تفہیم ممکن ہے۔ پس اسی کا نتیجہ ہے کہ انسانیت کی ساری تاریخ راویس قبا کی سماج جس میں تمام زمین مشترک ملک تھی، کے انتشار سے لے کر، طبقاتی کشمکش کی تاریخ ہے، انحصار کوٹنے والے اور مظلوم، حکمران اور مجبور، طبقات کے درمیان تنازع کی تاریخ۔ نیز یہ کہ طبقاتی تنازع کی یہ تاریخ ایک ایسے سلسلہ کی حیثیت

شے مادکس اور اینہذا کی تحریرات کا جو سرسری جائزہ ہم اس سے پہلے پیش کر چکے ہیں۔ اس سے اس امر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اشتراکیت کے ان بانیوں نے صرف معاشی امور ہی سے بحث نہیں کی ہے بلکہ کائنات کا تصور، تاریخ کے ارتقاء کے اصول و تمدن کے قوانین، فلسفہ، مذہب کی حقیقت، ریاست اور قانون وغیرہ تمام مباحث پر گفتگو کی ہے اور ان مباحث کو اپنے مرکزی تصور سے متعلق اور مربوط کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو خلاقی نظام (system builders) کہا جاتا ہے۔

رکھتی ہے جس میں ارتقاء کا فرض ہے اور جواب ایک ایسے مقام پر پہنچ گئی ہے کہ مظلوم اور پے ہوئے طبقات پر وقتاریہ، استحصال اور برسر اقتدار طبقات (بورژوا) کے تسلط سے نہایت حاصل نہیں کریں گے، مگر اس طرح کہ اس کے ساتھ ساتھ، اور ہمیشہ کے لیے، پورے سماج کو استحصال، ظلم و تشدد، طبقاتی تفریق اور طبقاتی نزاع سے بھی پاک کر دیں گے۔

یہ بنیادی بات، میرے خیال میں، تاریخ کے لیے وہی کچھ کہنے والی ہے جو دارون کے نظریہ نے سیاست کے لیے کیا؟
یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مارکسی اشتراکیت کا پورا نظام فکر مربوط اور متکلم ہے۔ اس کے معاشی تصورات کو اس کی تعبیر تاریخ سے کاٹ کر نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس کے تعبیر تاریخ کے تصور کی جڑیں اس کے تبدیلی فلسفہ میں اترتی جوتی ہیں، اس کا تبدیلی فلسفہ مادیت اور عقلیت پر مبنی ہے، اس کے سارے سماجی تصورات اسی نظام فکر کی پیداوار ہیں۔ یہ فکر صحیح ہو یا غلط دائرہ ہماری نگاہ میں غلط ہے، لیکن اس کے ایک جزو کو دوسرے سے کاٹ دینے سے کوئی معنی باقی نہیں رہتے۔ مارکس اور اینجلز کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فکر کے اساس یہ تصور تھا کہ سوسائٹی ایک نامی (Organic) وجود ہے، جس کا ہر حصہ

۱۔ اشتراکی فکھور اینجلز کا پیش نظر برائے طبع ۱۸۸۳ء۔ ملاحظہ ہو کیرنٹ مینی فیسٹ سوشلسٹ لیڈنگ ٹک۔ مرتبہ پرائڈ لاسکی۔ مطبوعہ ایس اینڈ انون۔ لندن ۱۹۵۱ء صفحہ ۱۔

دوسرے سے مربوط ہے، تاریخ ایک ارتقائی عمل کا نام ہے۔ ہر دور اپنے ماقبل کا رجحان شاکر آگے بڑھتا ہے اور اس سے چند قدم آگے نکل جاتا ہے اور ترقی ایک مسلسل اور پیہم کش مکش اور پیکار کا نتیجہ ہے۔ تنازع ہی میں ترقی کا راز ہے۔
مارکسزم کیا ہے؟

مارکسزم چونکہ اشتراکیت کی مکمل ترین اور معتبر ترین شکل ہے اس لیے ہم کوشش کریں گے کہ اس نظام فکر کے تمام پہلوؤں کی مختصر ترین الفاظ میں تلخیص کر دیں تاکہ اس کی معنوں کا لہرا پورا اندازہ ہو سکے۔

۱۔ اشتراکیت کا تصور کائنات یہ ہے کہ مادہ ازل سے ہے اور اجتماع مندریں پر مبنی ہے، یعنی متضاد عناصر کے اجتماع سے عبارت ہے۔ تناقض و تضاد فطری اور لازمی طور پر حرکت کو پیدا کرتے ہیں اس لیے مادہ خود حرکتی (Autodynamic) ہے۔ مارکس فلسفہ کا پہلا بنیادی قانون ہی اجتماع مندریں (Unity of opposites) ہے۔ اس کا دوسرا قانون اصول نفی (Negation) ہے۔ جس کے تحت مادہ نفی کے ذریعہ کبھی ترقی حاصل کرتا ہے۔ گیہوں کا راز فنا ہو کر اپنے سے سو گنا زیادہ دانے پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح مادی حقیقت اپنی مقدار اور کثیت میں اضافہ کرتے چل جاتی ہے پھر تیسرا قانون اصول قلب ماہیت (Transformation) ہے، جو نئی

شے اس پہلو سے ہر نقشہ نے بڑی قیمتی اور مفید بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو

حقیقتوں اور کیفیتی تبدیلیوں کی ترجمان کرتا ہے۔ اس طرح اشتراکیت کا تصور کائنات خالص مادیت پر مبنی ہے اور اینجلز کے الفاظ میں اس کے ذریعہ (نعوذ باللہ) اُس کائنات سے باہر کسی خالق کے تصور کا آخری نشان بھی مٹا دیا گیا ہے۔

۲۔ مادیت کا تصور شعور بھی خالص مادی ہے۔ اس کی نگاہ میں روح یا نفس (Mind) کا کوئی وجود نہیں۔ شعور محض ذہن کا وظیفہ ہے جو مادہ ہی کے ایک لمبے ارتقائی سلسلہ کا نتیجہ ہے۔ ذہن انسانی معروض حقیقت کے علم کو حاصل کر سکتا ہے اور حصول علم کے لیے کسی دوسرے ذریعہ کی حاجت نہیں۔ صداقت کی میزان عمل اور تجربہ ہے اور علم و عمل باہم مربوط ہیں۔ اگر علم عمل کے سید ان میں اچھے نتائج نکالے تو وہ بنی برصداقت

۳۔ بحوالہ Anti-Duhring، مطبوعہ نیویارک، ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۹۱۔ مادیت کے تصور کائنات کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل اصل مآخذ سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

Marx, K., Capital, London, Vol. 1 and 2.

Marx, K., Selected Correspondence, Moscow, 1954.

Engles, F., Ludwig Feuerbach, New York, 1934.

Thesis on Feuerbach

Engles, F., Anti-Duhring,

Lenin, V. I., Materialism and Empirio-Criticism, Moscow.

ہے ورنہ باطل ہے۔ اس طرح روج کی مکمل نفی ہو جاتی ہے اور خود شعوری زندگی کی توجہ خالص مادی بنیادوں پر کی جاتی ہے۔

۴۔ اشتراکیت کا تصور تاریخ بھی خالص مادی ہے۔ وہ اس میں نہ کسی بالاتر قوت کی کار فرمائی کو مانتی ہے اور نہ فرد ہی کو کوئی آزاد تخلیقی کردار عطا

۵۔ اس نکتہ کے لیے بھی اوپر کے مأخذ سے رجوع کیا جائے۔ ان کے علاوہ اس موضوع پر ان کتب کا مطالعہ مفید ہوگا:

Murry, J., *Marxism*, London, 1935.

Jackson, T., *Dialectics : The Logic of Marxism*, London, 1936.

Russel, B., *Freedom Versus Organization*, Allen and Unwin, London, 1949.

Cole, G. D. H., *The Meaning of Marxism*, London, 1948.

Palekanov, G., *Fundamental Problems of Marxism*, London, 1929.

Adoratsky, V., *Dialectical Materialism*, London, 1934.

McFadden, Charles J., *The Philosophy of Communism*, New York, 1939.

Carew Hunt, R. N., *The Theory and Practice of Communism*, London, 1951.

Cornforth Maurica, *Dialectical Materialism*, London (3 Volumes)

کرتی ہے۔ اصل تاریخ ساز قوت معاشی کرائفت ہیں اور انہی سے باقی تمام سماجی تصورات اور ادارات جنم لیتے ہیں۔ اس میں ایک قسم کی سماجی جبریت بھی پائی جاتی ہے۔ ہر دور اپنے ماقبل سے پیداواری قوتیں وراثت میں حاصل کرتا ہے۔ پورے سماجی نظام کی صورت گری معاشی قوتوں کے ہاتھوں ہوتی ہے۔ اور جب ایک سماج اور اس کے ادارات معاشی قوتوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں تو تنازع رونما ہوتا ہے جو بڑھتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک انقلاب کے ذریعے یہ شزیت اور تناقض رفع ہو جاتا ہے اور نئی سماجی ہیئت رونما ہوتی ہے۔ انقلاب ہی وہ راستہ ہے جس سے تضادات رفع ہوتے ہیں اور نئے تضادات کے رونما ہونے کے دورانے کھلتے ہیں۔ تاریخ اسی کش مکش اور پیکار سے عبارت ہے اور اس کو نظر انداز کر کے تاریخ یا سماج کے کسی پہلو کو اور تاریخ میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔

۴۔ ریاست کے بارے میں اگر کسی تصور پر ہے کہ وہ اس وقت وجود میں آئی جب وسائل پیداوار کی انفرادی ملکیت کی وجہ سے معاشرہ دو طبقات میں

سے اشتراکیت کے اس قصبے کے مطالعہ کے لیے مندرجہ بالا کتب کے علاوہ ملاحظہ ہوں:

Marx, Communist Manifesto.

Marx, A Contribution to the Critique of Political Economy

Bober, M. M., Karl Marx's Interpretation of History,
Harvard University, 1950.

بٹ گیا۔ برسرِ اقتدار طبقہ نے اپنے تسلط کو قائم رکھنے کے لیے ریاست کا آلہ وضع کیا۔ یہ ایک خالص طبقاتی ادارہ ہے اور استحصالی قوتوں کا مدد و معاون ہے۔ اس کا اولین مقصد انفرادی حکیت کا تحفظ ہے اور قوت و تشدد کے ذریعہ یہ مقصد حاصل کرتی ہے۔

۵۔ مذہب بھی طبقاتی تصادم کی پیداوار ہے۔ یہ عوام کو اپنے دشمنوں کی ٹیس سے غافل کرنے کا ایک حربہ ہے۔ یہ انہیں ان کے فرائض کی ترغیم دیتا ہے، لیکن حقوق کو گرتی درس نہیں دیتا۔ بلکہ ظلم اور زیادتی پر تسلیم خم کرنے کا سبق پڑھاتا ہے اس لیے مذہب کو مٹاتے بغیر اصلاح کی راہ نہیں مکمل کسکتی۔ اسی طرح اخلاقی طبقاتی تقسیم ہی کی پیداوار ہے اور بالآخر طبقات کے مفاد کے تحفظ کا کام انجام دیتا ہے۔

۶۔ مندرجہ بالا کتب کے علاوہ ان کا مطالعہ بھی اس پہلو کے سمجھنے کے لیے مفید ہوگا۔

Engles, The Origin of the Family, Private Property and the State.

۷۔ مندرجہ بالا کتابی شکل میں بھی شائع ہوا ہے اور منتخب مقالات میں بھی شامل ہے۔

Lenin, V., The State and Revolution, Moscow

۸۔ ملاحظہ ہو، ایڈیٹرز کی لٹریچر فیور باخ اور ڈیڈ ہیرنگ "لینن کی مذہب" مطبوعہ

ماسکو و نیریاک بخارین (N. Bukharin) کی The A. B. C. of Communism

مطبوعہ لندن ۱۹۳۹ء، ہیرالڈ لاسکی کی: Communism مطبوعہ لندن ۱۹۳۵ء، (۱۹۳۵ء)

۶۔ سرمایہ دارانہ نظام ایک نظامِ ظلم ہے۔ اس میں نجی ملکیت کی وجہ سے ایک اقلیتی طبقہ تمام وسائل پیداوار پر قابض ہے۔ اس کا مقصد اپنے نفع کو بڑھانا ہے اور یہ اضافہ دوسروں پر ظلم و زیادتی اور ان کے حقِ محنت کو خوردبرد کر کے حاصل کرتا ہے۔ قدرِ محنت کی پیدا کردہ ہے لیکن اس کا صرف ایک حصہ اصل محنت کار کو جاتا ہے، ایک بڑا حصہ سرمایہ دار لے لیتا ہے۔ اور اس ظلم کی پگھلا کر تیزی سے چلنے میں مدد دیتا ہے۔ لیکن سرمایہ داری کا نظام اب اس مقام پر آ گیا ہے کہ اس کا بنایا ہوا سماجی نظام وسائل پیداوار کے بنیادی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس میں مغائرت کی کیفیت رونما ہو گئی ہے جو بڑھتی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری نے خورد خستہ تعصبات کو جنم دیا ہے اس میں سرمایہ کے ارتکاز کا قانون کار فرما ہے جس کے نتیجے میں دولت کم سے کم تر ہاتھوں میں جمع ہوتی جا رہی ہے اور دوسری طرف غربت پھیلتی اور بڑھتی جا رہی ہے۔ خورد سرمایہ کی بنیاد پر ترکیبی (Organic Composition of Capital) بدل رہی ہے، ان کے نتیجے میں پیداوار اور صرفہ میں توازن باقی نہیں ہے اور یہ چیز معاشی عدم استقلال کو پیدا کر رہی ہے۔ معاشی بحران رونما ہو رہے ہیں اور مزید ہوں گے اور بالآخر نظامِ سرمایہ داری

(۱) اشتراکی پارٹی کا پروگرام (Programme of the Communist International) مطبوعہ نیو یارک ۱۹۳۶ء اور پیرس ویب کی (Soviet Communism: A New Civilisation) مطبوعہ لندن ۱۹۴۶ء۔

کو لے ڈوبیں گے۔ سرمایہ داری سہارا لینے کے لیے سامراجیت کا روپ و حلقہ ہے۔ لیکن یہ اس کا آخری سنبھلا ہوا ہے۔ نتیجتاً اپنے ہی بطن سے دونا ہونے والے تناقضات اور اختلافی قوتوں کے باعثوں یہ نظام ختم ہو جائے گا اور اشتراکیت اس کی جگہ ایک تاریخی تقاضے کی حیثیت سے دونا ہوگی یہ تبدیلی ایک انقلاب کے ذریعہ ہوگی جس کے بعد پروتاریہ کی آمریت دونا ہوگی۔ یہ آمریت وسائل پیداوار کی قومی ملکیت قائم کرے گی اور اس بنیادی تبدیلی کے نتیجے میں نیا سماج دونا ہوگا جب یہ انقلابی عمل اپنی تکمیل کو پہنچے گا تو ایک غیر طبقاتی معاشرہ وجود میں آئے گا جس کے کامیابی سے کام کرنے کے لیے ریاست کی جبری قوت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ یہ ہوگی اصل معیاری اشتراکی سوسائٹی، جس میں بطریقہ وارث ہوگی نہ اس کے پیدا کردہ تنازعات و تناقضات ہوں گے اور نہ تشدد اور جبر کے آلات۔ اس معاشرہ میں مادی فراوانی (Affluence) کی کیفیت بھی ہوگی۔ اور یہی ہے اشتراکیت کا فتنہ اور مقصود۔

۱۔ اس پہلو کے مطالعہ کے لیے مارکس اور اینیبلز کی فکر کردہ بالاکتب کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا:

اشتراکیت کی ان بنیادی تعلیمات کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے کہ
(الف) اشتراکیت ایک مکمل نظام فکر اور ایک سماج اور تہذیب ہے۔ اس کے مختلف
اجزاء باہم مربوط ہیں یہ جزوی اصلاح کا کوئی منصوبہ نہیں۔

(ب) اس کی بنیاد اور روح خالص مادیت اور مذہب سے بیگانگی بلکہ اس کی مخالفت
پر مبنی ہے۔ اس کی حیثیت مذہب کے ایک متبادل (Alternate) اور
رقیب کی ہے، حلیف کی نہیں۔

اب تک ہم نے ان باتوں کو اشتراکیت کے بانیوں کے افکار کی روشنی میں بیان
کیا ہے۔ اب ہم اس دعوے کی تائید میں اپنے دوسرے چند چوٹی کے اہل قلم کی آراء
پیش کرتے ہیں۔

امریکا کا سب سے بڑا مارکسی ماہر معاشیات پروفیسر ہال ایم سویزی اپنی کتاب
سوشلزم میں لکھتا ہے:

سوشلزم کے معنی وہ سماجی نظام ہیں جس کی امتیازی خصوصیت،
دوسرے سماجی نظاموں کے مقابلہ میں، مخصوص نوعیت کے تعلقات
حکیت ہیں۔

سویزی اس کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھتا ہے کہ:

جب ہم اشتراکیت کی بات کرتے ہیں تو ایک سماجی نظام کے

بارے میں بات کرتے ہیں، محض ایک خاص قسم کے تعلقات ملکیت کے مجموعے ^{مجموعہ} نہیں۔

یعنی اصل چیز یہ نہیں ہے کہ اشتراکیت میں وسائل پیداوار اجتماعی ملکیت میں آجاتے ہیں بلکہ اس بنیاد پر رونما ہونے والا پورا سماجی نظام ہے۔ کیرل پوپنٹ، جس نے اشتراکیت پر بڑے مدلل اور تحقیقی انداز میں کام کیا ہے، لکھتا ہے۔

”پس اشتراکیت ایک مکمل تمدنی اور نظام حیات (Weltanschauung)

ہے جو ایک مربوط فلسفہ، معاشی، سیاسی اور سماجی نظریہ پر مبنی ہے، وہ نظریہ جو دنیا کی واحد سامانی تعبیر کرنے کا مدعی ہے۔ اس کا مطالعہ کل کے کل کی حیثیت سے ہونا چاہیئے۔ نبات بالکل روا نہیں کہ اس کے کچھ اجزاء کو جو ہماری توجہ کو جذب کریں پورے نظام سے جدا کر کے غور کیا جائے اور باقی حصوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ اشتراکی سرگرمیوں کی تفہیم اس پورے نظام کے مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں جس پر وہ مبنی ^{مبنی} ہیں۔ یہی مصنف اپنی ایک دوسری کتاب میں اشتراکیت کے نظام کے بارے میں اس بات کا یوں اظہار کرتا ہے کہ:

17. *ibid.*, p. 5 and p. 7.

18. Carew-Hunt, R. N., *The Theory and Practice of Communism*, Geoffrey Bles, London, 1951, pp. 7-8

”نیز یہ کہ اس کا نظام ایک مکمل نظام ہے۔ ایسا کی نظام جس میں انسانی فکر و عمل کے تمام پہلو ایک موثر اور فیصلہ کن اصول پر مبنی ہیں۔“^{۱۹} ایک دوسرے مقام پر کیر لوہنٹ لکھتا ہے:

”مارکسزم ایک انقلابی نظریہ ہے۔۔۔۔۔ موجودہ نظام کا پورا ہیروا۔ اس کا نظام قانون، فروج، دہلیس وغیرہ سب کو یکسر بدل کر پورے سماج کو نئی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔“^{۲۰} اسی بات کا اظہار سائرل زیمبٹ نے کیا ہے:

”ایک آئیڈیالوجی کی حیثیت سے اشتراکیت غریب سے ظالمی ممانعت رکھنے والا عنصر ہے۔ یہ سیاسی فکر و عمل کا ایک نظام ہے اور دنیا کے متبادل (Substitute) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعدی ادریت کے نظریہ کی جب تاریخ پر تطبیق کی جاتی ہے اور مستقبل میں اس کی تطبیق Projection کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسانیت کے آخری ہوت کے طور پر ایک عالمگیر نظام کا تصور پیش کرتا ہے جس میں پیداوار اجتماعی ہو اور ایک غیر طبقاتی سماج میں عالمگیر مادی فراوانی کا دور دورہ ہو۔“^{۲۱}

19. Carew-Hunt, R. N., *Marxism: Past and Present*, Geoffrey Bles, London, 154, P.S.

20. Carew-Hunt, *Marxism*, p. 167.

21. Zebot, Cyril A., *The Economics of Competitive Co-existence*, Praeger, London, 1964, p. 24.

اشتراکیت کے ایک مکمل نظام ہونے کی بات صرف نظری طور پر ہی ثابت نہیں ہے بلکہ دوس کا تجربہ ہر حیثیت سے اس کی تائید کرتا ہے۔ کیروینٹ کے مفاظ میں:

”جنس نظریہ پر سوئٹ نظام کی بنیاد ہے وہ ایک مادہ پرست آئیڈیالوجی ہے۔ اس کا بنیادی مفروضہ ہے کہ معاشی عامل اولیں اہمیت کا حامل ہے، اس کے سوا کچھ ہے اس کا کس ہے۔ اس کا سب سے پہلا اور منطقی تقاضا یہ ہے کہ معاشرے کی معاشی بنیاد کی تشکیل نو میں یعنی ان مسائل پیداوار کو قومی ملکیت میں لایا جائے جنہیں سرمایہ داری اب تک اپنے فائدے کے لیے استعمال کر رہی تھی۔ یہ وسائل پیداوار اب مزدوروں کی تحویل میں ہوں گے۔ لیکن مزدور ان پر تصرف کے بارے میں مجبور ہیں، اس لیے نئی منصوبہ بند معیشت کی ذمہ داری اشتراکی پارٹی پر ہوگی جو اب واحد طبقہ کی نائنڈہ تصور کی جاتی ہے۔ اس کا لازمی تقاضا ایک جماعتی حکومت ہے، اس لیے کہ ایسا کوئی گروہ یا مفاد باقی ہی نہیں رہا ہے جس کی نائنڈگی دوسری پارٹی کرے گی۔ اگر وہ حکومت سے اتفاق کرتی ہے تو وہ بے کار ہے۔ اگر اختلاف کرتی ہے تو باغیانہ ہے، پھر حکومت کے اختیارات کی بھی کوئی حد نہیں ہو سکتی نزد معاشرہ اور گروہ کے ایک فرد ہی کی حیثیت سے اپنا کئی وجود رکھ سکتا ہے، اس سے باہر نہیں۔ قانون انحرافی اور تخریبی عناصر کی سرکوبی کا آلہ بن جاتا ہے، نلفہ، کارٹ، آب، اور ساتنس کوئی بھی اس نظام میں اپنے لیے آزاد مقام کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ ان سب کی اصل قدر و قیمت اور حقیقی حوازا اس میں

ہے کہ نظام کی کارکردگی میں کیسے امتداد کریں، خاندان کا نظام اس حد تک گوارا کیا جائے گا جس حد تک ریاست اسے مفید مطلب سمجھے۔ بچے معاشرے کی دولت ہوں گے، والدین کی ذاتی دولت نہیں۔ مذہب کا گوارا کیا جائے گا بہت ہی مشکل ہے، اس لیے کہ اس کی وجہ سے وفاداریوں میں خنویت کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اسے اس معاشرے میں کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے جس میں سب کچھ قیصر کا ہے۔ نئے نظام کا مہندس کسی قیصر کو گوارا نہیں کر سکتا۔

یہ ایک بلند پایہ نظام کی رائے تھی۔ اب ایک چوٹی کے عمارت کے راسے بھی سن لیجئے۔ بات وہ بھی یہی کہتا ہے اور کوئی لگی لپٹی رکے بغیر کہتا ہے، اور اعلیٰ یہ ہے کہ اس کلیت پسند مزاج اور دوئی اور ثنویت کے ختم کیے جانے کے بارے میں زبان بھی تقریباً یہی استعمال کرتا ہے۔ کیرل ہنٹ سب کچھ قیصر کے لیے کہتا ہے اور مشہور سوشلسٹ مفکرین سڈنی اور پئرس ویب اتوار اور باقی ایام کی تفریق کے مٹ جانے اور سب کے ایک رنگ میں رنگ جانے کی خبر دیتے ہیں۔ واضح رہے کہ اتوار اور باقی ایام کی تلخ بڑی معنی خیز ہے۔ حیسانیت میں اتوار خدا کا دن تھا اور باقی تمام دن دنیا پرستی کے۔ ایک اہم چرمن مفکر نے بہت خوب لکھا تھا کہ لیرپ کی حیسانی اخلاقیات کا حال یہ ہے کہ اتوار کو ہر حیسان کی بائبل اس کا بھی کھاتہ (Ledger) بن جاتی

ہے اور ہفتہ کے باقی تمام دنوں میں اس کا سہی کھانا اس کی بائبل جھڑکتی ہے۔ سٹنی ویب اور اس کی اہلیہ بھائیہ کے مشہور سوشلسٹ ہیں۔ ان کی کتاب اشتراکی روس کے ایک نہایت مستند اور دو تازہ مطالعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے اشتراکیت کو ایک مکمل تہذیب کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ ان کی مشہور کتاب "Soviet Communism: A New Civilization" اس کا ثبوت ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۵ء میں آیا ہے ترجمہ میں نے نئی تہذیب کے آگے ایک سولہ نشان (۶) لگا دیا تھا۔ لیکن بعد کے حالات کے مطالعہ کے بعد انہوں نے سولہ نشان بنادیا۔ آخری ایڈیشن (۱۹۴۴ء) میں ایک جگہ میں اس بات کا فیصلہ کن انداز میں اظہار کیا کہ وہ ایک نئی مادی تہذیب ہے۔

یہ بلاشبہ تو بہات اور باد و غیو کے سلسلہ کے ان تمام بچے کچھے تصورات کا ابطال کرتی ہے جو بیسویں صدی کا انسان سرمایہ داری سوشائٹی میں کائنات اور اس میں انسان کے نظام کے بارے میں رکھتا ہے۔ روسی اشتراکیت ایک نئی آئینہ بالوچی اور نئی معاشیات دیتی ہے۔ درمیانہ کو علم کے لیے کوئی حد نہیں کرتی اور سائنس کی ترقی پر انحصار کرتی ہے بلکہ ابدی بات اس تہذیب کی امتیازی خصوصیت ہے، ہر اس علم کو ماننے یا اسے اپنے منابطہ اخلاق کی بنیاد بنانے سے انکاری ہے جو محض مادیاتی معائدے سے ماخوذ ہے اور جو انسانی کینٹلفس یا مذہبی مفکری خیال کرائیوں کے سوا کوئی عقلی بنیاد فراہم نہیں کرتا۔

پھر یہ مصنفین کہتے ہیں کہ اب یہی نئی غیر مذہبی اخلاقیات پوری زندگی میں

جاری و ساری ہیں، معاشی پیداوار قومی ملکیت کے تحت اجتماعی مصرف کے لیے جو رہی ہے اور منصوبہ بندی کے ذریعہ جو رہی ہے۔ اتوار دہدہی زندگی اور ہفتہ کے بقیہ ایام و کاروباری زندگی میں کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے۔ ایک شہری فیکٹری اور ملکیت میں بھی اسی نظام اقدار کے مطابق عمل کرتا ہے جس کے مطابق گھر، کھیل یا انتخابات میں کرتا ہے۔ مذہبی اور دنیوی ایک ہو چکے ہیں۔ مذہب کی نہیں دنیویت کی بنیاد پر دورنگی کی جگہ ایک رنگی پیدا ہو گئی ہے، لیکن دینی کی ایک رنگی؛

مندرجہ بالا بحث ہمارے قائم کردہ نکات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اب ہم کو صرف دوا سود کی وضاحت کی مزید ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ ہم نے جو یکو اشتراکیت کی اس اصل اور مرکزی تحریک کے بارے میں کہا ہے، وہ ان سوشلسٹ تحریکات کے باب میں بھی صحیح ہے جو اپنے کردار کسی نہیں کہتیں۔ اور دوسری چیز یہ ہے کہ کیا ہم کیرنزم اور سوشلزم میں کوئی تفریق کرتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر یہ دو مختلف چیزیں ہیں، تو ان میں کیا فرق ہے۔ ان دونوں سود کی وضاحت کے بعد سوشلزم کی نوعیت کے بارے میں غالباً کوئی اشتباہ باقی نہیں رہے گا۔

سوشلزم اور کیرنزم میں فرق

پہلی بات کے بارے میں ہم یہ عرض کریں گے کہ ہر کس اور ایمپلوز کے بعد پوری اشتراکی فکر پر ان کے اثرات بہت نمایاں ہیں جن لوگوں نے جزوی طور پر ان سے اختلاف کیا ہے یا کچھ دوسرے انداز میں اشتراکیت کی حوت کو پیش کیا ہے۔ وہ بھی ہر کس کی بنائی ہوئی ساخت (Framework) سے باہر نہیں نکل سکے ہیں تھا اہم سوشلسٹ مفکرین نے انفرادی اور قومی ملکیت کو سرمایہ داری اور اشتراکیت کے

درمیان فرق کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اگر کسی دائرہ میں کوئی نمایاں فرق ہے تو وہ سیاسی ہیئت اور طریق انقلاب کا دائرہ ہے۔ بنیادی فکر یا سوچنے کے انداز کا نہیں۔ یہی لیے دیکھئے کہ برطانیہ کی لیبر پارٹی اشتراک نشور کو اپنی فکر کے ماخذ کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ اور مارکس اور اینجلز دونوں کو ساری مزدور تحریک کا مرجع قرار دیتی ہے۔ قومی ملکیت کے مسئلہ پر تقریباً تمام سوشلسٹ مفکر یہی اور جماعتوں کے درمیان اتفاق رہا ہے اور یہی ان کی امتیازی خصوصیت ہے۔ اور ساری اصلاح کا انداز اس ایک چیز پر دکھنا دراصل مارکسزم کی روح ہے۔ دوسرے سوشلسٹ کسی ان دلائل کو بھی استعمال کرتے ہیں جو مارکس نے دیتے، کبھی صرف تفسیر اور ماحصل بحث کو پیش کر دیتے ہیں اور کبھی اپنی طرف سے دوسرے دلائل کا اضافہ کرتے ہیں۔ لیکن مرکزی فکر ان سب کی ایک ہے۔

یہیں وجہ ہے کہ اصل اور مرکزی خیال کے اعتبار سے سوشلزم اور کمیونزم میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔ اپنے اصل مقاصد کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔ فرق جو بھی ہے وہ ضمنی اور فرعی ہے، بنیادی اور اساسی نہیں۔ چونکہ اس مسئلہ پر خاصی

سے ملاحظہ ہو۔ پیش نظر از لیبر پارٹی، اشتراک نشور۔ سوشلسٹ گنگ میل، لاہور، صفحہ ۶۔
 ۴۳ ملاحظہ ہو۔

Laidler, Harry W.. Social-Economic Movements.

Routledge & Kegan Paul, London, 1953, p. 110.

اشتراکیت پر پڑا بڑا نیکیا میں جامع بنارڈ شا کا مضمون بھی اس سلسلے میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ثولیدہ نگہ پائی جاتی ہے، یا پیدا کی جاتی ہے۔ اس لیے ہم اس کے ضروری پہلوؤں کی مختصر وضاحت کر دیتے ہیں۔

سوشلزم کے مقابلہ میں کمیونزم نسبتاً پرانی اصطلاح ہے۔ پرانے لٹریچر میں کمیونزم کا لفظ بار بار استعمال ہوتا نظر آتا ہے۔ مور (Muir) کی خیالی جنت (Utopia) میں یہ غالباً پہلی بار روسا کی پیداوار کی اجتماعی ملکیت کے معنی میں استعمال ہوا اور اس طرح ایک سماجی نظام کا تصور ابھرا۔ اس سے پہلے کی تمام تحریرات میں یہ لفظ اشیائے صرف کے اشتراک کے لیے بولا جاتا تھا۔ انیسویں صدی کے شروع میں سوشلزم کا لفظ مستقل ہوا اور ایک اجتماعی نظام اور تحریک کی حیثیت سے یہ لفظ پہلے پہل رابرٹ اوون (Owen) اور اس کے قیامین کی تحریرات میں استعمال ہوا۔ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۴۵ء تک اسے بڑا چان حاصل رہا۔ مارکس اور اینجلز نے اپنے کو اس دور کے سوشلسٹوں سے جنہیں وہ خیال کہتے ہیں، کمیونزم کے لیے کمیونٹ کہا۔ پارٹی کا نام کمیونٹ ٹیک اور اپنے نظریہ کو کمیونزم کہا۔ جلد ہی اس ٹیک کا اٹنا اثر ہوا کہ دونوں میں تفریق مشکل ہو گئی۔ پہلی بین الاقوامی تحریک کے بعد دونوں لفظ تقریباً مترادف کی حیثیت سے استعمال ہونے لگے۔ خود مارکس اور مارکسیوں نے اپنے کمیونٹ کہنا شروع کر دیا۔ اینجلز نے سائنسی سوشلزم کی اصطلاح کو رواج دیا۔ بقول سوری۔

”مختبراً کمیونٹ اور سوشلسٹ کے الفاظ کم و بیش ایک دوسرے کے متبادل کی حیثیت سے استعمال ہونے لگے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ کمیونٹ کی جگہ سوشلسٹ بننے لگی۔ کمیونٹ ختم ہو کر سوشلسٹ

تحریک کے مقاصد اور طریق کار کا مستند اور متفق علیہ بیان سمجھا جانے لگا۔
 اس طرح میں تو شدم، تو میں شدتی کی کیفیت پیدا ہو گئی اور یہ سلسلہ تقریباً پہلی
 جنگ عظیم کے اختتام تک جاری رہا۔ روس کے اشتراکی انقلاب کے بعد پھر فرق و تنا
 ہوا اور یورپ کے اشتراکیوں نے اپنے کو سوشلسٹ کہا جب کہ روس نے کیونززم کی
 اصطلاح استعمال کی، لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ روس کا دستور بھی روس کو ایک
 سوشلسٹ ریاست کہتا ہے، کیونزٹ ریاست نہیں، یہ فرق سیاسی اور ایک مد
 تک طریق کار کا فرق تھا، اصل مقاصد کا نہیں۔ حقیقی منزل اور بنیادی رویہ کے اعتبار
 سے دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسٹورڈ ڈکشنری میں کیونززم اور سوشلزم
 کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

سوشلزم

کیونززم

"A theory or policy of social organizations which advocates the ownership and control of the means or production, capital, land, property, etc., of the community as a whole, and their administration or distribution in the interests of all."²⁵

"A theory of society according to which all property should be vested in the community and labour organized for the common benefit."²⁶

25. Sweezy, *Socialism*, p. 9.

26. *Shorter Oxford Dictionary*, p. 352.

27. *ibid.*, p. 1936.

”سماجی تنظیم کا ایک ایسا نظریہ یا
مسک جو تمام وسائل پیداوار سرمایہ
زمین، بلکہ وغیرہ پر پورے معاشرے
کی ملکیت اور اجتماعی تصرف کا دعویٰ کرے
اور جس کا مقصد سب کے مفاد میں ان
وسائل کی تنظیم اور تقسیم ہو۔“

”سماج کا ایک ایسا نظریہ جس کی
سے تمام ملکیت معاشرہ میں تقسیم
ہونی چاہیے اور محنت کی تنظیم مفاد عامہ
کی خاطر انجام پانی چاہیے۔“

سویڈش کیریو ہنٹ، لوکس، ہیروے سی وغیرہ سب اس پر متفق ہیں کہ اپنے
اصل مقاصد اور منزل اور خیال کے اعتبار سے دونوں میں کوئی اساسی فرق نہیں ہے۔
ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف ایک دو سوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔
”جہاں تک ان مقاصد کا تعلق ہے جو ان دونوں کے سامنے ہیں
ان کی دوسرے سوشلزم اور کمیونزم تقریباً یا ہم مترادف اور متبادل اصطلاحات
(Interchangeable terms) ہیں۔۔۔۔۔ ان کے درمیان جو بھی
اختلافات ہوں اصل مقصد اور فضا کے اعتبار سے ایک ہیں، فرق
ذرا الگ کا ہے، مقاصد کا نہیں۔“
پال ہیروے سی لکھتا ہے کہ:

28. Socialism, pp. 8-14.

29. Carew-Hunt, The Theory and Practice of Communism, p. 5.

”سوشلزم اور کمیونزم کی اصطلاحات اپنے معاشی معنی میں تقریباً ہم معنی ہیں۔ اس لیے کہ دونوں نظاموں کا جن کا فرق کیفیت کا نہیں کیت کا ہے، آخری مقصد انفرادی ملکیت کی بجائے قومی ملکیت اور آزاد کاروبار کی بجائے سرکاری منصوبہ بندی ہیں۔“

لوکس کا خیال ہے کہ فرق صرف زمانی میزان کا ہے۔ سوشلسٹ بھی اپنا طویل المدت مقصد کمیونزم ہی کو کہیں گے جبکہ کمیونسٹ اپنے قلیل المدت یا فوری مدت کی حیثیت سے سوشلزم کو پیش کرتے ہیں۔

اس مقصدی اشتراک اندیک رنگی کے اعتراض کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ بھی بتا دیں کہ طویل اعتبار سے ان کے درمیانی جو فرق کیا گیا ہے وہ کیا ہے۔ اگر تمام اہم نکات پر غور کیا جائے تو دو واضح رجحان ملتے ہیں۔

۱۔ جمہوریت پسند اشتراک۔ ان کا کہنا یہ ہے سوشلزم وسائل پیداوار کو قومی تحویل

30. Paul de Hevesy, *The Unification of the World*.

Pergamon Press, Oxford, 1966, p. 98.

31. Loucks, William N., *Comparative Economic Systems*,

Harper & Bros., New York, (Oxford edition for students), 1961, p. 137.

اس مسئلہ میں مزید شواہد کے لیے ملاحظہ فرمائیں ٹیکو پیڈیا برٹانیکا، مقالہ سوشلزم و کمیونزم اور یونز کی دانشور کی کتاب خلافتی سے مارکسزم، سٹالینک سوشلزم اور خیالی سوشلزم پر نوٹس۔

میں تو لینا چاہتا ہے۔ لیکن انقلابی اور تشددانہ طریقہ سے نہیں، بلکہ ایک تدریجی، اصلاحی تبدیلی کے ذریعہ جس میں عوام کی رائے کو سفر کر کے انہی کے دونوں سے مشترک قوتیں برسرِ اقتدار آئیں گی۔ پارلیمانی قانون سازی کے ذریعہ اصلاحات نافذ ہوں گی، بالواسطہ ذرائع کو زیادہ اہمیت دی جائے گی۔ اور عوام کی آزادیوں اور جمہوری فضا کی حفاظت کی جائے گی۔ اس مکتب فکر کی طرف ایک فرق کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ اشیائے صرف میں اجتماعی ملکیت اس کے پیش نظر نہیں ہے اور نہ ہی یہ ریاست کے ادارے کے بالکل فنا ہو جانے کا قائل ہے جب کہ کیونزم اپنی انتہائی شکل میں ان کا بھی دعویٰ کرتا ہے۔

۲۔ مارکس اور اس کے تبعین ان دونوں اصطلاحات میں جو اصولی فرق کہتے ہیں اسے پہلی مرتبہ خود مارکس نے ۱۸۴۷ء میں بیان کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ایک اشتراکیت کا اولین یا جمہوری دور ہوگا اور دوسرا اس کا آخری اور مکمل دور۔ اولین دور میں مزدوروں کی آمریت قائم ہوگی۔ ریاست موجود ہے گی، اس کو چلانے والے ہاتھ بدل جائیں گے۔ اجرت کے تعین میں بھی کارکردگی کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ البتہ قومی ملکیت کا نظام نافذ کر دیا جائے گا اور وہ آہستہ آہستہ

32. "Critique of the Gotha Programme," Selected Works, Moscow, Vol. II.

یہی بات زیادہ صفائی کے ساتھ لینن نے کہی ہے

دور دس سماجی تبدیلیاں لے آئے گا۔ اس عبوری دور کے اختتام پر جو دور قائم ہوگا وہ اصل اشتراک دور ہے۔ اس میں غیر طبقاتی معاشرہ وجود میں آئے گا۔ فرد کو کوئی ملک نہیں ہوگا۔ کوئی ریاست یا آلہ جبر نہیں ہوگا۔ پیداوار کی فراوانی ہوگی۔ ہر شخص کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا جائے گا وغیرہ۔ مارکس نے پہلے کو ابتدائی دور اور سوشلزم کا دور کہا ہے جبکہ آخری مرحلہ کو کمیونزم کا آخری اسٹیج کہا ہے۔ یعنی اس تقسیم کو اور بھی نمایاں کیا اور ریاست اور انقلاب میں زیادہ صاف الفحوں میں پہلے اور عبوری دور کو سوشلزم اور دوسرے دور کو کمیونزم کہا۔ اس مناسبت سے دس کے دستور نے دس کو ایک سوشلسٹ ریاست قرار دیا۔ کمیونزم کا ذکر اس میں صرف کمیونسٹ پارٹی اور اس کے مقاصد کے ذیل میں ہے۔ البتہ اشتراک پارٹی نے اپنے تیسرے پروگرام میں ^{۱۹۱۸}سوشلزم کمیونزم کی تعمیر اور ^{۱۹۱۹}ملک غیر طبقاتی معاشرہ کے قیام کو اپنے مانتے رکھا ہے۔ اس پروگرام کی تکمیل کے بعد کیا صورت ہوتی ہے، ابھی کہا مشکل ہے۔ لیکن فی الحال تو خود دس کا نظام بھی سوشلزم پر مبنی ہے، اور کمیونزم کے آنے کے

۱۹۱۸ء واضح رہے کہ اشتراک پارٹی نے اپنا عالمگیر پروگرام سب سے پہلے ^{۱۹۱۸}سوشلزم میں پیش کیا تھا اور اسے پہلا پروگرام کہتے ہیں۔ اس میں اشتراک انقلاب کی عام دعوت دی گئی ہے۔ دوسرا پروگرام ^{۱۹۱۹}سوشلزم میں آیا اور اس میں دس میں سوشلسٹ ریاست کی تعمیر کا پروگرام پیش کیا گیا۔ اور ^{۱۹۲۰}سوشلزم میں سوشلسٹ نظام کو بالآخر کمیونزم سے ہم آہنگ کرنے اور اس آخری مرحلہ کو ملے کرنے کا پروگرام پیش کیا گیا ہے۔

بعد ۲۰ سالہ پروگرام کے سلسلہ میں وہ جوش و خروش بھی نہیں ہے جس کا نظاہر غروشیٹ کر رہا تھا۔

اس وقت تک کی بحث کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ

۱۔ سوشلزم اور کمیونزم میں جزوی اختلافات کے باوجود مقصد اور بنیادی فکر کا اتفاق پایا جاتا ہے اور ہم ان دونوں الفاظ کو ہم معنی اصطلاحات کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔

۲۔ سوشلزم ایک تمدنی نظریہ اور ایک مکمل نظام حیات ہے، جمہوریت اور اجتماعیت کی بنیادوں پر معاشی وسائل کی قومی ملکیت کے ذریعہ ایک نیا سماج قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ ملکیت پسند سماج ایک بنیادی اصول پر مبنی ہوگا اور اس میں روح اور مادہ کی شناسائی اور دین و دنیا کی تفریق کا کوئی موقع نہ ہوگا۔ روح کی فنی اور دین و مذہب کا ابطال اس کا نقطہ آغاز ہے اور لادینیت اور مادیت کی بنیادوں پر پوری زندگی کی تعمیر اس کے پیش نظر ہے۔

۳۔ اس کام کا انجام دینے کے لیے اشتراکیت معاشی حیثیت کو تبدیل کرنا چاہتی ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وسائل پیداوار کی قومی ملکیت کے نتیجہ میں زندگی کے ہر پہلوؤں میں بنیادی تبدیلیاں رونما ہوں گی اور ایک نیا تمدن اور نئی تہذیب وجود میں آئے گی۔ یہی تہذیب اشتراکیت کا مقصد ہے۔ ہم نے یہ بحث اتنی تفصیل سے اس لیے کی ہے کہ اشتراکیت کی نوعیت کے بارے میں کوئی غلط فہمی باقی نہ رہے۔ جسے اس نظریہ کو قائم کرنا ہے وہ بھی سوچ سمجھ کر اور اس کے سامنے

مقتضیات کے شعور کے ساتھ اسے قبول کرے اور جسے اس کو درد
 کنا ہے وہ بھی یہ جان لے کہ وہ اسے کیوں ناپسند کرتا ہے۔

سوشلزم کو جاننے کے معیار

سوشلزم کو جاننے اور پرکھنے کے مختلف طریقے ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک طریقہ نگار کے مختلف گوشے ہمارے سامنے آتا ہے اگر ہم تمام ضروری معیارات کو سامنے رکھ کر سمٹ کریں تو گفتگو بہت طویل ہو جائے گی۔ اس لیے ہم چند پہلوؤں پر صرف سرسری نظر ڈالیں گے۔ اور چند دوسرے گوشوں پر نسبتاً تفصیلی نگاہ۔ اس سلسلہ میں جو اہم معیارات ہو سکتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ عقلی تنقید اور تجربہ کے ذریعہ اشتراکِ نظریہ کا جائزہ اور یہ محقق کس نے کی کوشش کر وہ کہاں تک یعنی برصداقت ہے اور زندگی اور کائنات کے حقائق سے مطابقت رکھتا ہے۔

۲۔ فکری اور عملی دونوں پہلوؤں سے اس امر کا جائزہ کہ وہ کیسی تہذیب قائم کرتا ہے اور انسان کی زندگی کے مسائل کو کہاں تک کامیابی کے ساتھ حل کرتا ہے۔ اس میں انسان کا مقام کیا ہے؟ اور حق و انصاف کو کہاں تک بول بولا ہے۔

۳۔ معدود معاشی نقطہ نظر سے بھی اشتراکیت کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کا سب سے بنیادی دھڑی معاشی میدان ہی میں ہے۔ اس لیے اس پہلو سے یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ اشتراکیت کا معاشی پروگرام کہاں تک حقیقت پسندانہ

ہے اور نتائج کی روشنی میں جو معاشی مثال (Model) اشتراکیت نے پیش کیا ہے اس میں انسانیت کے لیے کتنی کشش ہے؟

۴۔ پھر اشتراکیت کو خود اس کے اپنے دیتے ہوئے معیار پر بھی پرکھا جاسکتا ہے۔ یعنی اشتراکی نظریہ اور عملی مثال میں کتنی مطابقت ہے اور خود اپنے اصولوں پر وہ کہاں تک پوری اترتی ہے۔

۵۔ مطالعہ اور محاسبہ کا ایک اور طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ اشتراکیت اور اسلام کا تقابلی و موازنہ کیا جائے کہ ان دونوں میں اشتراک اور اختلاف کے کون کون سے پہلو ہیں۔

ان میں سے ہر معیار اپنے طور پر بے مداحی ہے اور بحث و نظر کے بہت سے پہلوؤں پر سے پردہ اٹھاتا ہے۔ مسلمانوں کے سوچنے بچنے والے عناصر کو ان میں سے ہر نقطہ نظر سے حالات کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیے اور اچھی طرح چھان بین کر سوشلزم کے بارے میں اپنا موقف طے کرنا چاہیے۔ محض جذباتیت یا نعرہ بازی سے ان مسائل کو حل نہیں کیا جاسکتا۔

اشتراکیت کے مثبت پہلو

اشتراکیت شروع ہی سے محض ایک نظریہ نہیں رہی، بلکہ اس نے ایک تحریک کی شکل اختیار کی۔ نظریے نے جن لوگوں کو متاثر کیا وہ اس کو پروتے کارلانے کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ پھر ہر کس نے اپنے تاریخی تجزیے سے یہ تاثر پیدا کیا کہ سرمایہ داری کا نظام موت کی آخرش میں ہے اور نیا اشتراکی نظام تاریخ کی ناگزیر قوتوں کے سہارے طبعاً ہونے والا ہے۔ انقلاب دھمک دے رہا ہے، ہمارا کام اس کے لیے دو دانے کھول دینا ہے۔ اس نقطہ نظر نے ایک عملی پہل پیدا کر دی اور ہر طرف انقلابی گروہ اور تنظیمیں حرکت میں آ گئیں۔ یورپ کے مختلف ممالک میں اشتراکی پارٹیاں قائم ہوئیں۔ ہر کس نے خود ایک بین الاقوامی تحریک بنانے پر پارکے کی کوشش کی لیکن دس سال کی کوششوں کے بعد وہ تحریک منتشر ہو گئی۔ انیسویں صدی ہی میں ایک بار پھر بین الاقوامی تحریک قائم کرنے کی کوشش ہوئی اس میں ایٹھلز، لینن اور یورپ کے بیشتر سوشلسٹوں نے

34. International Working Men's Association, (1864-1876).

35. Second International (1889-1914).

حصہ دیا لیکن دوسری جنگ کے آغاز پر یہ بھی قومیت کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی۔ فرانس میں ۱۹۴۷ء میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ تحریک ناکام رہی پہلی جنگ کے آخری دنوں میں روس میں اشتراکی پارٹی کرکاسیائی حاصل ہوتی اور اکتوبر ۱۹۱۷ء میں پہلی اشتراکی ریاست قائم ہوئی۔ مغربی یورپ میں سوشلسٹ پارٹیاں وقتاً فوقتاً برسرِ اقتدار آتی رہیں لیکن جس نوعیت کی تبدیلی وہ لانا چاہتی تھیں اس کا پورا موقع ان کو نہ مل سکا۔ روس میں یہ موقع بدرجہ کمال حاصل رہا اور یہی وجہ ہے اس کے بعد سے روس میں الاقوامی اشتراکی تحریک کا قیام اور سب کے لیے نمونہ بن گیا۔ وہ سوشلسٹ جمہور روس کے نظام کے کچھ پہلوؤں سے اختلاف کرتے ہیں وہ بھی اس تجربہ کو برا نظر سمجھتے دیکھتے ہیں۔ روس میں اشتراکیت کو رو بہ عمل لانے اب ۵۰ سال کی مدت ہو چکی ہے اور یہ زمانہ کسی بھی تہذیبی تجربہ کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے کافی ہے۔ اس وقت جنرل روس میں برسرِ اقتدار ہے وہ انقلاب کی آغوش میں ہل رہا ہے اور اشتراکیت کے سایہ میں پروان چڑھی ہے۔ دوسری جنگ کے بعد مشرقی یورپ کے مختلف ممالک میں اشتراکی انقلاب برپا ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں چین میں اشتراکیت برسرِ اقتدار آگئی۔ ان تمام مقامات پر بھی اسے اپنے نظریہ کے مطابق سماج کو تبدیل کرنے کے لیے تقریباً ۲۰ سال کی مدت مل چکی ہے۔ آج اشتراکیت کا ایک طالب علم اس پوزیشن میں ہے کہ اس کا نظری اور عملی دونوں پہلوؤں سے مطالعہ کرے اور تحقیق و جستجو کے بعد کوئی راستے قائم کرے۔

۱۔ اس وقت اشتراکیت کی دنیوی پوزیشن یہ ہے۔

کل دنیا	اشتراکی دنیا	سرمایہ دار کیمپ	غیر شک ملک
رتبہ (۱۹۶۳-۱۳۵۶۲)	۲۵۶۲	۱۵۶۰	۸۵۶۰

دولتیں کلاسیک

فی صد	۱۰۰	۲۶۱	۱۱۶۱	۶۳۶۸
آبادی	۱۱۲۶۰	۵۴۶۶۳	۱۵۱۲۶۷	
(ملک)				

فی صد ۳۵۱۳ ۱۶۶۶ ۶۱۰۱
نوٹ:- سرمایہ دار کیمپ میں امریکہ، برطانیہ، مغربی جرمنی، فرانس، اٹلی، جاپان اور ان کے مقبوضات کو شامل کیا گیا ہے۔

اس طرح دنیا کے کل رتبہ کا ۲۶ فی صد اور کل آبادی کا ۳۵ فی صد اشتراکیت کے زیر سایہ ہے۔ یہ اس کی مادی اور سیاسی طاقت کا ایک اشاریہ ہے۔ پھر ان اشتراکی ملک میں معاشی، تعلیمی، سائنسی، معاشرتی اور عسکری میدانوں میں نمایاں کارنامے انجام دیئے گئے ہیں۔ کچھ دوس دنیا کی دوسری بڑی قوت کی حیثیت رکھتا ہے اور سائنس اور فنیت (Technology) کے میدان میں اس نے بڑا اور نہایت نام حاصل کر لیا ہے۔ زندگی کی دوڑ میں تقریباً ہر دائرہ میں وہ مغربی اقوام کا سایہ کیل کے ساتھ مقابلہ کر رہا ہے۔ اگر صرف مادی نقطہ نظر سے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو اشتراکیت کے دامن میں بہت سی کامیابیوں کے نشان ہیں اور مغربی ملک سے کچھ پہلوؤں سے پیچھے ہونے کے باوجود وہ آنکھیں پھا کر کر سکتی ہے۔

نظام سرمایہ داری کے سائنسی مطالعہ کا آغاز

نظری اقتصاد سے اشتراکیت کا ایک نمایاں کارنامہ سرمایہ داری کا مطالعہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے معاشی نظریے (Economic theory)

پر بننا کام دلکس اور دوسرے اشتراکی مفکرین نے کہا ہے اتنا سرمایہ داری کے طلبہ و اڑن

نے نہیں کیا۔ اور اس موخر الذکر گروہ نے جو کام کیا بھی ہے وہ اس جھلنجھکے جواب

میں ہے جو اشتراکیت نے پیش کیا۔ اس طرح اشتراکیت نے علمی تحقیق، مطالعہ اور

بحث و مباحثہ کا ایک نیا میدان کھولا۔ فرانسیسی اہل قلم اسے سونٹا یا ردی نے بہت

صحیح کہا ہے کہ مارکسزم دراصل سرمایہ داری کی سائنس (Science of Capitalism)

ہے۔ سرمایہ داری کی خامیوں پر سے پردہ اٹھانا اور ان رستے جو نئے ناسودوں کو

دنیا کے سامنے بے نقاب کرنا جو اس نظام ظلم نے جسم انسانی پر پیدا کر دیئے تھے اشتراکیت

کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔

نظام سرمایہ داری کی اصلاح

پھر اشتراکیت نے سرمایہ داری کو ایک اور پہلو سے بھی متاثر کیا ہے اور وہ یہ

ہے کہ اس کی تنقید کے زیر اثر سرمایہ داری کی خرابیوں کو دور کرنے اور اس کے تناقضات

کو رفع کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔ گزشتہ سو سو اسی سال میں جو بھی اصلاحات ملٹیٹری

میں ہوئی ہیں ان میں سے بیشتر کا سپر ایلا واسطہ یا ایلا واسطہ طور پر اشتراکیت کے سر

ہے۔ یہی نہیں بلکہ اشتراکیت نے جو نظریہ پیش کیا اس کے زیر اثر معاشیات کی

اہمیت غیر معمولی طور پر بڑھ گئی۔ اشتراکیت کی بے اعتمادی اپنی جگہ، لیکن دوسرے

تمام علوم میں معاشیات کو جس طرح نظر انداز کیا جا رہا تھا وہ بڑا غیر حقیقت پسندانہ تھا۔

اشتراکِ افکار کے زیرِ اشراں پر نظرِ ثانی کی گئی اور تقریباً تمام ہی عمرانی علوم اس سے متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنے اپنے دائرے میں بہت سی اصلاحات کیں اور بہت سے نئے مباحث پر گفتگو اور تحقیق کا امداد و مکمل کیا۔

علمی خدمات

عمرانی علوم میں تاریخی نقطہ نظر کو فروغ دینے اور معاشرے کے مختلف پہلوؤں کو ایک ہمد گیر عمل کا جز و کچھ کر سمجھنے کے لئے کے رجحان کو تقویت دینے میں بھی اشتراکِ فکر کا غماض داخل ہے۔

اسی طرح طریقِ استنتاج (Pragmatic method) کو رواج بخشنے میں بھی اشتراکیت کا حصہ ہے۔ اس نے نظریہ کے ساتھ عمل کی اہمیت کو واضح کیا اور نظریات کو عمل کی تجربہ گاہ میں پرکھنے کی روش ڈالی۔

اشتراکیت کے یہ سارے علمی اثرات قابلِ ذکر اور ایک متناہک لائقِ تحسین ہیں۔

انقلابِ قوت

پھر اشتراکیت نے مغربی دنیا کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پیدا کیا ہے۔ مذہب سے انحراف اور افکار کے بعد اس میں ذہنی تردّد اور شکّیک (Scepticism) کو فروغ حاصل ہوا تھا۔ انسان عقیدہ کی قوت سے محروم ہو گیا تھا۔ ہر علم کسی خاص سمت میں ترقی کر رہا تھا اور سب کو جوڑ کر ان میں یک رنگی پیدا کرنے والا کوئی اصول باقی نہ رہا تھا۔ اصدوری مادیت اور لذت پرستی بلاشبہ ہر میدان میں موجود تھی لیکن محض یہ کرتی انضمامی قوت (Integrating force) نہیں بن سکتی تھی۔ اس لیے بڑے پیمانے پر ذہنی انتشار اور شکّیک رویہ رونا ہوائی اور کیفیت پر ہو گئی کہ

جاتا ہوں تھوڑی دور ہر ایک تیز رو کیساتھ

اس میں نظر میں اشتراکیت نے مغربی تہذیب کی لاہوری مادیت کی تکمیل کی اور مکمل مادیت اور معاشی عوامل کی ادویت کے اصول پر فکر و عمل کے ہر شعبہ کو نظم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے تاریخی وجہ (Historical necessity) کے تصور کے ذریعہ ایک نیا ایمان پیدا کیا۔ مستقبل کو پُر امید بنایا اور انقلاب کو تمام آرزوؤں اور امنگوں کا مرکز و محور بنا دیا۔ اب دکھی انسانیت کو نجات کی ایک راہ نظر آنے لگی۔ عقیدہ سے محروم دنیا کو ایک نیا عقیدہ مل گیا۔ جو سرمایہ داری کے مظالم کا نشانہ تھے ان کے لیے نئی زندگی کا ایک تصور اُبھر آیا۔ اس چیز نے تمام مظلوم اور پس ماندہ عناصر کو اللہ ذہین طبقات (Intelligentsia) میں سے پر عزم، باہمت اور حوصلہ مند اشخاص کو اس نئی تحریک سے وابستہ کر دیا۔ اب ان کے دیے ہوئے احساسات کو اظہار کا راستہ مل گیا۔ سویا ہوا انقلابی جذبہ بیدار ہو گیا۔ قوت عمل کو پامال کرنے والی تشکیک کی جگہ روشنی مستقبل کی امید نے لی۔ اشتراکیت نے پرانے مذہب کی بیخ کنی کی۔ لیکن خود ایک مذہب بن گئی وہ عینیت (Idealism) کی منکر تھی، لیکن اس کے اپنے فروغ کا سب سے بڑا سبب اس کی عینیت ہی ثابت ہوئی یہ وہ پہلو ہے جس پر اس کی مادی کامیابی کا انحصار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی جیسے ٹولٹ منکر نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ

”کیونکہ افروغ اس کی عینیت اور تصدیق (Idealism)

کی بنا پر ہے، حقیقت پسند ہی اور مادیت کی وجہ سے نہیں، اس

کے روحانی امکان کی وجہ سے ہے، مادی توقعات کی بنا پر نہیں۔
 اور عیسویں صدی کے سب سے اہم معاشی مفکر کینس نے اس حقیقت کو یوں
 ادا کیا ہے کہ

”اگر اشتراکیت کوئی کامیابی حاصل کرتی ہے تو وہ اس کے مسلط کردہ
 معاشی کنٹریک کی وجہ سے نہیں ہوگی، بلکہ ایک مذہب کی معیشت
 سے ہوگی۔“

مشہور اشتراکی نقاد کیرلوینٹ اس بات کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان
 کرتا ہے۔

”اشتراکیت غربت اور خراب سماجی حالات کی پیداوار نہیں ہے۔
 اس لیے کہ اس کی اصل اپیل نچلے اعلیٰ ذہن طبقات کے مقابلے میں
 بہتر اُچھرت پانے والے مزدوروں اور تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ
 کارکنوں کے لیے ہے۔ یہ اس امر کا نتیجہ بھی نہیں ہے کہ عوام میں
 اب سرمایہ دارانہ نظام کی خباثتوں اور بے انصافیوں کا شعور پیدا ہو گیا
 ہے اور نہ ہی یہ نظام پیداوار کی اکتا دینے والی کیسانی کا نتیجہ ہے کیونکہ

37. Laski, Harold, J., *Communism*, Henry Holt & Co.,
 New York, 1927, p. 250.

38. Quoted by Oscar Jaszi, "Socialism", *Encyclopaedia
 of the Social Sciences*, Vol. XIV, p. 209.

اس امر کا کوئی ثبوت نہیں مگر مزدور روٹیں کام سے کوئی نفرت رکھتے ہیں بشرطیکہ ان کو ملازمت کی ضمانت حاصل ہو اور ان کے معیار زندگی کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے، اور بے لگ تجزیہ ہمیں بالکلیہ اس نتیجہ تک لانا ہے کہ اشتراکیت ان نظریات کے مجبورہ کا نام ہے جنہوں نے ہماری زندگی کے اس نکتہ کو پکڑ لیا ہے جسے منظم مذہب کے انہدام نے پیدا کر دیا ہے اور جو زندگی پر لادینیت کے غلبہ کا لائق تجربہ تھا۔ اس نظام کا مقابلہ اگر کیا جاسکتا ہے تو ایک دوسرے ہمہ گیر نظام حیات ہی سے کیا جاسکتا ہے جو کچھ متبادل اصولوں کا علمبردار ہو۔

McCartew-Hunt, R. N., *The Theory and Practice of Communism*, op. cit., p. 6.

یہی نقطہ نظر سابق کمیونسٹ اور انگلستان کا کمیونسٹ پارٹی کے ترجمان *The Daily Worker* کے سابق ایڈیٹر ڈیوگلس ہائیڈ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ موشافہ میں پیش کیا ہے، ملاحظہ ہو:

Hyde. Douglas. *The Answer to Communism*, London, 1951, pp. 44-50.

پہر بات صرف اس وظیفہ (Function) ہی کی نہیں ہے جو مذہب سماجی انتہائیخ میں ادا کرتا ہے بلکہ اشتراکیت نے اپنے پیروؤں میں وہی تقلیدی ذہن پیدا کیا ہے جو مذہب کا غاصب رہا ہے۔ اشتراکیوں کے لیے ہر کس اور انتہائیخ (۱۹)

اشتراکیت کے اس پہلو نے بیویں صدی کی دنیا کو بے حد متاثر کیا ہے، لیکن یہی وہ پہلو ہے جس کی توجہ بہ خالص اشتراکی بنیت فکر (Framework) اور اصول تمیز کی روشنی میں نہیں کی جاسکتی۔ ایک نظریہ کی حیثیت سے اشتراکیت کی کھیاں

دہائی تحریرات آیاتِ ربانی کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کی کتب کو وہی درجہ دیا جاتا ہے جو صحت سادہ کی کو دیا جاتا ہے۔ اس کے لیے کسی اور مثال کو چھوڑتے صرف لینن کے خط سے یہ دو اقتباسات بغور پڑھ لیجئے۔

”اینبلز بالکل برحق تھا۔ میں اپنے زمانہ میں سبب یہ بتا ہوں کہ اینبلز موقع پرست تھا تو مجھے بے حد دکھ ہوتا ہے۔ میرا رویہ سرتاسر ٹھیک ٹھیک ہے۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ آگے بڑھو اور صرف ایک باریہ ثابت کرو کہ اینبلز سے کسی غلطی بھی سمجھتی ہے۔ تم ایسا کبھی نہ کر سکو گے۔“

لینن، خط بنام انیا اسافز مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۶ء

”میں اب بھی مارکس اور اینبلز سے گہری محبت کرتا ہوں۔ اور ان کے خلاف کسی بدذہانی کو خاموشی سے برداشت نہیں کر سکتا، نہیں! یہ دونوں تو اصل معیاری انسان ہیں۔ جہیں لازماً ان سے کیٹنا جاتی ہے۔ اس بنیاد سے جہیں سربراہانِ خرافات نہیں کنا چاہتے۔“

لینن خط بنام انیا اور تاد۔ مودفہ، جنوری ۱۹۱۷ء

اس طرح ہمیں میں ماؤزے ٹھک کی کتاب کو جس طرح صحیفہ آسمانی کی

اشتراکیت کی فلسفیانہ بنیادوں پر ایک مغرب کاری ہے۔
اشتراک کی مالگیریت

اشتراکیت نے بیسویں صدی کو نظریاتی مزاج دینے میں بھی غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں جنہیں انسانی قوم پرستی کے بُت پر اشتراک کی مالگیریت نے ایک نہایت ہی کامیاب مغرب لگائی ہے۔ اشتراک کی تجربہ کا مطالعہ اس پہلو سے بے مد معنی فخر ہے کہ ایک نظریہ کس کس پہلو سے انسانوں کی قوتوں کو بیدار کرتا ہے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کیا کیا کام سے انجام دے سکتا ہے۔ پھر تمام ہی علوم کے دائروں میں نظریہ کی بنیاد پر تحقیقی اور تخلیقی کام ہوا۔ چونکہ وہ نظریہ ایک متوازن نظریہ نہ تھا اور چونکہ وہ کائنات کی بنیادی حقیقتوں سے تصادم تھا اس لیے بلاشبہ اس نے ہزاروں ہی سچائیوں اور مشکلات پیدا کیں، لیکن یہ بات کہ ایک نظریہ کس کس پہلو سے متاثر کن ہو سکتا ہے خود ایک دلچسپ موضوع مطالعہ ہے۔

معاشی تجربے۔

اشتراکیت نے بہت سے نئے تجربات بھی کئے ہیں اور یہ تجربات انسانیت کی مشترک میراث ہیں، ان سے ہر قوم اپنی ضرورت، اپنے حالات اور اپنے

(۴)۔ حیثیت سے استعمال کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ یہ کہہ لیا جاتا ہے کہ اپنی سپاہیوں نے نال کتاب سے اقتباسات کی تلاوت کرتے ہوئے امریکی جہاز مار گرائے! یہ سب نڈر ہیں جنہیں بڑے اعلیٰ ہار کی صورت میں نہیں تو اور کیا ہیں؟ جیسی تو وائٹھ نے کہا تھا کہ اگر خدا نہیں ہے تو ہمیں ایک خدا بنانا پڑے گا!

اصول و اقدار کی مناسبت سے استفادہ کر سکتی ہے۔ جس طرح ہم بہت سے معاملات میں مغربی سرمایہ داری کے کچے ہونے تجربات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور جس طرح بہت سے امور میں جمہوریت کے تجربے سے سبق لیکھ سکتے ہیں اسی طرح اشتراکِ تجربہ سے بھی بہت سی چیزیں سیکھی اور اخذ کی جاسکتی ہیں۔ البتہ ہر صورت میں اس امتیاز کے ساتھ کہ ان میں سے کوئی چیز ہمارے دین و ایمان، ہمارے تمدن و معاشرت اور ہماری اقدار و حیات سے متصادم نہ ہو یا ان کے مزاج سے نامطابقت نہ رکھتی ہو۔ اشتراکیت نے جو مفید تجربات کئے ہیں ان میں سے ایک معاشی منصوبہ بندی ہے۔ مگر اس پہلو سے بھی اشتراکیت دوسری انتہا کو پہنچ گئی لیکن بے اعتدالیوں سے دامن بچاتے ہوئے اس پہلو سے بہت سی مفید چیزیں اخذ کی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح یہ بات کہ ایک نظریہ کو کس طرح اور کس کس پہلو سے رد و عمل لایا جاتا ہے اور آج کی دنیا میں، اس کے مختلف ادوات میں نظریہ کو کیوں نہ سوا یا جاسکتا ہے یہاں بھی بہت سی امتیازات ملتے ہیں۔ بے اعتدالیوں اور تشدد سے بچنا ہو گا۔ لیکن کئی پہلو بہت مفید اور سبق آموز ہیں اور ان کو سامنے رکھا جاسکتا ہے۔ اسی طرح معاشی ترقی کے سلسلہ میں انسانی سرمایہ کی تشکیل (Formation of Human Capital) اور پورے ترقیاتی عمل سے اس متغیر کا تعلق بھی ایک ایسا میدان ہے جس میں اشتراکِ تجربات سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔ اشتراکیت کے مفید تجربات سے اس بنا پر صرف نظر نہیں کرنا چاہیے کہ وہ دین و دشمن تہذیب میں ہوئے ہیں۔ ایک مسلمان ملک کو ان دونوں کے زہریلے پہلوؤں سے اپنے کو بچانا ہے اور مفید اور اپنے نظام کے لیے قابل قبول پہلوؤں سے بالغ ذہن اور آزاد دماغ کے ساتھ استفادہ

بھی کرتا ہے۔

اشتراکیت کی اخلاقی اپیل

اشتراکیت نے اخلاق اور مذہب کی نفی کی ہے اور اپنے پورے نظام کو خالص مادی بنیادوں پر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے اس کی پکار پر لبیک کہا ہے وہ اخلاقی جس کی بنا پر کیا ہے۔ اس نے انسانوں کی توجہ کو سرمایہ دارانہ نظام میں برپا ہونے والے ظلم و استحصاں اور بے انصافی پر مرکوز کیا۔ اشتراکیت کے خالص مادی نقطہ نظر میں انصاف اور ظلم کا کوئی مقام بحیثیت اخلاقی تصورات کے نہیں ہے لیکن عام انسانوں کے لیے یہ الفاظ اخلاقی مفہوم ہی رکھتے ہیں اور سرمایہ داری کے خلاف ان کا غم و غصہ اخلاقی محرکات ہی کا پیدا کر دیتے ہیں۔ اس پہلو سے اشتراکیت غیر ارادی طور پر ایک مفید کام کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، مگر اس کی نفی اس نے طبقاتی تضادم اور نفرت کو سدا سے کر دی۔ اس نقصان وہ پہلو کہ باوجود جو چیز کسی حیثیت سے بھی مفید تھی اس کا ذکر نہ کرنا ہم دیانت و انصاف کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ہم اشتراکیت پر جتنا بھی غور کر سکیں ہماری نگاہ میں اس کے مفید اور مثبت پہلوں میں یہی رہتے ہیں۔ اور تنقیدی مطالعہ سے پہلے ہم نے بلا تکلف ان کا اظہار کر دیا ہے۔

اشتراکیت کی نظری اُلجھنیں

اس مضمون میں ہم اشتراکیت کے نظری پہلو سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتے۔
لیکن چونکہ یہ بھی اشتراکیت کو جاننے اور پرکھنے کا ایک اہم معیار ہے اس لیے ہم چند
ضروری نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ اشتراکیت کا صحیح کنزود پہلو اس کا بنیادی تصور ہے۔ یعنی معاشی عامل کی
اولیت اور بالادستی، یہ چیز عقلاً غلط، عملاً خلاف واقع اور تاریخی طور پر ناقابل
ثبوت ہے۔ اس کے لیے مارکس اور اس کے حامیوں نے جو بھی استدلال کیا
ہے وہ ایک درخشاں اور بھرا ہوا ہے۔ انسان محض معاشی حیوان نہیں ہے اور نہ ہی

بھلے اس کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر عبدالحمد صدیقی کا مضمون "اشتراکیت کی فکری بنیادیں
اور ان کا تنقیدی جائزہ"۔ چراغ راہ و شلوم نمبر ۱۲، مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو اشتراکیت اور
نظام اسلام از مظہر الدین صدیقی! انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام از عبدالحمد صدیقی!

McFadden, *The Philosophy of Communism*"

Carew-Hunt, *"The Theory and Practice of Communism."*

Von Muris, *"Socialism"*

معاشی قوتیں اصل تاریخ ساز ہیں۔ انسانی زندگی بہت سے محرکات سے
اثر پذیر ہوتی ہے۔ سادہ تاریخ تہذیب کو کسی ایک جزوی فارمولے کی
روشنی میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلہ کی جتنی بھی کوششیں ہوتی ہیں
وہ سب خام اور غیر قسمل بخش ہیں۔ اشتراکیت ذاتی انصاف کو سمجھ سکی
اور نہ تہذیب کے عناصر ترکیبی کو۔ اس نے ہر چیز کو اپنے ایک مخصوص
نادرے پر موقوف کرنا چاہا اور اس میں وہ بڑی طرح ناکام رہی۔

۲۔ اشتراکیت کا تصور کائنات و انسان بھی سراسر باطل ہے۔ اس نے انیسویں صدی
کے نفعت اڑال کی مادیت کو من و عن قبول کر لیا اور اس کی بنیاد پر ایک ممکن نقطہ
وضیع کر ڈالا۔ مالا مال مادیت کا وہ نقطہ نظر ان حقائق کی نفی کرتا ہے جنہیں انسانیت
نے وحی الہی اور انبیائے کرام کی رہنمائی میں ہمیشہ سے سچ مانا ہے اور ان صدقوں
سے بھی متصادم ہے جو انسانی تجربے اور خود مائنس کی جدید تحقیقات سے
ہمارے سامنے آتی ہیں۔ محض مادیت کائنات کے بنیادی حقائق اور انسانی زندگی
کے اولین سوالات کا کوئی معقول اور قسمل بخش جواب فراہم نہیں کر سکتی۔ پھر اشتراکیت
نے اس مادیت پر جبدی عمل کا مزید اعنا کر کیا جس نے اس کے پورے مطالعہ کو اور
بھی غیر متوازن اور غیر حقیقی بنا دیا۔

۳۔ اشتراکیت کا تصور تاریخ بھی نہایت خام اور غیر متوازن ہے۔ اگر سادہ تاریخ
طبقاتی تنازع کی تاریخ ہے تو ماننا پڑے گا کہ انسانیت کی تاریخ بہت ہی مختصر
اور جزوی ہے اس پوری کتاب میں صرف چند صفحات پر کوئی تحریر ہے اور وہ
بھی چند سطروں سے آگے نہیں بڑھتی اور تاریخ میں وہ جبریت ہے جس کی

نشان وہی اشتراکیت نے کی ہے، نہ یہ انی دا منح مرحلوں اور منزلوں میں منقسم ہے۔ جس کی دریافت اشتراکیت نے کی ہے اللہ اس میں کش کش کی وہ نوعیت ہے جسے اشتراکیت نے ترقی کی بنیاد قرار دیا ہے۔ پھر تاریخ میں محض یک طرفہ اثر ایک نہیں ہے۔ ایک ہی قوت دوسروں کو متاثر نہیں کرتی بلکہ بیک وقت بے شمار قوتیں کا دفرا ہیں جو اثر انداز بھی ہوتی ہیں اور اثر پذیر بھی۔ اشتراکیت تاریخی عمل کو اس درجہ آسان بناتی ہے کہ وہ غیر حقیقی ہو جاتا ہے۔

۵۔ اشتراکیت نے ٹکرومن، فلسفہ و مذہب، سیاست و قانون، معاشرت و عدلیت، اخلاقی و ثقافت، غرض ہر چیز کو معاشی اسباب و کوائف کی پیداوار قرار دیا ہے۔ لیکن وہ یہ بتانے میں ناکام ہے کہ خود معاشی حیثیت اور پیداوار کی ساخت میں تبدیلی کیسے ہوتی ہے؟ وہ کہہ نہیں سکتا کہ اس میدان میں تغیر کی لہروں کی پیداوار کتنی ہیں اور پھر پورے نظام کی قلب مابینیت پر نتیجہ ہوتی ہیں۔ تہذیب کے آغاز و ارتقاء کی پیداوار ہی قوتوں کی جبریت کی روشنی میں تو جبر ناممکن ہے۔

۶۔ اشتراکیت شعور انسانی کے آزاد اور متحرک وجود کی نفی کرتی ہے اور اس طرح خود عقلیت کی بنیادوں کو منہدم کر دیتی ہے۔ پھر جیسا کہ ہم پہلے بیان کیے ہیں،

41. See Toynbee, Arnold. J., "A Study of History."

Vol. I.

Bober, M. M., "Karl Marx's Interpretation of History."

Harvard University Press, Cam : Mass : 1950

اشتراکیت کے اس دھوے کے بعد خود اشتراکیت کی ترقی اور اس کے فروغ کی کوئی ترجیح نہیں کی جاسکتی۔ مارکس نے طبقاتی شعور کو بیدار کیا۔ یہ آپ سے آپ وجود میں نہیں آگیا تھا، پوری اشتراکیت کی تحریک اسی شعور کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش کرتی ہے۔ غلامی و ذلت سے اس شعور کو اجسادنے کے بعد اس کا دھوی بھی رہتا ہے کہ شعور محض مادی کرائف کا ایک بے جان پر تو ہے! اشتراکیت کی دلی جوئی نفسیات بڑی بے بنیاد ہے۔ یہ انسانیت کی نفی پر مبنی ہے۔ معاشی دائرہ میں مارکس کا بنیادی تصور قدر زائد کا نظریہ ہے لیکن اس کا باطل ہونا اب ایک ثابت شدہ حقیقت ہے لاکھ جیسا سو شلٹ بھی اعتراض کرتا ہے کہ قدر زائد کا نظریہ کوئی صداقت نہیں رکھتا۔ اسی طرح سرمایہ داری کے ارتقاء کے بارے میں مارکس نے جو اصول وضع کئے تھے ان میں سے معاشی عدم توازن اور بحران کی پیشین گوئی کے علاوہ کوئی بھی صحیح ثابت نہیں ہوا۔ نہ ارتقاء کی وہ کیفیت رونما ہوئی جو مارکس نے بتائی تھی، نہ غربت میں امتنا فرہوا، نہ ہیئت سرمایہ میں وہ تغیرات واقع ہوئے اور معاشی بحران کو بھی خلافت بحران مسک (Anti-cyclic Policy) کے ذریعہ بڑی حد تک قابو میں لایا جا چکا ہے۔ اجرتوں میں کامل مساوات بھی اسی طرح ایک استحصالی کیفیت ہے جس طرح ان میں غیر فطری عدم توازن۔ مارکس نے ان تمام پہلوؤں کا مطالعہ بڑے جناباتی انداز میں کیا اور اپنے ساتھ تنگ ہونے کے بارے میں سارے دعوؤں کے باوجود اپنے ان مغرضوں اور دعوؤں کو عقل و تجربہ کی میزان پر نہ کسا۔ اسی لیے مارکس کی معاشیات ایک رنجی اور غیر حقیقت پسندانہ رہی۔

۸۔ سیاست میں بھی یہی کیفیت ہے۔ سیاست اور قانون کو نظم و استحصال کا کرہ سمجھنا حالات کا بڑا غلط اور غیر حقیقت پسندانہ مطالعہ ہے۔ اسی طرح بلکہ سیاست کے سماج کا تصور بھی ایک خیالی داہمہ ہے۔ جب تک انسان انسان ہے، اسے نظام کی ضرورت سمجھگی اور کوئی نظم قانون اور احتساب کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اشتراکیت ایک تشاؤ اور انتہا پسند نظریہ ہے اور ہر دو صورتوں میں وہ راہ اعتدال سے کوسوں دُور ہے۔

۹۔ مذہب اور اخلاق کے بارے میں بھی اشتراکیت کی تنقید بڑی سطحی اور غلط ہے۔ نہ اس کی معلومات صحیح ہیں، نہ تجزیہ درست ہے اور نہ نتائج بینی پر صدقہ ملیں۔ ۱۰۔ اشتراکیت نے نفرت کے جذبہ کو ابھارا ہے، تشدد کے طریقے کی تبلیغ کی ہے۔ انقلاب اور خون خرابے کو پسند کیا ہے، بلکہ راہِ نجات قرار دیا ہے اور بیباک برٹریڈ رسل نے کہا ہے کہ ایسی کوئی کمیونیا نہیں پائی جاتی کہ فساد، جنگ، اہمہل اور تشدد اور خون خرابے سے امن، تعاون اور محبت و مودت کو پیدا کر لیا جاسکے۔ ۱۱۔ اشتراکیت کا سارا کام منفی نوعیت کا ہے۔ اس نے زندگی کا کوئی مثبت نقشہ پیش کیا ہے اور نہ ہی ایک منصفانہ اور ملولانہ نظام کے خدو خال بیان کئے ہیں۔ وہ سرمایہ داری کے خلاف نفرت پیدا کرتے اور انقلابی جذبہ بیدار کرنے کا کام کرتے ہیں، مگر کوئی مثبت نظام نہیں پیش کرتے۔

۱۲۔ اگر اشتراکیت پر خود اشتراکی تجزیہ کا اطلاق کیا جائے تو بڑا دلچسپ نتیجہ نکلتا ہے۔ اشتراکیت کا دعویٰ ہے کہ ہر دور کے نظریات اپنے مخصوص معاشی حالات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر اشتراکیت انیسویں صدی کے مخصوص

معاشی حالات کی پیداوار قرار پاتی ہے اور اگر ایسا ہے تو پھر اشتراکیت اور اس کے معاشی تجزیہ کو ابدی صداقت کی حیثیت سے کیسے مانا جاسکتا ہے جبکہ کوئی بھی ابدی صداقت نہیں ہے تو اس نظریہ کو یہ مقام کیسے دے دیا جائے؟ اشتراکیت کو خاص حالات کی پیداوار سمجھیں اور اس صدی کے خاتمہ اور ان حالات کے بدل جانے کے بعد اس کی Validity بھی ختم ہو گئی۔ اگر کوئی سنہری اصول نہیں ہے تو اس قول کو ایک سنہری اصول کیسے مان لیا جائے! جیسی تو آرگنڈمن نے کہا تھا کہ اگر اشتراکیت صحیح ہے، تو اشتراکیت غلط ہے۔

اشتراکیت کی اصل ناکامی

اگر اشتراکیت کی نظریہ میں ایک نہیں ایک لاکھ نظریہ الجھنیں اور پیچیدگیاں ہوتیں لیکن وہ ایک ایسی تہذیب قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گی جن میں انسان کو اس کا حقیقی مقام حاصل ہوتا، جہاں حق و انصاف کا دور دورہ ہوتا، جہاں وسیع معنی کا پیاسہ پیتا، جو نیکی اور مہجندی کا گہوارہ ہوتا، جہاں دل کو سکونی اور روح کو اطمینان چھتا تو شاید ان الجھنوں کو نظر انداز بھی کر دیا جاتا۔ لیکن اشتراکیت شدید نظریہ الجھنوں کے ساتھ اس معیار پر بھی پوری نہیں اترتی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ یہی وہ پہلو ہے جو اشتراکیت کا سب سے کمزور سب سے زیادہ تاریک پہلو ہے۔

بہیں اس سے انکار نہیں کہ اشتراکیت نے بہت سے پہلوؤں سے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ اس کے زیر سایہ معاشی پیداوار بڑھی ہے اور تعلیم و سائنس نے فروغ حاصل کیا ہے۔ اس نے نئے ملک فتح کئے ہیں اور آج بین الاقوامی دنیا میں اس کی آواز ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے پیروؤں نے تباہ کن سلطو سے لے کر مصنوعی سیاروں تک کی مناسمی میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ سب کچھ بجا! لیکن سوال یہ ہے کہ کسی نظام کی عظمت کا انحصار آخر کن چیزوں پر ہے؟ اگر اس کا انحصار محض دولت کی فراوانی اور پیداوار کی زیادتی پر ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ سرمایہ دارانہ

نظام اشتراکیت سے افضل ہے۔ آج بھی اس پہلو سے مغرب کے سرمایہ دار ملک اشتراکی ممالک پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اگر آبادی کی گنتبانی اور رقبہ کی وسعت کسی نظام کی عظمت کی دلیل ہے تو سکندرا لوانا، سینرکاروم اور تیمور کی سلطنت اشتراکیت سے اعلیٰ و درفخ قرار پائیں گے؛ اگر بڑی بڑی ٹیکسٹائل، اڈنچے اڈنچے تیلے اور عظیم معاشی منصوبے برتری کا ثبوت ہیں تو پھر عزروں کے دور میں مجبور کسانوں کے زخمی ہاتھوں سے تیار شدہ اہرام انسانی کاریگری اور مادی عظمت کے زیادہ بڑے اور روشن نشان ہیں اور اگر کسی نظام کی صداقت کی دلیل اس کا تیزی کے ساتھ پھیل جانا دنیا پر سچا جانا اور چند سالوں میں بڑی بڑی آبادیوں کو اپنے زیر اثرے آنا ہے تو پھر چنگیز اور ہاکو کے طوفانی غلبہ اور یورپی استعمار کے ہاکس تسلط کے بارے میں مصنف اتفاق کیا رائے ظاہر کرے گا؟ اور ان میں سے کس کو عظیم تر قرار دے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ کسی نظام تہذیب کی عظمت نہ اس کے مال اکٹھے ہوتے کارخانوں سے ہے اور نہ آگ برساتے ہوئے اسلحے، خودکشت کی فراوانی اسے عظیم بناتی ہے اور نہ فوجی سلطنت، اس کی بڑائی ذوقیہ کی وسعت سے ہے، اور نہ ہی غلبہ کی سرعت سے، عظمت کا اصل پیمانہ یہ ہے کہ ایک نظام انسانیت کے لیے کتنا مفید اور نافع ہے اور کائنات کے مقاصد سے کہاں تک ہم آہنگ ہے؟ اس کے ذریعہ انسانیت خرد کی اعلیٰ ترین منزلوں سے ہم کنار ہو رہی ہے یا غلامی اور ذلت کی گہرائیوں میں گر رہی ہے؟ اخلاق سمندر ہے ہیں یا بہیمیت کو شرقی ہو رہی ہے؟ آزادی، اخوت اور مہمانی چادر میں انسان ہو رہا ہے یا ظلم، فساد اور انسان کشی میں؟ دنیا میں حقیقی امن قائم ہو رہا ہے یا جنگ و جدل اور کش مکش دیکھا کر ہوا دی جا رہی ہے؟ انسان

کلہ و دورہ ہے یا بے انصافی کا؟ حق و صداقت کو سرخندی نصیب ہو رہی ہے یا باطل و طاغوت کو؟ انسان خوش اور مطمئن ہے یا اس کی روح بے چین و مضطرب؟^۱ اس لیے کہ

ذکلی ہے وجہ نظر کشی، ذکنول کے بھول میں تازگی
فقط ایک دل کل گنگنگی، سبب نشاط بہار ہے

اگر ایک نظام، خواہ اس نے کتنی ہی مادی ترقی کیوں دکر لی ہو، انسانیت کے بنیادی مسائل کو حل نہیں کرتا، انسانی شرف و عزت کو قائم نہیں کرتا، اخلاق کو صحت مند بنیادوں پر تعمیر نہیں کرتا اور چین حیات کو انصاف، آزادی، خدا ترسی، محبت اور اخوت کے پھولوں سے آراستہ نہیں کرتا تو وہ دنیا کے لیے ایک نعمت نہیں لعنت ہے اور وہ انسانیت کے دکھوں کا کوئی مداوا نہ کر سکے گا۔

سبب ہم اشتراکیت کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو اس تجربے کوئی منفرد نہیں کہ وہ بری طرح ناکام رہی ہے
فرو کی نفی

اشتراکیت نے جس مقام سے اپنے سفر کا آغاز کیا وہ مغربی تہذیب کا وہ دور تھا جس میں انسان کی خاصی تخفیف قدر (Devaluation) ہو چکی تھی۔ کبھی انسان

۱۔ حقیقی تہذیب لازمی طور پر ایک روحانی حقیقت ہے اور اس کے جانچنے کا معیار

مادی دولت نہیں بلکہ روحانی نظر ہے۔ چارلس ڈس

نیر یارک ۱۹۳۳ء صفحہ ۹-۲۳۸

کامکس دنیا، کائنات کامرکو تھی اور انسان اس کا مقصد تخلیق کائنات کی ہر شے انسان کے لیے تھی اور انسان کا مقام خدا کے خلیفہ کا تھا۔ ہر دوسری چیز اس کے تابع تھی۔ اب زاویہ نظر بدلنا شروع ہوا۔ سامعین دافوں کی ایک کھپ اٹھی اور اس نے یہ ثابت کیا کہ دنیا کائنات کامر نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت اس غلیم کائنات میں ریت کے ایک حقیر ذرہ سے زیادہ نہیں۔ پھر یہ قصد آیا کہ انسان کوئی خاص مخلوق اور خدا کا خلیفہ نہیں بلکہ محض جانور کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ پھر دیتے، کتے، اور بندر سب اس کے افراد نامہ دان ہیں! پھر ایک اور ضرب لگی کہ انسان مختار اور آزاد بھی نہیں ہے بلکہ ماساشرع کی پیداوار ہے۔ اشتراکیت نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور اس نے بتایا کہ ماساشرع بھی مخصوص معاشی بنیت کا اثر ہے۔ فرد کا کوئی مستقل وجود نہیں، وہ تاریخی قوتوں کے ہاتھوں مجبور محض ہے۔ اب انسان مرث ایک بدل پھر تاپر زہ مشین ہو کر رہ گیا۔ اشتراکی فلسفہ نے شعور، اخلاق اور روح ہر چیز کی نفی کی۔ اب دافسانی اقدار کو کوئی مقام حاصل تھا اور نہ انسان کی کوئی اعلیٰ اخلاقی حیثیت تھی۔ انسانی احساسات اور جذبات کی بھی کوئی وقعت باقی نہ رہی۔ فکر و نظر کامر کو انسان نہ رہا۔ پیداواری نظام ہی گیا۔ اصل اہمیت عاملین پیداوار کی قرار پائی، انسانی اقدار کی نہیں۔ پھر اخلاقی اقدار انسانی شے قرار دی گئی اور اس کو مادی ترقی کے تابع کیا گیا۔ حق و انصاف، سپان و محبت اور خیر و فلاح کی کوئی مستقل حیثیت باقی نہ رہی۔ اصل اہمیت پیداوار میں اضافہ کی ہو گئی خواہ وہ کسی قیمت پر ہو، اور کسی بھی طریقے سے حاصل ہو۔ مستقل اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہا۔

مغرب کی سرمایہ دارانہ جمہوریت میں انسان کی کافی تذبذب اور اس کے مقام کی

تخصیص ہو گئی تھی، لیکن نظری طوع پر ایک چیز یا تو تھی، فرد کا احترام، فرد کی شخصیت کا اثبات موجود تھا اور اس کی آزادی کا ایک ناقابل تخفیف حق مانا جاتا تھا۔ اشتراکیت نے روح اور اخلاق کی نفی کے ساتھ فرد کی نفی بھی کی اور اسے اجتماع اور طبقہ کی بحیثیت چڑھا دیا۔ اب فرد زیادہ سے زیادہ ایک گروہ یا طبقہ کا جزو تھا۔

گروہ اور طبقہ کے اس ضمیر کی آزادی اب بے معنی تھی بلکہ کامنڈا س کا خداداد تھا اور طبقہ کا نقصان اس کا نقصان۔ سرمایہ دارانہ جمہوریت کی دست برد سے جو کچھ بچ گیا تھا اس سے اشتراکیت نے اگر محروم کر دیا، اب فرد بالکل مجبور تھا۔

یہی وہ تصور ہے جس نے اشتراکی کلیت پسندی (Totalitarianism)

کو جنم دیا۔

غیر اخلاقی ذرائع کا جواز

پھر اس پر ایک فقہ کا مزید اضافہ ہوا۔ یعنی اس تصور کا کہ مقصد برائی کے لیے کوئی سے بھی ذرائع استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ اصل چیز حصول مقصد ہے، ذرائع کا درست یا نادرست ہونا نہیں۔ اگر تشدد، دھوکہ، فریب، جھوٹ، قتل و غارت گری کے بغیر کام نہیں چل سکتا تو یہ سب دوا ہیں۔ لیکن نے اشتراکی پارٹی کے کارکنوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ

”اگر ضرورت پیش آئے تو زور و زنجیروں میں اپنا اثر و نفوذ قائم کرنے، ان میں گھسے رہنے اور ہر قیمت پر اشتراکی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے ہر قسم کے حربوں سے بلا تکلف کام لے سنا، جبر و توڑ و فریب و تلوی

فدائے کمال استعمال، دھوکہ دینا دیکھ کر پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔
ایک اور موقع پر لینن نے کہا:

”جب کسی کے پاس عظیم اکثریت ہو تو وہ بلا واسطہ سامنے سے حملہ آور ہو کر کامیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن جب قوت ناکافی ہو تو پھر دوسرے حربوں کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے یعنی اصل رستے سے ہٹنا اور عینی راستہ اختیار کرنا، انتظار کرنا، پیچھے ہٹنا، ہرج و مرج کرنا وغیرہ۔“

پھر اپنی مقصد برائی کے لیے اشتراکیت کشد اور قوت کا استعمال بھی ضروری سمجھتی ہے۔ مارکس اور اینجلز نے اشتراکی فتنہ پر ہی کہا دیا تھا کہ
”اشتراکی اپنے اصل نظریات اور عزائم کے اظہار میں پردہ پریشی سے کام لینے سے انکاری ہیں۔ وہ برطانیہ کا اعلان کرتے ہیں کہ ان کے مقاصد کا حصول موجود سماجی نظام کو بے ہوا بنانا چاہئے ہی سے ممکن ہے۔“
اینجلز نے بڑے فخر کے ساتھ کہا تھا کہ
”آمیروں اور فوجیوں کی یہ جنگ دنیا کی ساری جنگوں سے زیادہ خون آشام ہے۔“

44. Lenin, V. I., *Left Wing Communism*, p. 38.

45. Marx, *Communist Manifesto*, ed. Laski, op. cit., p. 160.

اس بات کا اظہار مارکس نے ادبی واضح الفاظ میں کیا ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۹۹ مطبوعہ لارنس اینڈ سون ہارٹ۔

46. Engels, F., *Conditions of the Working Class in England*, George Allen and Unwin, p. 296.

اور مارکس نے یہ تک کہہ کر تشدد کی تبلیغ کی کہ

”شرائی یا موت، خونی جدوجہد یا تباہی — اصل سوال لارچی

طرح پر اسی طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔“

لنین نے انہی ارشادات کی روشنی میں تشدد کی تعلیم دی اور بغاوت کے اصول بیان کئے۔ تشدد اشتراکی انقلاب اور سمراشراکی پالیسی کا ایک جزو و لا ینفک ہی گیلے ہے۔ مندرجہ بالا بحث سے ہم یہ تا قایل انکار نتائج نکال سکتے ہیں۔

”البتہ“ اشتراکی فکر اور اس کے تحت رونما ہونے والے تمدن میں اصل مرکوزی مقام انسان کو حاصل نہیں ہے۔ اس کی حیثیت محض انسانی اور فطری ہے۔

دب، اشتراکیت کا خالص باوی اور جدلی فلسفہ روح اور شعور کی فنی کرتا ہے اور انسانی کو تاریخی قوتوں کے سامنے مجبور قرار دیتا ہے۔

دج، فرد کے آزاد، مختار اور بزرگوار ہونے کی فنی کی گئی ہے۔

دک، انفرادی آزادی کے لیے کوئی حقیقی فلسفیانہ اور اخلاقی بنیاد باقی نہیں رہتی۔

دھ، اخلاق اور غیر اخلاقی ذرائع میں کوئی تمیز باقی نہیں رہتی اور جبر و تشدد اور قوت کے استعمال کا ایک گونہ فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

47. Marx. K., *Poverty of Philosophy* Lawrance and

Wishart, p. 147.

۱۔ لےنن کی تحریکات کا مجموعہ (Lenin, Collected Works) صفحہ

سورڈن یکم ۱۹۲۹ء، خصوصیت سے صفحہ ۵۶-۵۸۔

(د) صداقت اور سچائی کا کوئی مستقل معیار باقی نہیں رہا ہے۔ اسی طرح عدل اور انصاف کی کوئی مستقل اقدار نہیں باقی جاتیں۔ مصلحت اصل رہنما قوت قرار پاتی ہے۔

یہ تمام نتائج اشتراکِ فلسفے سے فطری اور منطقی طور پر رونما ہوتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ اشتراکِ سماج میں یہ تمام کیفیات کیسے رونما ہوتی ہیں۔
اشتراکِ سماج کی مثال

۱۔ جن ممالک میں بھی اشتراکِ انقلاب رونما ہوا ہے وہاں ساری تجربہ دہی پیدا ہوا کہ بڑھانے اور فوجی قوت کو مضبوط کرنے پر دی گئی ہے۔ یہی روس کی پالیسی بھی ہے۔ اسی پر مشرقی یورپ کے اشتراکِ ممالک کا رہنما ہیں اور یہی چین کی بنیاد میں حکمت عملی ہے۔ بروہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس سے یہ مقصد حاصل ہو سکے خواہ اس کی کسی ہی قیمت ادا کرنی پڑے۔ درست امداد دست کا معیار انسان امداد اس کی تلاش نہیں، قومی پیداوار اور ملکی قوت کی تعمیر رہے ہیں۔ مغربی تہذیب نے امداد اس کے تحت خود سرمایہ داری نے انسان کی یہ شخصیت بڑے گھناؤ نے انداز میں کی تھی۔ اشتراکیت نے اس عمل کو انتہا تک پہنچا دیا۔ باب میں سرمایہ داری اور اشتراکیت ایک ہی بنیاد ہی نقطہ نظر رکھتی ہیں مگر وہی نے معاشی نفع کو اصل رہنما قوت بنایا تھا اور اشتراکیت نے پیداواری قوتوں کے اضافہ امداد کی مخصوص تعلیم کہ انسان دونوں کے نظام میں کسی مرکزی اہمیت کا حامل نہیں۔ اس کی حیثیت بھی بس ایک پیداواری قوت (Means of production) کی ہے۔ سوشلزم نے یورپ میں جس

انسانی مسائل کو اٹھایا تھا اور انسان کی ذہنی حالت پر جو تاثر کیا تھا اس کا کوئی اثر اشتراکیت کے عملی نظام پر نہ پڑا۔ وہ تمام چیزیں عوام کی ہمدردیوں کو حاصل کرنے کے لیے مخفی، بنیادی اشتراکی فلسفہ سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ حیب اصل فلسفہ پر عمل ہوا اور نہ ہی حکمت عملی وضع ہوئی تو جسے سب سے زیادہ نظر انداز کیا گیا وہ انسان ہے! ہم اس کے چند مظاہر کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

پنھن نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد یہ کہا کہ اشتراکیت نام ہے صورت (+)، برقی قوت کی تعریف دوسرے موقع پر اس نے کہا کہ ٹھوسٹ اور صنعتی ترقی سے مشروط عملیت ہے۔ یعنی کے یہ جملے دوسری اشتراکیت کا بنیادی اصول قرار پائے۔ اس کے بعد کی ساری ترقی اس اصول پر ہے کہ گویا صنعتی ترقی اور پیداوار میں اضافہ اشتراکیت کے ہم معنی ہیں۔ نقطہ نظر کی یہی وہ تبدیلی ہے جس کی وجہ سے خوب و ناخوب کا معیار اضافہ پیداوار قرار دیا گیا۔ اب یہ اضافہ کسی بھی قیمت پر ہو، ساری توجہ اس پر صرف ہونی ہے۔ جب اس ذہن کے ساتھ پورے نظام کو چلایا جائے تو انسان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے اس کا اندازہ ان چند مثالوں سے کیجئے۔

تشدد کا استعمال

(۱) ذراعت کو اجتماعی کمیتوں میں منتظم کرنے کے لیے کسانوں سے ٹیک مستقل جنگ کرنی پڑی۔ وہ کسی قیمت پر بھی اپنی زمین اور اپنے مویشیوں کو اجتماعی تحریک میں دینے کے لیے تیار نہ تھے لیکن سخت ترین تشدد کے ذریعہ ان سے زمین کو حاصل کیا گیا۔ اس خوفی عمل میں ایک کروڑ انسانوں کی جانیں ضائع ہوئیں لیکن

اس نظام نے اس پر کوئی کمک محسوس نہیں کی۔ یاٹا کانفرنس کے موقع پر خود اسٹالین نے چرچل سے کہا کہ دوسری جنگ میں جانوں کا اتنا فائدہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔ (روایتی نسخہ کہ دوسری جنگ میں روس نے تقریباً ۴۰-۵۰ لاکھ افراد کی قربانی دی، ہم نے تو زراعت کو اجتماعی کھیتوں میں تبدیل کرتے وقت اس سے دو گنی قربانی دی تھی۔)

عورتوں کا استحصال

(۱۱) پیداوار کو بڑھانے کے لیے عورتوں کی محنت کو استعمال کیا گیا اور صرف یہی نہیں کہ انہیں ان کاموں میں لگایا گیا ہر جو کم محنت طلب ہیں، بلکہ بڑی صنعت، اور کوٹے اور لوہے کی کاروں میں ان کو استعمال کیا گیا۔ انگلستان میں سرمایہ داروں نے عورت کے ساتھ برسلوک کیا تھا وہی سلوک پیداوار کو بڑھانے کی خاطر اشتراکیت نے کیا۔ انقلاب سے قبل محنت کار عورتوں کی عظیم اکثریت روڈ تھائی سے زیادہ، ہلکی صنعت میں غلام تھی۔ ^{۱۹۳۳} میں کیفیت یہ تھی۔

لنک یہ چیز تمام انتخابات میں آئی تھی۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو:

Lin Yu Tang. *The Secret Name*, Heineman, London, 1958.

نٹ مائیکورڈن کی کتاب *Workers Before and after Lenin* میں انتخاب سے پہلے کے ۲۵ سال اور انقلاب کے بعد ۲۵ سالوں کا بڑا گہرا اور حقیقت پسند اندھا لکھا گیا ہے۔ ہمارے معلومات کا ماخذ سرکاری کتب کے علاوہ یہ کتاب بھی ہے۔

کل مزدوروں میں عورتوں کا تناسب	صنعت
۲۴۶۸ فی صد	کوئلے کی کانیں
۲۳۶۹	لوہے کی کانیں
۲۴۶۹	لوہے کی صنعت
۳۱۶۷	مختلف وصافوں کی صنعت و تجارت
۴۲۶۹	کڑوسی کی صنعت

سرکاری اخبار پر اوداک ۱۴ ستمبر ۱۹۳۷ء کی اشاعت میں ایک صوبائی کمیٹی پارٹی کے سیکرٹری کی زبان پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ بہت سی کاروں میں عورتیں بنیادی اور فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہیں۔ بہت سے کوئلے کے ٹرسٹوں میں جیسے Kuibagshevugol Sovetskugol Artemugol وغیرہ کل کارکنوں میں عورتوں کا تناسب ۱۵-۲۰ فی صد تک ہے۔

انہی کی ٹریڈ یونینوں کی فیڈریشن نے لکھا ہے کہ اس نے شیشے سوئی کے زمانے میں چھٹی منزل پر عورتوں کو اینٹیں رکھنے کا کام کرتے ہوئے دیکھا اور یہ سارا کام ان تمام تحفہ دار کے بغیر انجام دیا جارا سٹاجو ساری مہذب دنیا میں اس قسم کے کام کے لیے لازمی ہیں۔ کل محنت کاروں میں عورتوں کی محنت کا تناسب کس رفتار سے بڑھتا ہے اس کا اندازہ اس سے کیجیے۔

نوشہ بحوالہ "The Soviet World" طراز لونا پیٹر و ساشی، صفحہ ۱۱۴

نوشہ بحوالہ کے لیے لونا پیٹر و ساشی، Henry Schwarz.

کل محنت میں عورتوں کا تناسب

سال	۲۴-۱۹۲۷	۲۵-۱۹۲۷
۲۴-۱۹۲۷	۲۴۶۰	۲۴۶۰
۲۵-۱۹۲۷	۳۷۶۷	۳۷۶۷
۲۶-۱۹۲۷	۳۹۶۳	۳۹۶۳
۲۷-۱۹۲۷	۴۷۶۰	۴۷۶۰

۸ مارچ ۱۹۲۷ء کے Pravda میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کل اجیروں اور تنخواہ دار طبقوں میں سے ۴۷ فی صد خواتین ہیں۔

عورتوں کو محنت ترین کام کرنے چاہتے ہیں امداد کی حیثیت پر ضرورتوں تک کا پورا خیال نہیں رکھا جاتا ہے۔ قومی صحت کے کیا رٹے ایک باقاعدہ اعلیٰ کے ذریعہ ڈاکٹروں کو منع کیا کہ عورتوں کو مخصوص ایام کی وجہ سے کام سے رخصت کی اجازت نہ دیں۔ عورتیں بھی کام پر مجبور ہیں کہ وہ کسے بغیر اپنا ادا اپنے بچوں کا پیٹ نہیں پال سکتی ہیں۔

بچوں کا استحصال

(iii) بچوں کی محنت کو قانوناً ممنوع ہے۔ (اور یہ ممانعت دار کے زمانے سے ہے ۱۸۸۲ اور ۱۸۸۵ کے قوانین کے ذریعہ بچوں کی محنت کو روک دیا گیا تھا، لیکن پیداوار کو بڑھانے اور منصوبے کو پورا کرنے کے لیے اس سے جی گریز نہیں کیا جاتا۔

نوجوانوں کے لیے سرکاری ترجمان Komsomolskaya Pravda نے اپنی ۳۱ اگست ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں اس کا اعتراف کیا کہ بارہ اور چودہ سال کے بچے ۱۲ اور ۱۳ گھنٹے کے لیے سیکھ کر کام کرتے ہیں۔ پرچے میں اس نوعیت کے متعدد واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی دی گئی ہیں جن میں

بارہ بارہ سال کے بچوں نے تین تین دن گناہ کار کام کیا ہے اور پھر بے ہوش
پڑ گئے ہیں۔

مزدوروں کا استحصال

ایمان پیدا کر کر بڑھانے کے لیے سرمایہ دار اوقات کار کے بعد بھی کام چلتا ہے اور
مزدور دوپے کمانے کے لیے اپنی صحت اور زندگی کو خطرے میں ڈال کر
Over-time کام کرتا ہے۔ روس میں بھی یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور اس
کا نام اسٹاکانوفزم (Stakhanovism) رکھا گیا ہے۔ اسٹاکانوف ایک کوئلہ
کا کان کن تھا جس نے ایک دن میں ۱۷ ٹن کی جگہ ۱۰۲ ٹن کوئلہ ایک مقام سے دوسری
جگہ منتقل کیا۔ اس کے بعد یہ رویہ پھیل گئی اور ہر ٹیکر می میں وہ مزدور رونما ہو گئے جو
اصل مقدار سے ۲۰۰ فی صد ۵۰۰ فی صد ۱۰۰۰ فی صد حتیٰ کہ ۲۰۰۰ فی صد تک پیداوار
کرنے لگے اور ان کو انجرت بھی دوسروں سے زیادہ دی جانے لگی اسٹاکانوف ڈاٹ

بعض روسی اخبارات کے حوالے سے متعدد مثالیں مانیا گورڈن کی مذکورہ بالا کتاب میں
منقول ہیں۔ ایک طرف یہ مثالیں ہیں اور دوسری طرف اسٹاکانوف ہیں اور انیسویں صدی
کے انگلستان کے واقعات سامنے رکھیے۔ وہی واقعات جنہیں مارکس نے سرمایہ داری

بیان کیا ہے اور جن کی تفصیل Ashlay اور Webb اور Hammonds
کی کتابوں میں اور چارلس ڈکنس کے ناولوں میں ملتی ہے۔ انسان کے استحصال کی حیثیت
دو دنوں جگہ ایک ہی ہے، صرف مقامات کے نام بدلے ہوئے ہیں۔

مزدور کو نام مزدور سے کہی گنا زیادہ اجرت دی جاتی ہے۔ اس طرح ایک مزدور کی قوت کی آخری رمت بھی چوڑی جاتی ہے۔ یہاں بھی انسانی نہیں پیداوار اصل چیز قرار پاتی ہے۔

غیر انسانی ترجیحات

(۷) پھر پیداوار میں بھی ان چیزوں کو اولیت دی جاتی ہے جو نظام کے لیے ضروری ہیں، خواہ انسانی کی ضرورت میں وہ پوری کریں یا نہ کریں۔ تمام اشتر کی ممالک میں ہماری صنعت کو اولیت دی گئی ہے اور نام استعمال کی چیزیں نظر انداز کی گئی ہیں۔ ترجیحات کا یہ نظام اسی ذہن کی پیداوار ہے۔ روس میں اشتر کی انقلاب کو اب ہمسایہ سال ہو رہے ہیں۔ لیکن معاشی پالیسی اسی بنیاد پر دی ہے اور آج تک اشیائے صرف کی قلت ہے۔ پھر کسانوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ خواہ ان کی ضرورت پوری ہو یا نہ ہو۔ پیداوار کا ایک خاص حصہ ایک خاص قیمت پر حکومت کو دے دیں حکومت کے حصہ کے تقسیم میں اس کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا کہ پیداوار خود اپنی ضرورت بھی پوری کر سکیں گے یا نہیں، اور قیمت مقرر کرنے میں اس بات کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا کہ وہ کم از کم مصارف پیداوار کو تو پورا کرے۔ اس کے ثمرات کے لیے کسی اور کی نہیں خود شیفت کی شہادت پیش کی جاسکتی ہے جس نے وہ جوہر ۱۹۹۲ کو کیونٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے سامنے ایک تقریر میں اٹھائے اور سروٹوٹ کے بارے میں کہا کہ وہ غلط ملک سے برآمد کرتے تھے جب کہ ملک میں لوگ بھوک سے مر رہے جوتے تھے صرف دوسری جنگ سے قبل ہی نہیں اس کے بعد بھی۔

ہاں کامریڈز! یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۲۵ء میں بہت سے علاقوں میں، مثلاً کریمک (Kırım) کے علاقے میں عوام بھوک سے مر رہے تھے۔ اور عین اس وقت یہ لوگ ملک سے باہر ہمارا پیدا کردہ غلام بیچ رہے تھے۔^{۵۳}

قیمتوں کے لاگت سے بھی کم ہونے کا اعتراف بھی سرکاری طور پر کیا جا چکا ہے۔ گزشتہ چالیس سال سے اس ظالمانہ اور غیر انسانی پالیسی پر عمل کیا جا رہا تھا۔ یکم جولائی ۱۹۶۲ء کو حکومت نے اس غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے قیمتیں بڑھائیں۔ جملہ اقلام کے گوشت کی قیمت اسٹالن ۲۰ فی صدی اور موشیوں سے حاصل کی جانے والی دوسری اشیاء کی قیمتوں میں ۳۵ فی صدی کا اضافہ کیا گیا۔ لیکن روسی معاشیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ متعدد قیمتیں اب بھی لاگت سے کم ہیں۔ مثلاً موشیوں کے گوشت کی قیمت ۸۳۰۰ روبل فی کونٹیل ہے جب کہ لاگت ۸۸۰۵ روبل آتی ہے۔ اسی طرح مرغی کی قیمت ۱۲۴۰۰ روبل ہے فی کونٹیل جب کہ لاگت ۱۲۴۰۵ روبل آتی ہے۔ یہ صرف

53. Vide, Luca Pietromarchi, *The Soviet World*, Allen and Unwin, London, 1965, p. 162n.

اس کتاب کا مصنف روس میں آنی کا سفیر تھا اور موصوف نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی کے ساتھ متوازن انداز میں یہ کتاب لکھی ہے۔ اور پوری کتاب کی آغوش پرستی

54. Naum Jasny, "Ten Years After", *Survey*, London, No. 47, April 1963, p. 96.

چند مثالیں ہیں درج ذرا امت کے بائے میں جموں پالیسی اسی ظلم و استحقاق پر

مبنی ہے۔
مزدوروں کی حق تلفی

(۱) پھر مزدور کو وہ حقوق حاصل نہیں ہیں جو اسے سرمایہ دار اور ممالک ملک میں حاصل
ہر چکے ہیں۔ مثلاً مزدوروں کی تنظیمیں۔ ٹریڈ یونین، الٹن کے حقوق کے لیے جدوجہد کرنے
کی بجائے حکومت کی منشا۔ کی تعمیل کرانے والا ادارہ بن گئی ہیں۔ سن ۱۹۲۱ء میں نوٹس
پارٹی کانگریس میں ملے گی کیا کہ

”ٹریڈ یونین کی طرف سے سویٹ حکومت کے ادارہ کی مخالفت کا

کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس قسم کی مخالفت واصل باکرزم سے انحراف اور
بعد ذاتی ٹریڈ یونیزم کی طرف مراجعت کے مترادف ہے۔“

دوس میں ٹریڈ یونین کا کام مزدور کے مطالبات اور اس کی نمائندگی پیش کرنا نہیں،
انتظامیہ کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے۔ اب مزدوروں کے ماتھے خود مطالبہ کرتے ہیں کہ
ہمیں زیادہ اجرت دینی چاہئے اور جو زیادہ اجرت چاہتے ہیں ان کو رجعت پسند اور
حریمیں کہا جاتا ہے۔

”موجب اجتماعی معاشیات کی تجدید کا وقت آتا ہے تو رجعت پسند گروہ،

جن کو دائیں بازو کے موقی پرست عناصر غلات انقلاب ٹرائیکل پرست،

کولیک نواز افراد و سبھی کہتے والے لوگ شہریتے ہیں، اپنے

غیر پرولتاری اور حریصان مطالبات پیش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔“

یہ الفاظ و محات کے دو کارخانوں کے مزدوروں کے نمائندوں کے ہیں جو ۱۹۲۲ء

اکتوبر ۱۹۲۹ء کے پرووا میں شائع ہوئے ہیں۔ اب مساوات اور خوش حالی اور ثرواتی
 فخرے بن جاتے ہیں اور مزدوروں کو ان سے محفوظ رکھنے کی کوششیں ہوتی ہیں۔
 ٹریڈ یونین کے مجلہ Voprosy Truda نومبر ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں کہا
 جاتا ہے کہ:

”ٹریڈ یونین اور کیسار آف لیبر میں موقع پرستوں کی وجہ سے ۱۹۲۷-۲۸ء
 کی اجرتوں کی اصلاح کوششیں نیم بورژوا فلاحیت (Egalitarianism) ^{۱۱}
 کے لیے ہرگز کام کا نقطہ آغاز بن گئیں۔“

فری ٹریڈ یونین کنونشن کے سامنے مرکزی ٹریڈ یونین نے جو رپورٹ پیش کی اس
 میں کہا گیا کہ:

”مجلا جو کیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی اور کامریڈ ایٹلین کی براہ راست
 ذاتی مداخلت کا کہ ان کے زیر اثر اب ٹریڈ یونینیں اس لائق ہو گئی ہیں کہ پرانے
 نظام کو مٹا دیں اور فلاحیت سے اپنے کو پاک کر لیں
 (Expunge equalitarianism)“ ^{۱۲}

اب جو لوگ اُجرت بڑھانے اور مزدوروں کے لیے سہولتیں حاصل کر کے کی بات
 کہتے ہیں وہ مزدوروں کے دشمن ہیں! اب اُجرت کا تعین بھی انتظامیہ کا کام ہے،

۱۱۔ فلاحیت (Egalitarianism) جدید معاشیات کی ایک اصطلاح ہے
 جس کے معنی خوش حالی، عدم مساوات میں کمی، معیار زندگی کو بلند کر کے کی کوشش
 اور سماجی انصاف کا حصول ہے۔

مزدوروں کو اس میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں، مرکزی ٹریڈ یونین کونسل کے سیکرٹری نے ٹریڈ یونین کے سامنے (۲۰ جولائی ۱۹۳۳ء) اشتراکی نظام میں ٹریڈ یونین کے وظیفہ کے بارے میں کہا:

”اہل توں کے نظام کے تعین اداکار کوگی کے معیار کے مقرر کرنے کا کام ٹھیک ٹھیک اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی کل ذمہ داری ٹیکٹری کی انتظامیہ اور فنی مینجروں پر ہو۔ بہر انتظامیہ کے کوئی اس بات کا سہارا نہیں جو گا کہ فنی معیار، اجرت، کام کا کوڈ، شرح ادائیگی وغیرہ کا تعین کرے۔ آج بھی ٹیکٹریوں میں کچھ کارڈ ایسے ہیں جو یہ راستے رکھتے ہیں کہ اجرت کے تعین میں ٹریڈ یونین کو بھی اتنا ہی دخل ہونا چاہیے جتنا انتظامیہ کا ہے۔ یہ تصور بنیادی طور پر غلط ہے۔ اس کے تو معنی یہ ہوتے کہ یونین انتظامیہ کی جگہ لے لے۔ یہ ایک باتیں بازو کی موٹی پرستاد تحریریت ہے۔ اس کے نتیجہ میں یک نفری انتظامیہ کو زور ہو جائے گی اور انتظامیہ کے فرائض منصبی کی ادائیگی میں بے جا مداخلت ہوگی۔ اس کو لازماً ختم ہونا چاہیے۔“

اور کار اور جٹس کی شائع کردہ کتاب ”Soviet Labour Law“ حتی طور پر یہ اعلان کرتی ہے کہ روس کے قانون کی مدد سے

”اجتماعی معاہدات میں اب ایسی کوئی دفعہ شامل نہیں کی جائے گی جو متغیر ہانے والوں یا اجیروں کو موجودہ قانونی تحفظات کے سوا کسی اور

حق یا سہولت اور منفعت کی تمنائت دلاتے۔

ہڑتال کے حق کا خاتمہ

(vi) مزدور کو ہڑتال کا حق نہیں ہے۔ اشتراکی نظام میں ہڑتال ایک قانونی جرم ہے۔ پیداوار کو بڑھانے کی کوشش نہ کرنا ایک جرم ہے۔ دیر سے آنا قابلِ مزا ہے۔ کام چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔ کام تبدیل کرنا نہایت مشکل ہے۔ غرضیت نے دینا میں ٹریڈ یونین کے نمائندوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اشتراکی نظام میں ہڑتال کا حق نہیں دیا جاسکتا اور پروڈاکٹ ۶ دسمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں یہ قانون شائع ہوا ہے کہ اسٹراٹکس کرنے والوں کو ۱۵ سال کی سزائے قید تک دی جاسکتی ہے۔ روس ہی نہیں ساری اشتراکی دنیا میں یہی پالیسی اختیار کی جاتی ہے۔ مشرقی برلن میں پولینڈ اور ہنگری میں مزدوروں کے مظاہروں کو جس طرح پولیس اور فورس سے کچلا گیا ہے وہ ایک اندوہناک داستان ہے۔ پولینڈ میں ہڑتال ممنوع کی جا چکی ہے اور مشرقی جرمنی بھی اس ذمیت کی قانون سازی کر چکی ہے۔

اب مزدور اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہو کر صرف پیداوار بڑھانے

۱۵ مزدوروں اور ٹریڈ یونین کے سلسلے کے یہ سلسلے حوالے اصل روسی ماخذ سے ہیں اور ان کو چینی فلسفی لن لیٹانگ کی کتاب "The Secret Name" سے لیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۷۰ تا ۷۱۔

۱۶ ملاحظہ ہو دی سویٹ ورلڈ صفحہ ۴۱۲

کے کام میں مصروف ہو جاتا ہے۔
جبری محنت

(۱۱۷) اسی انتفاع اور استحصال کا ایک بدترین پہلو جبری محنت تھی۔ اب یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ روس میں اسٹالن کے زمانے میں جبری محنت لگاتار تھی اور بڑے پیمانے پر رائج تھی۔ جبری محنت کے کیسوں کے مکیٹوں کی داستانوں سے لے کر اقوام متحدہ کے ایڈ ہاک کمیشن آف فورسڈ لیبر کی رپورٹ تک ہر ایک اس پر شاہد ہے۔ پھر اس کا ثبوت خود روس کے منصوبہ بندی کمیشن کی رپورٹوں سے ملتا ہے جن میں کل محنت کا ۱۰ سے ۱۵ فی صدی تک حصہ وہاں کی خفیہ پولیس کے ٹھکانے کی طرف سے فراہم کر دیا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کی مذکورہ بالا رپورٹ میں Large Soviet Encyclopaedia سے یہ حوالہ بھی دیا گیا ہے کہ

”ملاحظہ ہو روس کی مرکزی ٹریڈ یونین کمیٹی کے صدر V. V. Girshin کی رپورٹ ۴۴ میں اشتراکی کانگریس کے لیے۔ ان کا ارشاد ہے ”وہ اصل کام جس پر روسی ٹریڈ یونین اپنی قوتیں صرف کر رہی ہیں یہ ہے کہ پیداوار، نئی وسائل کو مزید ترقی دی جائے“ بحوالہ روسی سویت ورلڈ، صفحہ ۵-۴۰ م۔

59. Report of the Ad Hoc Commission on Forced Labour, United Nations and International Labour Office, 1953.

اس میں پوری دنیا کا جائزہ دیا گیا ہے اور اس کی جبری محنت پر ایک مفصل حصہ ہے۔

”تمام محاذوں پر اشتراکیت کی عظیم کامیابیوں نے یہ ممکن کر دکھا کہ قیدیوں کی محنت کو اشتراکیت کی تعمیر کے عمومی کام میں استعمال کیا جائے۔“

جبری محنت کے اس نظام کا اعتراف خروشیف کی اس تاریخی تقریر میں بھی ملتا ہے جس میں مثالیں کو بے نقاب کیا گیا ہے اس میں ایک ایک بات میں ہزاروں افراد کو تہمت یا قتل کرنے کا اعتراف ہے۔ یہی وہ بد نصیب انسان تھے جن سے جبری محنت لی جاتی تھی۔ ویسے تو اشتراکیت نے تمام ہی مزدوروں کی عمومی آزادی کو باقی نہیں رکھا ہے لیکن لاکھوں افراد سے جبری محنت کے کیپوں میں برسوں کام لے کر ظلم اور انسان کشی کی ہر شر تک مثال اس نے قائم کی ہے اس کی نظیر مصر کے فرعونوں کے بعد نہیں ملتی۔

میں رپورٹ مذکورہ بالا صفحہ ۱۰۴۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل لٹریچر کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

Slave Labour in Russia, 1949, Report Presented to U.N. by American Federation of Labour.

Dallin, D. D., "Forced Labour in Soviet Russia"

Orlov, Alexander, "Secret History of Stalin's Crimes"

Trotsky, "The Revolution Betrayed"

Tchernavin, Vladimir V., "I Speak for the Silent"

Koestler, Arthur, "Darkness at Noon"

Averbakh, "From Crime to Labour"

۲۔ اسی خاص معاشی اور مادی نقطہ نظر کا تعنا ہے کہ اشتراک انقلاب کو برپا کرنا اور اس انقلاب کی مخالفت کرنا اعلیٰ ترین قدر قرار پاتی ہے اور اس کے لیے باقی جو کچھ بھی قربانی کر دیا جائے وہ کم ہے۔

سیاسی، تمدنی اور ثقافتی زندگی میں کسی اخلاقی قدر کو باقی نہیں چھوڑا گیا ہے اور ہر چیز کو نام نہاد انقلاب کی بارگاہ پر صحنیت چڑھا دیا گیا ہے۔ اس کے لیے کیا کچھ جو ہے اس پر بھی نگاہ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ انسانوں کے درمیان محبت اور مروت کے تعلقات پیدا کرنے کی سہائے اشتراکیت کا اصل سرمایہ کار نفرت کے جذبات ہیں وہ وصل نہیں فصل پڑا کر پاتا ہے۔ وہ انسانوں کو انسانوں سے لڑانا چاہتی ہے اور طبقاتی نزاع کو گہرا کرنا چاہتی ہے۔ اس کی روش منفی ہے۔ برٹنڈرسل جیسا سوشلسٹ بھی اشتراکی فکر کی اس کمزوری کا اعتراف کرتا ہے کہ

”نفرت۔۔۔۔۔ معاشیات کے سائنسی مطالعہ کے لیے کوئی اچھی بنیاد نہ تھی اور نہ ہی اس نظام کے مثبت نظریہ کے لیے کوئی صحیح اساس تھی جسے سرمایہ کی جگہ لینا تھی۔۔۔۔۔ نفرت سے اپیل ایک لڑائی جیتنے کے لیے اچھا نفسیاتی حربہ ہو سکتا ہے اور سارے ہی جنگ آزمادوں نے ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک اس کا استعمال کیا ہے۔ لیکن بعد میں حقیقی تعمیر کے لیے یہ صحیح نفسیات نہیں ہے۔ مارکس کا کردار کوئی بہت ہی خوش کن کردار نہ تھا۔ ان کی تحریرات نفرت اور حسد اور غیظ و غضب سے پُر ہیں۔ یہ ایک افروزا کی حقیقت ہے کہ اس کی شخصیت میں جو چیزیں ناپسندیدہ تھیں ان میں

سے اکثر و بیشتر اس کے پیروں میں سرایت کر گئیں۔ ایک بے لگ
مبصر یہ کہنے پر مجبور ہے وہ لڑائی جو اس جذبہ سے لڑی جائے اگر
کامیاب بھی ہوئی تو اس کے نتیجہ میں دلیا ہی تباہ کن اس قائم ہو سکتا
ہے جیسا معاہدہ درساؤ کے تحت قائم ہوا۔ نفرت جب حد سے بڑھ
جاتے تو ایک عادت بن جاتی ہے اور یہ عادت بد ہمیشہ نئے نئے
شکار تلاش کرتی رہتی ہے۔

خونی انقلاب

اشتراکیت نے نفرت کے جذبات کو بھڑکایا ہے اور اسی ناپاک مال کی تجارت
کی ہے۔ نتیجتاً انسانی تاریخ میں نفرت اور غیظ و غضب اور حسد و تابوت کے جذبات
کو جس درجہ اس نے استعمال کیا ہے کسی دوسری اجتماعی تحریک نے نہیں کیا۔ اس
تحریک کے نتیجے میں انسانیت کی بھول میں کوڑے کیلے پھل ہی آ سکتے ہیں، اس کا
داس کانٹوں ہی سے تار تار ہو سکتا ہے، اور اس کی قسمت میں آگ اور خون ہی آ سکتے
ہیں، غیر برکت نہیں۔

۱۱) اشتراکیت کی بنیادی ٹیکنیک ہی یہ ہے کہ عداوت کو اصلاح یا بد نہ سمجھنے
دیا جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ بگاڑا جائے تاکہ سب کو شدید ہمارا انقلاب
کا راستہ آسان ہو جائے۔ پیرس کمیون پر عقیدہ کرتے ہوئے مارکس نے کہا تھا انقلاب

کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ برسرِ اقتدار طبقہ کا قلع قمع کرنے کی بجائے سماجی انصاف کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش ہونے لگی۔ نیز یہ کہ مزدور طبقہ نے مالی نظری کا مظاہرہ کیا اپنے مخالفین کو نیست و نابود کرنے کی بجائے وہ ان پر اخلاقی اثرات ڈالنے کے چکر میں پڑ گئے۔^{۶۳}

اس ذہن کا نتیجہ یہ ہے کہ اصلاح کی کوششوں کو ناپسند کیا جاتا ہے، بحران کو شدید تر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، و خرقی انقلاب کے لیے راستہ ہموار کیا جاتا ہے انقلاب میں جبر و تشدد اور ظلم و فساد گری سے کام لیا جاتا ہے اور پھر انقلاب کے بعد بھی تشدد اور مخالفین کا قلع قمع کیا جاتا رہتا ہے۔ نتیجتاً خوف، جبر اور تشدد اس نظام کا لازمی جزو اور مستقل فیور رہتے ہیں۔ پھر انسانی خون ہر شے سے اڑنا ہر جہان ہے اور توڑ پھوڑ اور فساد گری میں انسان لذت لینے لگتا ہے۔ اشتراکی انقلاب دنیا میں جہاں بھی آیا ہے اس نے انسانی خون سے اپنی پیاس بجائی ہے اور مذکورہ ایک بار اس کا مزہ لگ جانے کے بعد یہ انقلابی قوت مستلاً آدم خور

63. Marx, *The Civil War in France*, New York, 1933, p. 80.

اتہیں خیالات کا اظہار لینن نے *The State and Revolution* میں (صفحہ ۹)،
اشائین نے *The Foundations of Leninism* میں (صفحہ ۵۱) اور عالمگیر
اشتراکی پارٹی نے *Programme of the Communist International*
مطبقہ نیویارک ۱۹۲۶ء میں (صفحہ ۲-۳۶) کیا ہے۔

ہی جاتی ہے۔ لینن نے پروتکریہ کی آمریت کی تعریف ۱۹۳۷ء میں یہی کی تھی کہ
 ”ڈکٹیوشپ کے معنی اس کے مانتے تصور کی رو سے اس سے
 کچھ زیادہ ہیں اور مذکورہ نام ہے اس غیر محدود قوت کا جو تشدد پر مبنی
 ہے، مذکورہ چیز اس کی حد بندی کرتی ہے، مذکورہ قانون اس پر گرفت کرنے
 کے لیے ہے اور مذکورہ حتمی اور کی قانون یا اصول۔“

میں دجہ ہے کہ لینن کی خفیہ پولیس (Cheka) کے سربراہ (Felix
 Dzerzhinsky) نے اپنے پہلے ہی خطاب میں صاف صاف کہا تھا کہ ”یہ نہ
 سمجھ لینا کہ میں انقلابی انصاف کی کسی شکل کی تلاش میں ہوں میں
 اب انصاف کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔“
 حسب تشدد و جبر کو تقدس کا یہ مقام حاصل ہو جائے اور اقتدار کے لیے کوئی
 صداور پابندی باقی نہ رہے تو انسانوں پر جو بھی مظالم ہوں کم ہیں۔ مشہور روسی ماہر
 عمرانیات اور فلسفی پروفیسر میچرم سوروگین انقلاب روس اور انقلاب فرانس کا موازنہ
 کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

انقلاب فرانس (۱۷۹۳ء) میں انقلابی طاقتوں کے ذریعہ ۱۷
 ہزار افراد کو سولی پر چڑھایا گیا اور کوئی ۳۵ سے ۴۰ ہزار افراد انقلابی جبر
 کا شکار ہوئے۔..... جو لوگ اشتراکی انقلاب کے سرخ کواکے
 (۱۹۱۷-۲۲ء) کے باوجود شکار سمجھتے ان کی تعداد زیادہ سے زیادہ متاثر

انہمازوں کے مطابق ہلاک ہے۔ ایک لاکھ فی سال سے بھی زیادہ !
 اس میں خانہ جنگی، سفید خنصب کے اکی نذر ہونے والے افراد اور
 انقلاب کے بالواسطہ ہت بننے والے لوگ شامل نہیں ہیں۔ اگر ان
 تمام صورتوں کو شامل کر لیا جائے تو ایک کروڑ ۵ لاکھ سے لے کر ایک
 کروڑ ۷ لاکھ افراد کی جانیں انقلاب کے ہت پر صہیٹ چرھا دی گئیں۔
 انسانی زندگی اپنی قدر و قیمت کھو چکی ہے۔ جیتے جاگتے انسانوں کو ضمیر
 کی غفلت اور زماست کے کسی احساس کے بغیر پاؤں کے روندنا جاری رہا
 ہے۔ عملِ ظہر شب و روز کا عمل بن گیا ہے اور قتل و غرن روزمرہ کا
 روٹین ہے۔

اشتراکیت کس طرح ایک اکظم بن گئی، اس سے ایک دوسرے ماہر عنائات
 اور مورد کی نہانی سننے۔ کوئی مفرد ڈکٹا ہے:

”میں کامیابی کے لمحہ میں جب کہ اشتراکیوں نے اقتدار پر قبضہ کیا
 ایک درجہ ہی عمل رونما ہوا۔ سوشلزم کا انسان پرستی کا چہرہ، اس کا مادی
 خوشامالی اور جہوری آخرت کا خواب، جگ اور استبداد کے اپنی خود کے
 پیچھے چھپ گیا۔ باشندہ کیوں پر جنگ مسلط کی گئی تھی لیکن سوشلزم کا استبداد
 پہلے مارکس کا بلا واسطہ وار تھا۔ یعنی نے مارکس کے نظریہ کو مکمل مفاداری

65. Sorokin, Pitirim A., *The Crisis of our Age*, E. P.

Dutton & Co., New York, 1951, pp. 229-230.

کے ساتھ رو بہ عمل لاتے ہوئے ان تمام گروہوں اور تنظیموں کا صفایا کر دیا جو کسی طرح بھی ریاست میں اقتدار کے شریک ہو سکتے تھے اور اس طرح اس کے منقسم ہونے کا باعث ہوتے — جہاں جو چیزیں نیست و نابود نہ کی جاسکیں انہیں ریاست کا جزو بنالیا گیا۔ جاسوسی، بلا کھلا مقدمہ پلاستے سزائیں دینا، دور دراز کے انسانی باڑوں

(Concentration camps) میں محض طور پر انسانوں کو قید کر دینا یا محض طور پر انہیں موت کی فیند سلا دینا، جبری محنت، آزادی تقریباً کو ختم کر دینا، سیاسی تبدیلی اور عقلی طور پر تلاش کیے جانے والے قبائل سیاسی حلقوں کے امکانات کا خاتمہ، ایک ایسے نئے محرک طبقہ کا ظہور جو عوام سے اتنا ہی دور ہے جتنا پرانا سرمایہ دار طبقہ اور بین الاقوامی جس کی جگہ اس نے لی اور معاشی قوت کا مکمل ارتکاز — اشتراکیت کے ان تمام نئے خصائص نے اس کے اصل عرائم کو خاک میں ملائے کا کام انجام دیا۔ اور بالآخر خود ان لوگوں کی اکثریت جس کے ہاتھوں انقلاب برپا ہوا تھا غنڈے قرار دی گئی اور انہیں نفاذوں کی حیثیت سے سزا دی گئی۔ جس طرح انہوں نے اپنے سے اختلاف کرنے والے سماجی انقلابیوں اور جمہوریت پرستوں سے معاملہ کیا تھا بالکل اسی طرح کا معاملہ ان کے ساتھ ان کے اپنے دوستوں کے ہاتھوں کیا گیا۔ اگر ان انقلابیوں پر جرائم ثابت لگائے گئے وہ درست تھے تو یہ امر خود انقلاب اور اس کے نقطہ آواز پر ایک پٹا داغ ہے، اور اگر طرز میں مصوم

اور بے گناہ مٹے تو خود ان کے بنائے ہوئے نظام اور اس صورت حال کے جو ان کی کوششوں سے رونما ہوئی قبیح اور جہنا جہنم کی دلیل ہے۔
اشتراکی سماج میں داخلی کشمکش

(iii) صرف انقلاب ہی کی داستان خون سے آلودہ نہیں ہے، تشدد اور استبداد اس نظام کا خاصہ ہی سمجھے ہیں۔ نفرت کے بیج سے جو درخت نکلا اور انسانی خون سے جس کو سیراب کیا گیا اس کا پھل بڑا ہی کڑوا اور تلخ نکلا اور اس کی پونے پوری فضا کو متعفن کر دیا، سازشوں، مظالم اور زیادتیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یعنی نے اپنے دشمنوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا کام انجام دیا اور اس نے اس کے کوٹنا بڑھایا کہ صرف دشمنوں ہی کو نہیں دوستوں کو بھی ترمیم کر ڈالا۔ انقلاب کی ڈاٹس نے اپنے ہی بچوں کو کھانا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ ختم ہونے کو نہیں آتا صرف روس ہی میں نہیں ہر اشتراکی ملک کا مقصد انہونی کشمکشیں اور خون خرابا ہے۔ صرف چند حقائق:

۱) ایک نئی زبان ایجاد ہوئی اور اس کا طرز اختیار گالیاں، سب و شتم اور دشنام تھا۔ اس زبان کی چند خاصہ اصطلاحیں یہ ہیں سازشی سفید محافظ، بانٹھے ("White Guard Pigmyes") کیڑے کوڑے (Insects) درجے "Fiends" فسطائیوں کے قابل نفرت دم چھلے (Contemptible)

66. Mumford, Lewis, The Condition of Man, Martin

Secker & Warburg, London, 1944, pp. 340-341.

(Scums of Lackeys of the Fascists) انسانیت کی تلچھٹ

humanity) خدّار (Traitors) بیرونی ملک کے ایجنٹ امپریلزم کے

کاسر لیس دشمن کے تنخواہ دار غنڈے اور ناسوٹ (Scabs) وغیرہ۔

یہ وہ زبان ہے جسے اشتراکیت نے رواج دیا، اور جسے آج بھی ہر ملک کے اشتراکیوں کی تحریرات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

لینن نے اپنے دور میں

• غیر بالٹریک سوشلسٹ لیڈروں کو گرفتار کیا اور قتل کر دیا

• جیتے مزدوروں پر گولی پلائی (۱۹۱۸ء جنوری ۱۹۱۹ء)

• کروڈسٹاڈ (Kronstedt) بغاوت (۱۹۱۹ء) کے موقع پر باغیوں کے

خاندانوں کو ریخمال کے طور پر دکھا

• پارٹی کے اہم مخالف عنصر کے دھوکہ مٹانے کی کوشش کی۔

• قتل کے ساتھ ساتھ مخالفین کو سائبریا منتقل کرنے اور ان سے جبری محنت

لینے کا آغاز کیا۔

اسٹالن نے اس نظام ظلم کو اس کی انتہا تک پہنچایا۔ اس کے زمانے میں عالم

کے یہ ساری مقدس گالیاں

(Short Course of the History of the All Union Community)

(Bolshviek)

مطبوعہ ماسکو سے اخذ نہیں۔

یہ ہو گیا کہ

• پارٹی کانگریس جو محض ایک دکان سے کی چیز تھی اس کا اجلاس بھی باقاعدگی سے نہیں بلایا گیا۔ چند حصوں اور سولہوی کانگریس میں سال۔ سولہویں اور سترہویں میں سال۔ سترہویں اور اٹھارہویں میں سال اور اٹھارہویں اور انیسویں کانگریس میں سال سال منسلک ہے۔

• مقدمات کا ڈھونگ رچا کر بڑے پیمانے پر پارٹی میں تطہیر (Purge) کی گئی اور اشتراکی نظام کے بانیوں تک کو قتل اور سرمایہ داری کا ایجنٹ قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

• لینن کے پولیشیوں کا تقریباً ہر رکن ختم کر دیا گیا۔ لینن کی موت کے وقت سات رکن زندہ تھے۔ ان میں سے اٹالیوں کے سوا ہر ایک قتل قرار دیا گیا اور مجرم ٹھہرا دیا گیا۔

• پرانے بائوٹیکوں میں سے کوئی قتلہ ہی اور ملک دشمنی کے الزام سے نہ بچا۔
• ۱۹۳۷ء کی جنگی کونسل کے استی کے اسی رکن قتل کر دیئے گئے یا گرفتار۔

• سترہویں کانگریس کے ۱۹۶۶ء سندھ میں سے ۱۰۰ افراد تقریباً دو تہائی پارٹی سے نکالے گئے اور یا مار دیئے گئے یا کیمپوں میں بھیج دیئے گئے۔ اسی موقع کی مرکزی کمیٹی کے ۱۳۹ ارکان میں سے ۹۹ بعد میں گرفتار کئے گئے اور قتل کر دیئے گئے۔

• جون ۱۹۳۷ء کی تطہیر میں ۹ جرنیل اور ۳۰ ہزار فوجی افسار مارے گئے۔
اسی طرح جو لوگ مزید جاسوس اور قتلہ قرار دیئے گئے اور انہیں گولی مار دی

گنتی ان میں نہ بھی تھے۔

- ۱۹۳۶ء کی مرکزی کابینہ کے ۱۱ میں سے ۹ وزیر۔
- مرکزی انتظامی کمیٹی جو ۱۹۳۶ء کے دستور کے آٹے تک مرکزی پارلیمنٹ کی حیثیت رکھتی تھی، کے ۵ میں سے ۵ صدر۔
- کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی تنظیم کے ۵ سیکریٹریوں میں سے ۴۔
- صوبائی تنظیم کے تقریباً تمام سیکریٹری۔
- ۱۹۳۷ء کے دستور کا مسودہ تیار کرنے والے، ۲ چوٹی کے اشتر کی قادی میں سے ۱۵۔

- روسی فوج کے ۵ مارشروں میں سے ۳۔
- فوج کے جرنیلوں میں سے ۹۰ فیصدی۔
- ٹریڈ یونین کے سیکریٹریوں میں سے ۸۰ فی صدی۔
- پارٹی کے ممبروں میں سے پندرہ اور بیس لاکھ کے درمیان ارکان کا اخراج کیلئے۔
- پہلی تقریر ۱۹۳۱ء ۵ لاکھ ۸۰ ہزار ارکان میں سے ایک لاکھ ۵۰ ہزار کا اخراج ہوا۔
- دوسری تقریر ۱۹۳۳ء ۱۳ لاکھ ارکان میں سے ۲ لاکھ ۹۰ ہزار کا اخراج ہوا۔
- تیسری تقریر ۱۹۳۴-۳۵ء تقریباً ۲ لاکھ ارکان کا ہر سال اخراج ہوا۔
- اس طرح ۱۹۳۹ء میں روس میں کمیونسٹ پارٹی کے ارکان کی تعداد ۲۵ لاکھ اور خارج شدہ ارکان کی تعداد ۲۰ لاکھ تھی۔

یہ تمام معلومات روس کی کمیونسٹ پارٹی کی سرکاری تاریخ سے ماخوذ ہیں۔ اس سلسلہ میں

Michael Padev کی کتاب 'What Happens to Communists'

مطالعہ بھی مفید ہوگا جس نے تمام اعداد و شمار کا خلاصہ مرتب کر دیا ہے۔ مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء

ان حقائق کا اعتراف اب خروشیف نے بھی کر لیا ہے۔ لیکن کیا یہ سب کچھ محض اسٹالن کے جرائم تھے؟ پہلے ہی نگاہ میں صرف اسٹالن کو مورد الزام ٹھہرانا درست نہیں۔ بلاشبہ اس پر بلا واسطہ ذمہ داری آتی ہے لیکن اصل چیز وہ کلیت پسند استبدادی نظام ہے جو اشتراکیت نے قائم کیا، جس میں اسٹالن ایک ایسا جابر حکمران بن سکا، جس تمدن نے یہ سب کچھ ظلم گوارا کیا۔ اسٹالن کی موت کے بعد کچھ تبدیلیاں ضرور آئی ہیں۔ لیکن وہ بنیادی نظام بدستور قائم ہے۔ جو تبدیلیاں بھی آتی ہیں اسی نظام کے اندر ہیں، اس کی بنیادوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے حالات نسبتاً بہتر ہوتے ہوئے بھی جوہری فرقہ کا پتہ نہیں دیتے۔

اسٹالن کے بعد اقتدار ایک سرکشی کیٹی کے ہاتھوں میں آیا۔ میکوف، میریا اور مولوٹ، ۴ ماہ کے اندر اندر میریا اقتدار قرار دیا گیا اور ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد میکوف اور مولوٹ بھی اقتدار سے ہٹا دیے گئے۔

خروشیف کے دور میں صورت یہ رہی ہے۔

خروشیف کے دست راست	خروشیف کا شمار
میکوف	میریا
مولوٹ، کاکانوچ	میکوف
دوسم گرا، ذخوف	مولوٹ، کاکانوچ
دوسم پہلا، بگانی	ذخوف
خروشیف، ایک نفی قیادت،	بگانی

خروشیف نے اسٹالن پر جو تنقید کی اور بیسویں اور اکیسویں کانگریس میں جو کچھ اقتدار

کئے ان کو بھی اس طرح خاموشی سے قبول کر لیا گیا جس طرح پہلے کے کانفرنسوں میں اٹالی کے دور میں ہوتا رہا ہے۔

خود خروشیٹ کے بھی اسٹیج سے ہٹا دیا گیا۔ اب پتہ نہیں یہ توفیق کسے حاصل ہوتی ہے کہ خروشیٹ کے اعمال بحسے پردہ اٹھاتے۔

ایک اور اہم چیز جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ سازشوں، مقدموں، تطہیر، گرفتاریوں اور گولی سے اڑانے کا یہ سلسلہ صرف روس ہی میں نہیں ہے بلکہ جہاں جہاں اشتراک نظام قائم ہوا ہے۔ ان میں سے ہر ملک میں یہ موجود ہے۔ صرف چند مثالیں:

مشرقی یورپ کے چھوٹے اشتراکی ممالک، رومانیہ، بلغاریہ، یوگوسلاویہ، ہنگری، پولینڈ اور رومانیہ، میں برابر عمل تطہیر جاری ہے اور پہلے سالوں میں جو لوگ قتل واصل ہی کچے ہیں ان میں یہ لوگ شامل ہیں۔

• دونائب وندائے اعظم

• ایک سربراہ مملکت

• وندار میں سے تقریباً - و تقریباً تمام وندائے خارجہ نکالے جا چکے ہیں،

• اہم سرکاری عہدہ داروں اور کمیونسٹ پارٹی کے سیکرٹریوں میں سے تقریباً -

• پارٹی کے کل ارکان کا تقریباً ۲۵ فی صدی - ۸۰ لاکھ ارکان ہیں سے ۲۰ سے ۲۵ لاکھ

ارکان نکالے جا چکے ہیں۔

چین میں ثقافتی انقلاب کے نام پر جموڈر امر ہو رہا ہے اس کی تہ میں لگا رہی کش مکش کا درما ہے۔ غرض اشتراکیت جہاں بھی آئی ہے اس نے اپنوں اور غیروں کے خون کی ہولی کیلی ہے۔ انسانی نقطہ نظر سے اشتراکیت نے کتنی بڑی

قیمت وصول کی ہے، اس کے تصور سے روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(ii) پھر تشدد کا صرف یہی صورت نہیں ہے۔ لڑکوں سے اعتراضات حاصل کرنے کے لیے جبر اور ظلم کے جو حربے اختیار کیے جاتے ہیں وہ انتہائی شرمناک ہیں۔ ان میں سے کچھ کی تفصیل خود خورشیدیت نے اپنی تاریخی تقریر میں بیان کی ہے صرف ایک جملہ: ”اور یہ کس طرح ممکن ہوا کہ ایک شخص ان جرائم کا اعتراف کر لیتا ہے جن کا ہی سے صدور نہیں ہوا؟ یہ صرف ایک ہی وجہ سے ممکن ہوا۔ اس پر جسمانی ایذا اور تعذیب کے طریقوں کا استعمال، مار پیٹ، اسے تعذیب سے بے ہوش کر دینا، اس کی عقل کو مافوق کر دینا، انسانی عزت اور شرف کو ختم کر دینا، بے حرمتی۔ یہ ہیں وہ ذرائع جن سے اعتراضات حاصل کئے گئے۔“

پھر صرف لڑکیوں ہی کو مظالم کا نشانہ نہیں بنایا گیا، ان کی اولاد اعزہ اور دوتوں کو بھی مشق ستم بنایا گیا، بچوں کو ایذا نہیں پہنچا کر والدین سے اعتراضات حاصل کیے گئے۔ مارچ اور اپریل ۱۹۳۹ء کے قانون کے ذریعہ ۱۲ سال کے بچوں کو بھی انہی سزاؤں کا مستحق قرار دیا گیا جو بالغوں کے لیے تھیں اور سرکاری ملک کی چوری پر موت تک کی سزائیں لگائی گئی۔ بارہ سال کے بچوں کو فوج داری کے معاملات میں بالغوں کی سزا کا مستحق قرار دینا دنیا کی تاریخ ظلم میں ایک نادر چیز ہے۔ انگریز نوکرانہ کی ۱۲ سال کی لڑکی کو اس طرح بے سہارا کیا گیا کہ وہ دیوانہ وار گلیوں میں پھرتی تھی اور کوئی اس کی بات تک نہ مانتا تھا۔ لیٹن کی بیوی جس کی حیثیت اشتراکیت کی پہلی خاتون کی تھی، وہ بھی مظالم سے نہ بچ سکی۔ ادراک خود اٹالیا کی بیٹی کو امریکہ میں پناہ لینے پڑی ہے!

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کہوں ہوا؟

پھر اس کی نظیر بھی صوفی اشتراکی روس ہی پیش کر سکتا ہے کہ سزا صرف مجرموں ہی کو نہیں، ان کو بھی ملتی ہے جو جرم کے بارے میں کوئی علم بھی نہیں رکھتے۔ مارچ ۱۹۳۳ء کے قانون کی رو سے جو فوجی ملک سے بھاگ جاتے اس کے ساتھ رہنے والے تمام اعزہ و بیوی، اولاد وغیرہ کو آزادی سے محروم کر دیا جائے گا اور ساتیریا کے حدود کے مطابق میں بھیج دیا جائے گا۔ اگر ان کو اس کے جرم کا علم ہو تو وہ سال سے دس سال کی مدت کے لیے اور ان کی تمام املاک ضبط کر لی جائیں گی اور اگر ان کو علم نہ ہو تو وہ سال کے لیے ساتیریا بھیجا جائے گا۔ از دستیا۔ ۹ جون ۱۹۳۳ء، اس کے صرف یہ معنی ہی نہیں ہیں کہ وہ کسی جرم کا کوئی علم بھی نہیں رکھتے ان معصوموں کو بھی سزا دی جا رہی ہے بلکہ اس کے نتیجہ میں یہ بھیجانہ نظام قائم کرنا پیش نظر ہے کہ بیوی شوہر پر اور اولاد والدین پر یا سوسی کریں ورنہ اپنی چھڑی محفوظ نہ رکھ سکیں گے۔

سوال یہ ہے کہ جو نظام اس درجہ بے اعتمادی پر مبنی ہو، جس میں ہر طرف انتشار و سازشی کے کارخانے کام کر رہے ہوں، جس کو جبر و تشدد کے ذریعہ چلایا جا رہا ہے، اس کو ایک صحت مند نظام کیسے کہا جاسکتا ہے۔ پھر اگر ہم مارکس کے اس نظریہ کو مان لیں کہ انسان اپنے ماحول کی پیداوار ہے، تو اس ماحول کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی جو خود اشتراکیت کے بہترین سپوتوں کو فشار، پاگل اور ملک دشمن بنانے والی رہا ہو! پھر بات یہ بھی نہیں ہے کہ یہ سب کچھ سیاسی کمزوری کی وجہ سے ہو، یہ نظام بننا مضبوط ہوتا جاتا ہے، اس کی سنت گیری اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ ۱۹۳۹ء تک اخبارات میں اشتقاقی رائے چھپتی تھی، لیکن کی پیروی کی

یادداشتیں آخر دوسری میں چھپی تھیں، لیکن اس کے بعد جب ملک مضبوط ہو گیا تو یہ سب کچھ ختم ہو گیا۔ عدل کے کیسا کوٹھکرو نے ایک بار کہا تھا کہ

”ہر زمانے کے موقع پرستوں کا یہ قول ہے کہ ایک ملک جتنا مضبوط

ہوگا، اپنے مخالفین سے اس کا رویہ اتنا ہی نرم ہوگا، نہیں مگر کوئی نہیں!

ملک جتنا مضبوط ہوگا، جتنا طاقت ور ہوگا، پارٹی اور حکومت کا رشتہ

عوام کے ساتھ جتنا مضبوط اور گہرا ہوگا، اتنا ہی سوشلسٹ تعمیر کو متاثر

کرنے والے دشمنوں کے خلاف ہمارا غصہ سخت تر ہوگا اور ہم ان

کے خلاف اتنے ہی سخت تر اقدام کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔“

دیکھو! انڈیا فروری ۱۶، ۱۹۳۷ء

یہ ہے اشتراکیت کا ذہن! کمزور ہوں تو بقا کے لیے تشدد منور ہی ہے،

مضبوط ہوں تو مخالفین کے خلاف غصہ کے اظہار کے لیے تشدد لاؤں گا

ہے۔ تشدد اس نظام کی روح ہے، اس کا مزاج ہے، اس کا طرزِ فکر

ہے۔ یہ انسانوں سے انسانوں کی طرح معاملہ نہیں کرتا، دوسروں کی طرح

کرتا ہے۔ دوست و دشمن ہر کوئی اس کا نشانہ بن سکتا ہے،

بنیادی انسانی حقوق کا انکلاف

انسانی نقطہ نظر سے اشتراکیت سہلج کا جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس

نے جو سیاسی نظام بنایا ہے وہ آئندہ اور جمہوری اقدار سے محروم ہے۔ فرد کے آزاد

وجہ کو یہ نظام گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ نہ اسے نظریہ الیٹسٹک کی آڑ میں

ہے، نہ اختلاف اور اعتراض کا حق ہے، نہ پیشہ اور روزگار کی آزادی ہے،

نہ تنظیم بندی کی آزادی ہے، نہ نقل و حرکت کی مکمل آزادی ہے، نہ بے لگ انصاف کے حصول کا حق ہے، نہ نظام حکومت کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے اور تبدیل کرنے کا اختیار اور موقع ہے۔ اشتراکی نظام ایک کلیت پسند آمرانہ اور استبدادی نظام ہے جس میں آزادی اور جمہوری حقوق کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ ان کو ایک سامانی تعیش قرار دے دیا گیا ہے جس کی کلیت بورژوا نظام میں تو ہوسکتی ہے، پروتاریا دینا میں نہیں!

حقیقت یہ ہے کہ معاشی لگاڑ سے زیادہ بنیادی مسئلہ انسانی آزادی کا مسئلہ ہے۔ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا۔ اس کو باقی حیوانوں سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ اس کی آزادی ہی ہے۔ اگر دنیا کی تمام مہدلتیں اس کو حاصل ہو جاتیں لیکن انسانی خودی مجروح ہو جائے اور اسے آزادی سے محروم کر دیا جائے تو یہ نعمتیں نہیں مصیبتیں ہیں علامہ اقبال نے بہت صریح کہا تھا کہ

اسے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی

جس رزق سے آتی ہو، پروانہ میں کوتاہی

اشتراکی نظام میں انسان کو مٹھیں کے بے جان پرندوں کی سطح پر اتار دیا گیا ہے۔ وہ اپنی سیاسی اور تہذیبی قسمت کا مالک نہیں رہا ہے بلکہ اقتدار کے ہاتھوں میں بے جان مہروں کی مانند ہے۔ یہ محض کچھ افراد کا نہیں، پوری انسانیت کا المیہ ہے۔ ملک کے سارے اختیارات ایک پارٹی کے ہاتھوں میں ہیں جس کے کل ارکان کی تعداد آبادی کے سہائی صدی سے بھی کم ہے۔ کسی دوسری پارٹی کا کوئی وجود نہیں۔ یہی پارٹی انتخابات کے لیے اپنے نامزد کمرے کرتی ہے، کوئی ان کے مقابلے

پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی دنیا کا ایک اعجوبہ ہے کہ انتخاب میں صرف ایک نمائندہ ہوتا ہے اور پھر اس الیکشن کو رائے شماری کہا جاتا ہے! برطانیہ کے سوشلسٹ وزیر اعظم اٹلی نے دوسری انتخابات کو ایسی گھوڑ دوڑ سے تشبیہ دی تھی جس میں صرف ایک ہی گھوڑا شریک دوڑ چو!

پورے ملک میں صرف دو اخبارات ہیں۔ پراودا اور ازولیتیا۔ ایک پارٹی کا ترجمانی ہے اور دوسرا حکومت کا۔ تمام ملک کے سب سرکاری اخبارات ازولیتیا (Izvestia) کا ادارہ چھاپتے ہیں اور تمام پارٹی کے ترجمان پراودا (Pravda) کا۔ صرف ایک نیوز ایجنسی ہے۔ ٹاس (Tass)۔ مقامی خبریں صرف سرکاری ہیڈ کوارٹر ہوتی ہیں۔ اس طرح خبروں پر مکمل کنٹرول ہے اور کوئی خبر چھاپی نہیں جا سکتی۔ صدر ہے کہ ۲۲-۱۹۳۲ کے یوکرین قحط کی کوئی خبر پورے روس میں شائع نہیں ہوئی حالانکہ اس میں ۲۰ لاکھ کے قریب افراد بھوک مرے۔ اب اس قحط کا کھلے بندوں اعتراف کیا جاتا ہے۔

عدالت اور قانون انفرادی آزادی کے محافظ ہوتے ہیں لیکن ان کا بھی کوئی آزاد وجود نہیں ہے۔ قانون کو اشتراکی نظام کا ایک آلہ کار بنایا گیا ہے۔ نظام عدل بھی انہی اشتراکی مقاصد کے تابع کیا جا چکا ہے۔ بنیادی حقوق کی تنقید کا کوئی حق نہیں پایا جاتا۔ جج سرکاری وکیل کا رول ادا کرتے ہیں۔ عدالت کو کوئی آزاد مضابطہ نہیں ہے۔ ۵۰ سال میں تمام عدالتوں میں کوئی ایک فیصلہ ہی حکومت وقت کے خلاف نہیں ہوا ہے۔ اینڈری وائی شینسکی (Andrey Vyshinsky) جو سرکاری وکیل اور ماہر قانون کی حیثیت رکھتا ہے اپنی کتاب میں کہتا ہے:

”ایک اشتراکی عدالت کا کام یہ ہے کہ عوام کے دشمنوں کو خواہ وہ اشتراکیت کے خلاف اپنی چہرہ دستیوں کا اظہار کسی بھی صورت میں کریں اور برابر جہد و جدوجہد کے بغیر نیست و نابود کر دے۔“

”تمام عدالتیں طبقاتی پالیسی کا آلہ کار ہیں۔“

”اشتراکی انصاف مزدور طبقہ کے ہاتھوں میں جبر و تشدد کا ایک ہتھیار ہے۔“

”ایک اشتراکی جج کا فتویٰ محض قانونی منطق نہیں ہے۔ اسے ہمیشہ یہ حقیقت اپنے سامنے رکھنی چاہیے کہ قانون پارٹی کی پالیسی کے منشاء کے اظہار کے سوا اور کوئی وجود نہیں رکھتا۔“

”اگر قانون اور پارٹی کی دی ہوئی لائن میں تصادم محض ایک اشتراکی جج کو بالکل عدالت قانون کے نظمی احکام کی کڑی کر دینا چاہیے تاکہ وہ پارٹی کی ہدایات کی مکمل اطاعت کر سکے اس لیے کہ پارٹی کی ہدایات اس کے لیے ایک باہر قانون کی حیثیت رکھتی ہیں۔“

اس کے بعد قانون کی سکرائی کے کیا معنی باقی رہتے ہیں۔

خاندانی نظام کا خاتمہ

اشتراکیت نے جو سماجی نظام بنایا ہے اس میں بھی انسان کو نظر انداز کرنے

نئے مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو ”تانون کا اشتراکی تصور“ از ابن ندیم، چراغ راہ“
اسلامی قانون، نبرہ جلد اول۔

کی وہی پالیسی کا فرما ہے جسے ہم معاشی اور سیاسی دائرے میں دیکھ چکے ہیں۔
 خاندان کا نظام جو ہمیشہ سے تہذیب کا گہوارہ رہا ہے، متضاد اور متناقض پالیسیوں
 کا نشانہ بنا رہا ہے۔ اس نظام میں کوئی چیز محترم باقی نہیں رہی ہے۔ نہ فرد کی شخصیت
 نہ قریب ترین مشقے، نہ مائلی ادارے اور تعلقات۔ ہر چیز اضافی ہے اور وقت کے
 بدلنے کے ساتھ ساتھ اپنا مقام بدلتی رہتی ہے۔ اولاد پر والدین کے حقوق باقی نہیں
 رہتے ہیں، ریاست کے مفاد میں بچوں کو جس طرح چاہے استعمال کیا جاسکتا ہے۔
 مذہب اور اخلاق نے سماجی زندگی کی حد بندی کی تھی اسے توڑ دیا گیا ہے۔ نکاح اور
 طلاق کا نظام وقت کی ضرورتوں کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ جائز اور ناجائز ورشتے
 میں کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے۔ انقلاب کے فوراً بعد جنسی آزاد سی دی گئی،
 خاندان کے نظام کا مذاق اڑایا گیا، نکاح کی مذہبی تقدیس کو ختم کر دیا گیا۔ طلاق کا
 دروازہ چھ پٹ کھول دیا گیا۔ یہاں تک کہ ایک نسانے میں صرت پرست کارڈ سے
 اطلاع دینا کافی قرار دیا گیا۔ پھر جب حملات خراب ہوئے اور قابو سے باہر ہو گئے تو
 اس جنسی آزادی پر پابندیاں مائد کی جانے لگیں، طلاق کو مشکل تر بنایا گیا۔ طلاق کی فیس کو
 ۵۰ روپے سے بڑھا کر ۵ ہزار روپے تک پہنچا دیا گیا، دفعہ ۴۰۰ قانون طلاق جو ۱۹۷۹ء
 کنوینشن پر ٹیکس مائد کر دیا گیا۔ اسقاط حمل کو قانونی جرم قرار دیا گیا۔ بچوں کی تعداد
 ۷۰ اسقاط کا قانون جس کی تاریخ میں وہ واحد قانون ہے جس کے بارے میں عوامی بحث
 معلوم کرنے کے لیے ٹیکسٹ بکوں سے رجوع کیا گیا۔ استعواب رائے کا رد کیا گیا تھا لیکن
 جب کہنے والی کو اسکی اکثریت حکومت کے مجوزہ قانون کے خلاف معلوم ہوئیں تو متضاد
 کو روک دیا گیا اور ۱۰ دسمبر ۱۹۷۳ء کو ممانعت کا قانون نافذ کر دیا گیا۔

پر ماں کو اعزاز دیا جانے لگا۔ غرض کسی ایک کیفیت کو بھی معاشرے میں حقیقی قدر و قدرتی حاصل نہیں، محض وقتی مصلحت کی بنیاد پر ایک انتہا سے دوسری انتہا تک معاشرہ ٹھوکر پر کھتا رہتا ہے۔

اس کا نتیجہ ہے کہ وہ تمام اخلاقی مفاد جو مغربی تہذیب میں رونما ہوتے ہیں اشتراکِ سماج میں رونما ہو رہے ہیں۔ چوری اور سبوتاژ وہاں عام ہے۔ زنا اور دسٹر جنسی جرائم بے پناہ ہیں۔ ماسکو کی گلیوں میں قحبہ گری اسی طرح ہوتی ہے جس طرح لندن اور نیو یارک میں شراب نوشی عام ہے اور نقص امن عامہ کے ہر دس واقعات میں سے نوہ ہوتے ہیں جن کے ترکیب شراب کے نشے میں مست ہوتے ہیں۔^{۱۹۶۵} میں صرف مینن گراؤ کے ایک محلہ میں دو سترہ سے زیادہ نوجوان شراب نوشی کے مجرم ہیں گرفتار ہوئے۔ شراب نوشی کا یہ عالم ہے کہ ہر چھٹی کے بعد کے دن مزدوروں کی پیدا آمد ہی نمایاں طور پر کم ہو جاتی ہے۔ ملاقوں میں سے نصف اس وجہ سے ہیں کہ شراب نوشی میں مدد سے گزر رہے ہیں۔ اطفال اور نوجوانوں کے جرائم بڑھ رہے ہیں۔ کچ روٹی (Delinquency) کا رجحان اسی طرح رونما ہو رہا ہے جس طرح مغربی ممالک میں۔ نوجوانوں کے غول کے غول (Gangs) وہاں بھی رونما ہو گئے ہیں اور مختلف سماج دشمن سرگرمیوں میں مبتلا ہیں۔ فرد معاشرے سے کٹا ہوا ہے اور شدید

72. Vide CDSP, December 8, 1965.

73. See : Hollander, Paul, "The Homelessness" Survey, July 1966.

مغاشرت (Alienation) محسوس کرتا ہے۔

اشتراکی مواقع پرستی کی چند مثالیں

اشتراکی نظام کامیاب بہت ہی عظیم المیہ ہے کہ اس میں حق و انصاف، خیر اور صداقت کے کوئی مستقل معنی نہیں ہیں۔ مصلحت پرستی وہاں کا چلن ہے اور ہر وہ چیز جو مقصد پرستی کا ذریعہ بنے قابل قبول ہے۔ اقتدار کی اس اصنافیت نے انسان کو وہ نقصان پہنچایا ہے جو اس سے پہلے کے کسی نظام تہذیب نے نہیں پہنچایا تھا۔ خود شیعت نے انسان کو جس طرح بے نقاب کیا ہے۔ اس نے انسان کے باطن میں تو ہماری معلوم ہیں کچھ زیادہ اصناف نہیں کیا البتہ اس نظام کی اس بنیادی کمزوری پرستے مزبور پر وہ مبنیادیا ہے۔ اس نظام میں خوب و ناخوب کا معیار اس طرح بدلتا رہتا ہے جس طرح صحرا میں ریٹ کے ٹیلے۔ دوستی اور دشمنی کا بھی کوئی مستقل اصول موجود نہیں ہے۔ یہاں آسمان ہر لحظہ رنگ بدلتا رہتا ہے۔ مدام کی وضاحت کے لیے ہم صرف چند مثالیں دیتے ہیں۔

- (i) پہلی جنگ کے بعد اشتراکیت نے جنگی تادمان (Reparations) کی بڑھ چڑھ کر مخالفت کی۔ لیکن دوسری جنگ کے بعد جنگی تادمان وصول کرنے پر اصرار کیا۔
- (ii) فاشیزم کی مخالفت کی اور اسے سرمایہ داری کی بدترین شکل قرار دیا لیکن پھر جنگ کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا اور تھوڑی سی زمین حاصل کرنے کے لیے پولینڈ پر قبضہ

74. See: Chalasinski, Jozef, "The Homelessness of 'Universal Man', Survey, January, 1967, p. 163.

کے حق کو تسلیم کر لیا۔ جب جرمنی سے دوستی ہوئی تو نہ صرف یہ کہ نازشزم پر تنقید
بند ہو گئی بلکہ ہٹلر کے قومی ترانے تک کو دوسری فرج نے گایا۔ لیکن پھر جلد ہی تلوار کی
کھائی اللہ دس جرمنی کے خلاف برسرِ جنگ چمک گیا۔ اب سربراہِ مادانہ ممالک سے
دوستی شروع ہو گئی اور انہیں خوش کرنے کے لیے اشتراکیت کی عین الاقراری تنظیم
کو منسٹر آفک کو توڑ دیا۔ جنگ کے فوراً بعد جنگ کے زمانے کے انہی حلیفوں کے
خلاف برسرِ پیکار ہو گیا۔

اللہ! اشتراکیت کے فائدہ میں کے بارے میں جو متضاد باتیں سامنے آتی ہیں وہ سخت
سیران کن ہیں۔ جب اشٹالن برسرِ اقتدار تھا تو عالم یہ تھا کہ انڈونیشیا میں ۲۰۰ سطروں
میں اشٹالن کا نام، ابار آتا تھا اور ہر بار کئی کئی لاکھوں کی تعریفوں کے ساتھ اور
پراودا میں یہ حتمہ شائع ہوتی تھی کہ

اے عظیم اشٹالن، اے عوام کے راہنما
تو وہ ہے جس نے انسان کو وجود بخشا
تو وہ ہے جو زمین کو بار آور کرتا ہے
تو وہ ہے جس سے صدیوں کا زندگی عبادت ہے
تو وہ ہے جو بہاروں کو جوہرین عطا کرتا ہے
تو میری بہاروں کا مرکز ہے
سورج کی مانند، جو لاکھوں دلوں پر جلوہ گزرتا ہے

اور چہرہ اب عالم یہ ہے کہ اس عظیم اشائے کی لاش تک مقبرہ سے نکال کر کسی گنہگار دفن کر دی گئی ہے اور اب اس کی قبر کا بھی کسی کو علم نہیں۔ اسے زاروں سے زیادہ بڑا ظالم ثابت کیا جا رہا ہے اور کوئی اس کے حق میں ایک کلمہ تک نہیں کہہ سکتا۔

ہیرا کو بیچتے۔ پر اردو اسے اشائے کا وفادار دست راست اور شاگرد رشید سمجھتا تھا اور سویٹ انسائیکلو پیڈیا دسمبر ۱۹۵۷ء ایڈیشن، اسے سویٹ کیونسٹ پارٹی اور حکومت کے نمایاں ترین قاتلین میں سے ایک قرار دیتا تھا۔ لیکن تین ہی سال بعد روسی ریڈیو اور پریس نے اس کی جو تصویر کشی کی وہ یہ تھی:

”ذلیل اور بے وفاء، کم ظرف، دشمن، ملعون دشمن، قابل نفرت خدائے موقیع پرست، اشرار، پالاک خدائے بد معاش خدائے ذلیل خدائے ہرڈوائی بد کردار، سامراجی ایجنٹ، باؤگات، تیز چنگامہ پرست، نظریاتی بلاکوائٹ بلغاریہ کے کامریڈ کوستوف کا حشر بھی اس سے مختلف نہ ہوا۔ اس کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے اس کا قصیدہ یوں پڑھا تھا۔

”کامریڈ کوستوف تمہاری خدمات عظیم ہیں، تم پارٹی کے معمار اور پارٹی کے ارکان کے استاد اور معلم ہو۔ تمہاری قیادت میں اور تمہاری سنہری شال سے متاثر ہو کر ہزاروں ارکان نے پارٹی کی مکمل اطاعت کی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ مارکسزم لنینزم کے بارے میں تمہاری معلومات بڑی گہری ہیں تمہاری شرفائے عظیم محنت اور استقلال میں تمہاری مثال بڑی اونچی ہے تمہارا آپنی اردو، پارٹی اور مزدور طبقہ کے لیے تمہاری بے لوث فداکاری وہ درخشاں بالشیوکی صفات ہیں جو تمہاری پوری حرکت اور جدوجہد سے

بھر چوہ زندگی کو اور بھی حسین بنا دیتی ہیں۔ تم آج ہماری پادشہ کے محبوب ترین
قائدوں میں سے ایک ہو۔ ایک عظیم مدبر اور نئے بلعادیہ کے معمار۔
اور دو سال بعد ہی کو سٹوڈنٹوں کے کٹھنوں میں کھڑا تھا اور اسے سزائے موت
دی گئی۔ سرکاری اخبار نے لکھا کہ

”کٹھنوں میں کو سٹوڈنٹ کھڑا تھا۔ وہ پرانا ہالک دوقلو، ہانا بوجھا باتیں
بازو کا فرق پرست اور پھوٹ ڈلوانے والا تجربہ کار اسپیجٹ جو بلعادیہ کی
شاہی اند فسطائی پولیس کا تنخواہ دار تھا، برطانیہ کے نظام جاسوسی کا نشانہ
ٹیڈ جیسے جاسوس اور فضا کا قریب ترین ساتھی، قابل نفرت مجرم، وہ
زمین کی غلامت جس نے اپنے تحریری اعتراضات نامہ کو اسے سے
انکار کر دیا۔“

جس نظام میں اصولوں، نظاموں، اداروں اور افراد کے باہرے میں آکر اس طرح
بدلتی ہوں، جس میں نہ کوئی اصول مستقل ہو اور نہ کوئی قدرواٹھی، جہاں حق و انصاف
اور صداقت کا کوئی وجود نہ ہو۔۔۔ وہ نظام انسانیت کے لیے ایک رحمت ہو سکتا
ہے یا لعنت!

اشتراکیت پر انسانی نقطہ نظر سے جتنا بھی غور کیا جائے گا اس کے سوا کوئی دوسرا
نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا کہ یہ ایک انسان دشمن نظام ہے، جس میں بدن کی سیوا آکر کی گئی
ہے، لیکن روح کو مسخ کر دیا گیا ہے اور انسانیت کو اس کے ہر شرف سے محروم کر دیا
گیا ہے۔ ہم بحث کے اس حصہ کو ایک اشتراکی اور ایک غیر اشتراکی مفکر کی رائے
پیش کے مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ پہلے مشہور سوشلسٹ ایلن تلم ہارچ بنارڈ شاکی بلانے

کامطالعہ کیجئے۔ شانے ایک مدت پہلے روس کے دورے کے بعد اپنی اس راسے کا اظہار کیا تھا اور اسے پروردگار نے بھی بلا تبصرہ شائع کیا تھا۔

”دروس“ نے فردا اور ریاست کے درمیان ایک نیا رشتہ تعمیر کر دیا ہے۔ اس نئے تصور میں انسانی زندگی کی حقیقی اور اندرونی قدر و قیمت کے جھوٹے اور خیالی نظریہ کی جگہ حیات انسانی کے بارے میں ایک حقیقت پرست اور افادہ دہ دیکھ بھال کیا گیا ہے۔ روسی اشتراکیت کی کامیابی میں بہت بڑا دخل اس حقیقت کو ہے جسے ہر روسی شہری جانتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اپنے ملک کے لیے کارآمد نہیں بناتا اگر اس کا غالب ہے کہ وہ اس سے باخود و صوبہ بیٹھے گا۔ خفیہ پولیس کا کوئی اسپیٹل اسے شانے سے تھامے گا اور اسے اس مشہور و معروف جگہ پر لے جائے گا جہاں پہنچنے کے بعد اس کی داستانِ حیات ختم ہو جائے گی۔ اس کے سارے اعزہ و کرمی سے مطلع کر دیا جائے گا۔ کہ انہیں اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ اب گھرواپس نہیں آئے گا؟

برنارڈ شانے نے اپنے مخصوص انداز میں بڑے پتہ کی بات کہی ہے۔ اشتراکیت نظام میں انسان بحیثیت انسان محترم نہیں ہے۔ حیات انسان کی خود کوئی تعلق قیمت نہیں ہے۔ اگر یہ زندگی ملک اور نظام کے لیے مفید نہیں ہے تو اس کی بچاؤ کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ مادہ پرستانہ ذہن کی بالکل عین عکاسی ہے۔ البتہ وہ مادہ پرستانہ نظاموں میں ایسے انسان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن اشتراکیت مادہ پرستی کو اس کے منطقی نتائج تک لے جاتی ہے۔ وہ ایسے انسان کو جو نظام کے

یہ افادہ یہ نہ رکھتا ہو، گوارا بھی نہیں کرتی۔ وہ اسے ٹھکانے ٹھکانے کا مناسب بندوبست کر دیتی ہے !

دوسرا مسئلہ جس کی رائے ہم پیش کرنا چاہتے ہیں وہ چینی فلسفی ڈاکٹر لی یوٹانگ ہے۔ وہ اشتراکیت پر اپنے پورے غور و فکر کا بخوڑ اس طرح بیان کرتا ہے کہ

”میں اپنے آپ کو ایک نفی دہانت میں تبدیل کر لیتا ہوں اور اپنے ضمیر کی تنہائیوں میں حقائق کو اشتباہات، غلط سمجھ اور توڑنے مروڑنے کے عمل سے جدا کئے ان پر غور کرتا ہوں۔ میں ساری شبہاتوں کو زیر غور کرتا ہوں اور اپنے سے سوال کرتا ہوں، کیا انسان اور انسانی تہذیب کی قسمت میں یہ سب کچھ لکھا ہے ؟ اور میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ اشتراکیت کا یہ پورا تجربہ اس لائق نہ تھا کہ اسے کیا جانا..... میں اس نتیجہ پر پہنچتا ہوں کہ فنی ترقی کے تمام دعوؤں کے باوجود ایک بچکے کی زندگی کو بچا لینا، سانبھ لینا ہے ایک ماں کا اپنے بچے کے پاس بھیج دیا جانا، ایک غلام کو اس کی زنجیروں سے آزادی دلانا، فسادوں میں اسپرنگ اڑانے سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ ایک انسان کا انسانی سطح سے پست زندگی گزارنا اور اس کا محسوس اور کم خوراک سے چور ہو کر بربت پر مردہ گر پڑنا، ایک قیدی کا اپنی کال کو مشرومی سے اپنی بے گناہی کی دل خواش پکار لگانا اور لیٹوینیا کے علاقہ میں ایک بچے کا آدھی رات کو سیکورٹی پولیس کے ہاتھوں اپنی ماں کی گرفتاری اور دو آگے کا منظر دیکھنا۔۔۔۔۔ یہ ساری چیزیں ان اسپرنگوں سے حتمی طور پر کہیں زیادہ اہم ہیں۔ اور یہ سارے امور

خود ہم سے متعلق ہیں، اس لیے کہ بیسویں صدی میں ان کو گوارا کرتے ہیں۔
 اشتراکیت انسانوں کے مسئلہ کو محض حیوانوں کی سطح پر حل کرنا چاہتی ہے اور وہ اسے
 کبھی حل نہیں کر سکتی انسان کہ روح اس بلوی ترقی کے باوجود جو یہ حاصل کر لیتی ہے بلکہ وہیں
 اور مضطرب رہتی ہے۔ وہی ترقی انسان کی ترقی ہو سکتی ہے۔ جس میں انسان سے بحیثیت
 انسان معاملہ کیا گیا ہے۔ اگر مقام انسانیت ہی باقی نہ رہے تو پھر کوئی چیز بھی مفید
 نہیں ہو سکتی۔ یہی اشتراکیت کا الیہ ہے۔ سب کچھ پانے کے بعد بھی انسان اپنے کو
 خالی ہاتھ محسوس کرتا ہے۔ اس کے دل و دماغ کی نگہی اجاڑ رہتی ہے۔ اس کی شخصیت
 ایک سایہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ زندہ ہوتے ہوئے زندگی کو ترستا ہے،
 سانس کی آمد و رفت کے باوجود اپنے کو زندہ محسوس نہیں کرتا، ساری صلاحیتیں رکھنے
 کے باوجود مجبور محض ہو جاتا ہے۔ چند معاشی سہولتوں کے بدلے انسانیت کے
 پورے سرمایہ کی قیمت ادا کر کے وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے لوٹ لیا گیا۔ یہ سودا اسے
 بڑا ہی مہنگا پڑتا ہے۔ روسی ادیب پاسترناک کے الفاظ میں اس کی کیفیت اس

۱۲۲ بحوالہ میں پاسترناک، کتاب مذکورہ بالا، صفحہ ۱۲۲

برٹرنیڈ رسل نے بھی ایک جگہ کہا ہے کہ میں مجبور ہوں کہ باوجود کم و وجہ سے
 رو کر دوں۔ پہلا یہ کہ انسانیت کو اشتراکیت کو باضوری طریقوں سے حاصل کرنے کی برقیہ
 ادھر کی پڑتی ہے وہ ہر لحاظ سے، اور دوسرے اس لیے کہ اتنی بھاری قیمت ادا
 کرنے کے بعد بھی میں سمجھتا ہوں کہ خیریت حاصل ہوگا، وہ، وہ نہیں ہوگا جس کا دعویٰ
 باضوری کہتے ہیں۔

۱۲۲ ڈاکٹر ڈوگر ازبورس پاسترناک

کسان کی سی ہوتی ہے جو محسوس کرتا ہے کہ:

”حبیب انقلاب آیا تھا اور اس نے اسے بیدار کیا تھا تو وہ سمجھا
تھا کہ اب اس کا خواب ختم شدہ تعبیر سمونے کو ہے۔ اس کا پرانا خواب
کہ وہ زمین پر اپنے ہاتھوں کی محنت سے بے قید و بندگی گزارے، پوری
طرح آزاد ہو، کسی کا کچھ بھی دیندار نہ ہو، لیکن اس کے برعکس اُس نے محسوس
کیا کہ اس نے صرف آکا بدل لیے ہیں، پرانے زارمی ریاست کے نظام
ظلم و تشدد کی بجگہ نئی انقلابی بالار ریاست کا زیادہ ورنہ فی اور سخت گیر حوا
اس کے کندھوں پر ہے۔“

اشتراکیت کے اس الیہ کو پو لینڈ کے شاعر آدم دازیکٹ نے بڑی سپائی
اور درمندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

یہاں انسان ہیں جو کام سے تنگ گئے ہیں۔
پو لینڈ کے سبب ہیں جن کو پو لینڈ کے سپوت حاصل نہیں کر سکتے
یہاں بچے ہیں جنہیں مجرم ٹکڑی غصہ کی نظر سے دیکھتے ہیں
یہاں معصوم بچے ہیں جن کو جھوٹ بولنے پر مجبور کیا جاتا ہے
یہاں معصوم بچیاں ہیں جن کو غلط بیانی پر مجبور کیا جاتا ہے
یہاں انسان ہیں جو انصاف کے منتظر ہیں
یہاں لوگ ہیں جو ایک مدت سے انتظار کر رہے ہیں

اس زمین پر ہم اپیل کرتے ہیں
 انسانوں کے نام پر اپیل کرتے ہیں
 ان انسانوں کے نام پر جو کام سے تھک چکے ہیں۔
 ہم ان تالوں کے خواہش مند ہیں جو ہمارے دروازوں پر لگ سکیں
 ان کمرے کے طالب ہیں جن میں کمرے کیوں ہیں۔
 ان دیواروں کے جو خستہ و خراب نہ ہوں
 ہاں اس لیے کہ انسانوں کی طرح وقت گزرا جا سکے
 فرانس کی سوشلسٹ پارٹی کے سیکرٹری پیرے کامن نے سرخ جنت کی زیارت
 کے بعد بہت خشک کہا تھا کہ
 ”بھئی یہ احساس ہے کہ انقلاب انسان کو فائدہ پہنچانے اور اس
 کی عزت اور اس کے وقار میں اضافہ کرنے کا باعث نہیں ہوا ہے،
 بلکہ یہ انسان کو محض ایک آکر بنانے میں کامیاب ہوا ہے۔“
 اشتراکی تہذیب میں انسان کا جو انجام ہوا ہے اس کی بہترین عکاسی دوس کے
 انقلاب کے بعد کے دور کے ایک چوٹی کے شاعر کی زندگی میں ہوئی ہے۔
 (Yessenin) یے یسین۔ صرف تین سال کی عمر میں وہ اپنی شہرت کے نصف
 اعتبار پر تھا۔ لیکن اس کی روح بے چین و مضطرب تھی۔ وہ اپنے سے کہتا ہے کہ
 اُسے میرے سرائیری تیزی مجھے کہاں لے آئی ہے!
 میں بے آبرو ہوں! میں نے عزت کا کوئی پاس نہیں کیا! میں بد معاش ہوں!
 آہ یہ سب کچھ اور صرف اس لیے کہ اور بھی تیزی کے ساتھ، اور بھی شدت

”سے جلوں۔“

اس نے اپنی کیفیت کو اپنے اخلاقی ابتلا کو۔ پورے اشتراکِ سماج کے اخلاقی ابتلا کو۔ یوں پیش کیا ہے۔

میں اپنے ہی وطن میں اجنبی ہوں

میں خود ہی راستے پر کھڑا ہوں

میں کوئی نیا انسان نہیں ہوں، میرا ایک پاؤں ماضی میں ہے۔ اور پھر بھی

میں فولاد کی دنیا میں شریک مہنا چاہتا ہوں۔ ہاں گو میں نگلٹا رہا ہوں اور روکھڑا

رہا ہوں۔ لیکن چاہتا ہی ہوں۔“

عزت، شہرت، دولت اس کی روح کو نکلیں نہ دے سکے۔ اس نے غرور کشی

اور موت کے وقت جو اس کی گھسی ہوئی تحریر ملی وہ پورے اشتراکِ نظام پر ایک بھروسہ

طفرز بھی ہے اور اس کی حقیقی کیفیت پر ایک حتمی فیصلہ بھی۔

اے میرے دوست! اے میرے دوست!

اس زندگی میں مر جانے میں کوئی نئی بات نہیں ہے

لیکن

جس شبہ زندہ رہنے میں بھی کوئی بات نئی نہیں!

جب بھی انسانی بنیادوں سے ہٹ کر اور انسانی حقائق کو نظر انداز کر کے کوئی

سماج قائم ہوگا اس میں انسان کبھی خوش نہیں رہ سکتا۔ پھر وہ اپنے ہی وطن میں اجنبی

رہنے ہی گھر میں غیر، انسانوں کے درمیان تنہا، اور اپنے ہی ماحول میں بے سہارا ہوگا۔

پھر موت میں کوئی نئی بات ہوگی اور نہ زندگی میں کوئی نئی چیز۔ زندگی اور موت کا فرق

سٹ جائے گا اس لیے کہ یہ فرق پیدا ہی ہوتا ہے اخلاق کے احساس سے !
 اشتراکیت نے ایک ایسا غیر انسانی سماج قائم کیا ہے کہ اس میں سب کچھ ہونے ہونے
 بھی انسان کے لیے کچھ نہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں نہ موت کا خوف ہوتا ہے
 اور نہ زندگی کی انگ ! انسانی اس تھکا دینے والے پیچان سے پناہ حاصل کرنے
 کے لیے خودکشی کی طرف بڑھتا ہے۔ یہ سینین نے اپنی شہرت کے عروج کے
 وقت اس زندگی سے تنگ آکر خودکشی کر لی۔ یہ صرت یہ سینین کی خودکشی نہیں،
 انسانیت کی خودکشی ہے ! اور یہی ہے اشتراکیت کی سب سے بڑی ناکامی۔

اشتراکیت اور معاشی مسئلہ

انسانی نقطہ نظر سے

اشتراکیت کے مجموعی نظام کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نظریہ حیات کو اس کے اپنے دیتے ہوئے محدود معیار پر بھی جانچنے کی کوشش کریں گے۔ اشتراکیت کا سب سے اہم اور مرکزی دعویٰ یہ ہے کہ وہ انسان کے معاشی مسئلہ کو حل کرتی ہے اشتراکیت کی نگاہ میں تہذیب انسانی کی اصل کنجی اقتصاد ہے۔ تہذیب و تمدن کی ہر چیز کا انحصار اسی بنیادی حقیقت پر ہے۔ یہ سمجھنا سہل ہے کہ دنیا سنور جاتی ہے۔ یہ بگاڑ کا شکار ہو تو پوری تہذیب بگاڑ میں مبتلا رہتی ہے۔ اوپر کی بحث میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس ایک رشتے اور جہاز کو جس سے جو تہذیب بنتی ہے اس میں کس کس پہلو سے فساد رونما ہوتا ہے اور بالآخر انسان پر کیا گزرتی ہے۔ لیکن اب ہم صرف معاشی بنیاد پر اشتراکیت کا مطالعہ کریں گے اور خود اس کے دیتے ہوئے معیار پر اسے پرکھ کر دیکھیں گے کہ وہ فی الحقیقت انسان کے معاشی مسئلہ کو حل کر دیتی ہے یا کر سکتی ہے؟ اگر ہماری نگاہ میں کسی نظام کو جانچنے کا یہ کوئی صحیح معیار نہیں ہے اور جب تک یہ مسئلہ کو خاص انسانی نقطہ نظر سے اور اس کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے کوئی صحیح نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا لیکن دو وجوہ سے

اس محدود معیار پر اشتراکیت کو بائیں پنا منوروی معلوم ہوتا ہے۔

(i) اشتراکیت کا مرکزی خیال اور بنیادی فکر یہی ہے۔ اس لیے اگر اپنے مفروضہ معیار کے علاوہ ہم خود اس کے دیتے ہوئے معیار پر بھی اس کو بائیں نہیں تو یہ علمی دیانت سے اقرب ہوگا۔ نیز اشتراکیت کے بارے میں کوئی نتیجہ خیز فیصلہ کرنے میں یہ مطالعہ مدد و معاون تو بہر صورت ہوگا۔

(ii) یہ اشتراکیت کی خوش قسمتی اور انسانیت کی بدبختی ہے کہ دور جدید نے جو ذہن پیدا کیا ہے وہ چیزوں کو خالص مادی نتائج سے جانچنے کا مادی ہو گیا ہے۔ اس دور میں غیر محسوس پر محسوس کو ایک فضیلت حاصل رہی ہے۔ عظمت کو ماننے کے لیے گزروں اور انجمنوں دانشوں اور منوں کے پیمانے استعمال کیے جانے لگے ہیں۔ آج علم کی قدر بھی اس کی افادیت اور مسائل کی اہمیت اس کی فہیت (Technology) سے عبارت ہے۔ اخلاق اور روحانی چیزوں کو غیر اہم بلکہ غیر ضروری اور بیکار (Irrelevant) تصور کیا جا رہا ہے اور صرف مادی نتائج پر حسن و قبح کا فیصلہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک عمومی مرض ہے جس میں سرمایہ داری اور اشتراکیت، جمہوریت اور آمریت، امریکہ اور روس سب ہی مبتلا ہیں۔ اس فساد عام میں اشتراکیت کے محدود معیار

۱۳ اکبر آبادی نے اپنے خصوصی انداز میں اس عمومی بیماری کی بڑی صریح نشانہ دہی کی تھی کہ
 نہیں اس کی کوئی پریش کرنا واقعہ کتنی ہے
 یہی سب پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

کو قربانیت کا ایک مقام حاصل ہو گیا ہے اور اچھے خاصے مجدد ارگوں بھی کہتے ہیں کہ اصل مسئلہ تو معاشی مسئلہ ہے۔ ان حالات میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خالص معاشی نقطہ نظر سے بھی اشتراکیت کے دعویٰ کو اچھی طرح چرکا جائے۔ ہم اس حصہ میں مختصراً یہی کوشش کریں گے۔

کیا اشتراکیت کوئی معاشی پروگرام دیتی ہے؟

سب سے پہلا مسئلہ جس پر غور کرنا چاہیے، یہ ہے کہ کیا فی الحقیقت اشتراکیت نے کوئی واضح اور مفصل معاشی پروگرام دیا ہے؟ کچھ لوگ ہمارے اس سوال پر شاید چونک جائیں۔ اشتراک پر وہی گینڈے نے جو عمومی فضا بنا رکھی ہے وہ یہ ہے کہ اگر یا معاشی پروگرام تو صرف اشتراکیت ہی کے پاس ہے باقی سب لوگ اس پہلو سے بھی رہیں ہیں۔ ہر تحریک اور جماعت پر ان کا پہلا اعتراض یہی ہوتا ہے کہ ان کے پاس کوئی معاشی پروگرام نہیں ہے۔ لیکن سب پر وہی گینڈے کی کرامت ہے۔ علم اور تحقیق سے اشتراکیت کے توفیق اپنے مد مقابل سے مشکل ہی سے آنکھیں پار کر سکتے ہیں۔ اور ہم جانتے ہیں کہ بعض پروہی گینڈے کا علم زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رکھا جاسکتا لیکن نے سچ ہی کہا تھا کہ تم سب انسانوں کو کچھ عرصہ کے لیے یا کچھ انسانوں کو ہمیشہ کے لیے بے وقوف بنا سکتے ہو، لیکن سب انسانوں کو ہمیشہ کے لیے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔“

جدوٹ کا پول ایک دن کھل کر رہتا ہے!

نہ اسی مضمون پر مزید غور، حمید خان ء اشتراکیت اور معاشی ترقی ء پیرا غور
 سوشلزم فیبر کراچی، ۱۹۶۶ء

ہم پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اشتراکیت کے بانیوں کی تحریرات سے کوئی واضح اور مثبت معاشی پروگرام پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اشتراک کی منکرین نے ایک غلطہ تو دیا، سماج کا ایک تصور بھی دیا، طبقاتی نزاع کی ایک کیفیت بھی بیان کی، سرمایہ دارانہ کی خامیوں کو تفصیل سے بے نقاب کیا، اور لوگوں میں انقلاب کا ایک دلولہ اور رنگ پیدا کیا، لیکن کوئی مفصل معاشی پروگرام نہیں دیا۔ جن لوگوں نے مارکس، اینجلز اور لینن کا صرف نام سنا ہے وہ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ ان معماران اشتراکیت نے کوئی معاشی پروگرام ضرور دیا ہوگا۔ لیکن جن کی نگاہ ان کی تحریرات پر ہے وہ جانتے ہیں کہ اس پورے انقلابی لٹریچر میں کوئی معاشی پروگرام موجود نہیں۔ بنیادی معاشی مسائل کو مثبت طور پر کس طرح حل کیا جائے گا۔ اس میں کوئی بحث نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ کسی مثبت معاشی پروگرام کو بیان کیا کہ از کم مارکس کی بنیادی رسالت سے مطابقت ہی نہیں رکھتا۔ اس کی توجہ کا اصل مرکز نظام سرمایہ اور سرمایہ پرستی تھی۔ اس نے اس نظام کے بڑے کار آئے اور فنا ہونے کے قوانین بیان کئے ہیں۔ وہ کہتا تھا کہ فطری تاریخی قانون کے نتیجہ میں اس کے بدلنے سے اشتراک نظام رونما ہوگا۔ اصل چیز انقلاب ہے اور اس کے بعد مسائل پیداوار کی قومی ملکیت۔ باقی تمام چیزیں اس کے فطری نتائج کے طور پر اسی طرح رونما ہوں گی جس طرح بیج سے درخت نکل آتا ہے۔ مارکس نے پروگرام مانگنے والوں کا مذاق اڑایا ہے اور کبھی اشتراک کی پروگرام کی تفصیلات کو بیان نہیں کیا۔ اشتراکیت کا سارا لٹریچر سرمایہ داری کا علم (Science of capitalism) ہے۔ اشتراکیت کا شاخ نہیں۔ کیپٹال (Capital) میں جذبی اور ضمنی طور پر اشتراک کی چند خصوصیات کا ذکر آگیا ہے اور وہ بھی سرمایہ داری سے اختلاف کو ظاہر

کہتے ہوئے یا اس کے تضادات پر روشنی ڈالتے ہوئے مارکس کی صرف ایک تحریر ایسی ہے جس میں کچھ علی بائیں آئی ہیں اور وہ ہے گو تھا پروگرام پر تنقید کسی اندجگہ اشتراکی پروگرام کا کوئی نقشہ بیان نہیں کیا گیا۔ اور اس تحریر میں بھی سماجی اشتراکیوں پر تنقید کر کے بنایا گیا ہے کہ جو پروگرام تم پیش کر رہے ہو وہ اشتراکیت کا پروگرام نہیں ہے۔ اشتراکیت کا اصل پروگرام تو انقلاب ہے، اسے برپا کرو، پھر سب کچھ خود بخود جو جانے لگا۔

چند کمزوریوں کے مزاج کے خلاف ہے لیکن کیا کوئی اشتراکی اہل قلم دلیل کے ساتھ اور اصل اشتراکی لٹریچر کے حوالوں کے ساتھ اس دعویٰ کی تردید کر سکتا ہے۔

البتہ جو بات اشتراکیت کے مقابلہ میں کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ اس کا بنیادی نقطہ نظر ہی یہ ہے کہ پورے سماج اور پوری معیشت میں اصل چیز وسائل کی پیداوار کی ملکیت ہے اور چونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں پیداواری قوتوں میں جو فرق واقع ہو گیا ہے وہ اس نظام کے متروک کردہ پیداواری تعلقات سے متصادم ہے۔ اس لیے وسائل کی ملکیت ہی اصل معاشی پروگرام ہے اور یہ باقی تمام امور کو آپ سے

نئے ڈیفنیشنل نظر کے تحت کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ ہر کس کبھی بھی محض معاشیات میں بحیثیت معاشیات دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ دراصل اس کے لیے معاشیات فلسفہ کا عملی پہلو تھی۔ بحوالہ

آپ مل کر دے گا تو ہم اس پر اندرونی تضاد کا الزام نہیں لگائیں گے لیکن معاشیات کا کوئی طالب علم اس ایک نعرہ (Slogan) بکر معاشی پروگرام قرار نہیں دے سکتا ہر معاشی نظام کو ان بنیادی سوالوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور کوئی معاشی پروگرام ان کا جواب دیتے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔

(الف) انسانوں کی احتیاجات کیا ہیں؟ ان کو پورا کرنے کے لیے کن اشیاء و خدمات کی ضرورت ہے؟ احتیاجات اور مطلوبہ اشیاء و خدمات کا تعین کیسے کیا جائے گا اور تعین متداروں میں ان کا اظہار کیسے ہوگا؟

(ب) ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کیا وسائل موجود ہیں؟ ان وسائل کی تنظیم کیسے واقع ہوگی؟ مختلف مدات میں ان کی تقسیم بہترین اور معقول ترین انداز (Rational allocation of resources) میں کیسے واقع ہوگی۔ اس کے لیے کن عاملین کی اور کن لوازمات کی ضرورت ہوگی۔ ان کا یا ہم رابطہ کیسے قائم ہوگا اور تناسب استعمال کی صورت کیا بنے گی؟

(ج) اشیاء و خدمات کی تقسیم (Distribution) کیسے واقع ہوگی۔ افراد اور گروہ اور معاشی اکائیوں کو ان کا حصہ کیسے پہنچے گا؟

(د) معیشت میں انسانی اور مادی وسائل کا مکمل استعمال (Full employment)

کیونکہ واقعہ ہو سکے گا؟ پھر یہ استعمال بہترین (Most efficient) کیسے ہو سکے گا؟ نظام میں لچک اور تغیر پذیری کا حصول کیونکر ہوگا؟

(ه) معاشی وسائل، معاشی سامع اور معاشی فلاح میں کیا تعلق ہوگا؟ معاشی بہتری کا اصل مقصد کیا ہوگا اور پوری معاشی زندگی کی اعلیٰ ترین کارکردگی کو کیسے

حاصل کیا جائے گا؟

۱۰۔ نیز ان تمام دائروں میں کون کون سے معاشی قوانین کارفرما ہوں گے اور کس طرح ان سب کے تقاضے پورے کیے جاسکیں گے؟ اشتراکی معاشیات اس پہلو سے بڑی کمزور رہی ہے کہ اس نے ایک معاشی نظام کے بنیادی مسائل کو اپنے نقطہ نظر کے مطابق ملنی انداز سے بیان نہیں کیا۔ بلکہ قومی ملکیت کو مکمل سمجھ سمجھ کی ایک چیز قرار دیا جس کے رد و کار کرنے کے بعد سارے بندہ دہانے آپ سے آپ کھل جائیں گے۔ خود یہ بات کہ وسائل کو قومی ملکیت میں کس طرح لایا جائے گا؟ کس ترتیب سے لایا جائے گا؟ متبادل انتظام کیا ہوگا؟ قیمتوں کا تعین کس طرح کیا جائے گا؟ طلب و رسد کی کیفیت کیا ہوگی؟ کارکردگی کو جانچنے کا معیار کیا ہوگا؟ مرکزیت اور لامرکزیت (Decentralisation) کے بارے میں کیا رویہ ہوگا؟ کارکردگی کے لیے کون سے محرکات استعمال ہوں گے اور کس حد تک؟ نظام میں لچک کیسے پیدا کی جائے؟ نتائج کو جانچنے اور پیداواری طریقوں کو تبدیل کرنے کا راستہ کیا ہوگا؟ یہ تمام سوالات وہ ہیں جن سے

اے پروفیسر ہارلڈ نام لکھتا ہے: معاشی مارکسزم سرمایہ داری پر ایک تنقید ہے اور اس کے پاس اجتماعی معیشت (Collectivist economy) کی ہیئت اور اس کے نظام کا نیز اس کے کارفرما اصولوں کے بارے میں کچھ کے لیے عملہ کچھ میں نہیں ہے۔

• Halm, George N., *Economic System : A Comparative Analysis*.

کلاسیک اشتراکیت نے کوئی بحث نہیں کی۔ بلکہ ان کے شعور کو بھی انقلابی دلولہ کے غلات سمجھا گیا۔ ان مسائل پر باقاعدہ غور و فکر اس وقت شروع ہوا جب مخالفین نے اشتراکی ماہرین معاشیات کو آٹسے ہاتھوں لیا اور بنیادی معاشی سوالات کے بارے میں ان کو چیلنج کیا۔ پہلی جنگ کے فوراً بعد جرمن ماہر معاشیات لڈوگ فون مائزنیر (Ludwig Von Mises) نے یہ اعتراض کیا کہ اشتراکی نظام میں کس معاشی بنیاد پر قیمتوں کا تعین ممکن نہیں ہے۔ آزاد بازار اور طلب و رسد کی قوتوں کو قومی ملکیت کے ذریعہ ختم کر دینے کے بعد وسائل کی صحیح تقسیم کے لیے کئی اصول باقی نہیں رہے گا۔ اشتراکیت کے معاشی نظریہ کا ارتقاء اس اعتراض کے بعد ہوا ہے اور سوشلسٹ ماہرین معاشیات نے معاشی حساب کاری (Economic calculation) کے بارے میں مختلف تصورات پیش کئے۔ یہاں ہمارے پیش نظر ان نظریات سے بحث نہیں ہے۔ بلکہ ہم صرف اس حقیقت پر توجہ مرکوز کرنا چاہتے

ہے جو حضرات اس بحث میں دلچسپی رکھتے ہوں وہ مندرجہ ذیل کتب سے رجوع کریں:

- Mises, Ludwig Von, "Socialism", Translated by J. Kahane, Johanthan Cade, 1951 (First Edition : 1936).
 Hyek, F. A. Von (Ed.), "Collectivist Economic Planning", George Routledge and Sons, London, 1947 (First Edition : 1935).

ہیں کر دوسے تجربے کے غاصے آگے بڑھ جانے تک اشتراکیت کے پاس کوئی

(۴)

Lange, Oskar and Taylor, Fred M., "*On the Economic Theory of Socialism*", University of Minnesota Press, 1938.

Dickinson, H.D., "*Economics of Socialism*", Oxford University Press, London, 1939."

Hall, R. L., "*The Economic System In a Socialist State*", Macmillan and Co., London 1937.

Hoff, T. J. B., "*Economic Calculations in the Socialist Society*", William Hodge and Co., London, 1949.

Sweezy, Paul M., "*Socialism*", op. cit.

Nikitin, P., "*Fundamentals of Political Economy*" Progress Publishers, Moscow, 1966.

معاشی نظریہ اور واضح پروگرام نہ تھا اور اس کا اعتراف علی اور عمل دونوں
 سلی پر کیا گیا ہے۔ علی سلی پر مشہور سوشلسٹ مفکر اسکا رائج نے اشتراکیت
 میں قدما ندامی کے مسئلہ کا حل تجویز کرتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ
 "سوشلسٹ بوجہ پروفیسر ماتینز کے بے حد شکر گزار ہیں۔۔۔ اس
 لیے کہ یہ ان کا پیش کردہ مفید جیلنج تھا جس نے انہیں مجبور کیا کہ اشتراکی
 معیشت میں وسائل کی تقسیم کاری کے لیے معاشی حساب کاری کے
 مناسب نظام کے مسئلہ کی اہمیت کو محسوس کریں۔"
 لائگے مزید تجویز کرتا ہے کہ:

پروفیسر موصوف کی خدمات کے اعتراف کے طوع پر اور خود اصل
 مسئلہ یعنی معاشی حساب کاری، کی بنیادی اہمیت کو تسلیم کرنے کے
 لیے پروفیسر ماتینز کا ایک مجسم سوشلسٹ ریاست کے مرکزی منصوبہ بندی
 کے ادارہ یا وزارت اجتماعیت کے بڑے ہال میں ایک محترم مقام پر
 آویزاں ہونا چاہیے۔^{۸۳}

اور مشہور کسی اہلی علم اور لائشر (Otto Leichter) نے ۱۹۴۳ء میں
 کہا تھا کہ:

"یہ اعزاز میکس ویبر اور لٹوگ ماتینز کو جاتا ہے کہ انہوں نے

83. Lange, *On the Economic Theory of Socialism*, op.
 cit., pp. 57-58.*

اتنی قوت کے ساتھ سوشلسٹوں کی قوت پر اس مسئلہ کی طرف مبذول کرائی۔
خواہ اس تنقید سے ان کا غٹا ریہ نہ ہو کہ وہ سوشلسٹ نظریہ اور عمل کے
ثبوت اور تعارف کا باعث ہوں گے۔ لیکن پھر بھی عزت و احترام اور اعزاز
اس کے مستحق نہ رہتے۔

روس میں اشتراکی تحریک کا آغاز جس اتحادی کے ساتھ کیا گیا وہ مارکس اور اینجلز
و خصوصیت سے ثانی الذکر کا یہ احساس تھا کہ قومی ملکیت کے بعد ساری پودشا
معاشیات آپ سے آپ ختم ہو جائے گی۔ قدر بندی (Valuation) کی کوئی
ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اینجلز کا استدلال یہ تھا کہ
قدر کے جس تصور سے معاشیات آشنا ہے وہ اشیاء کی قدر ہے۔

اشیا کیا ہیں؟ مصنوعات جو ایک ایسے معاشرے میں پیدا ہوں جس میں
انفرادی پیدا کار ہوں اور جو تبادلہ کے ذریعہ اجتماعی استعمال میں آتی
ہیں۔ لیکن جس لمحو وسائل پیداوار کی ملکیت سوسائٹی کی طرف منتقل ہو جاتی
ہے اس لمحو تعلقات کی نوعیت میں بنیادی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اب
اجتماعی محنت کو ذریعہ کے پیمانوں سے نہیں ناپا جاتا بلکہ اس کی پیمائش
کا نظریہ، تحقیقی اور مناسب اور مطلق پیمانہ وقت و پیداوار میں صرف
ہونے والا وقت، ہوتا ہے۔ اب لوگ اپنے معاملات کو مشہور زمانہ

84. Quoted. Hoff, T. J. B. *Economic Calculation in the
Socialist Society*, op. cit., p. 3.

تصور تدریجی مداخلت کے بغیر بڑی آسانی سے منظم کر لیں گے۔

روس کے ماہر معاشیات پلخانوف (Plekhanov) نے اسی بنیاد پر پورے علم معیشت کے دم توڑ دینے کی خبر سنائی۔ اشتراکی انقلابی کونسل کے دماغ پر خاکدانہ (Bukharin) نے اپنی کتاب Economics of the

transitional period میں جو سنہ ۱۹۲۰ء میں آئی یہاں تک کہہ دیا کہ:

”معاشیات ایک غیر منظم قومی معیشت کے علم کا نام ہے۔ صرف

ایک ایسے معاشرے میں جس میں پیداوار کا نظام بڑے پیمانے پر سماجی زندگی کے قوانین طوری، اور آزاد افراد آپس سے آپ دوسرا ہونے والے قوانین محسوس ہوتے ہیں۔ ایسے قوانین جو افراد اور گروہوں کی مرضی سے آزاد ہوں اور اس طرح ضرورت کی پیداوار ہوں، جیسے قوانین ثقل۔ حقیقت یہ ہے کہ جو بھی ہم ایک منظم قومی معیشت کا مطالعہ کرتے ہیں تو علم معاشیات کے تمام بنیادی مسائل مثلاً قیمت، قدر، نفع وغیرہ پاہر ہوا ہو جاتے ہیں۔ اب انسانوں کے درمیان تعلقات کے اظہار کی یہ صورت نہیں ہوئی کہ وہ اشیاء کے درمیان تعلقات ہیں۔ اس لیے کہ یہاں معیشت کی مضابطہ بندی منظمی اور سبقت کی اندرونی قوتوں کے باوجود نہیں ہو رہی ہے، بلکہ شعوری طور پر ایک منصوبہ کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ سرمایہ دارانہ اشیاء کا خاتمہ دراصل اس حقیقت کا مظہر ہے کہ

معاشیات کا خاتمہ ہو گیا۔ ^{۱۹۳۱} ہشت اع

گو مینن نے نئی معاشی پالیسی کے آغاز کے وقت معاشیات کے متغ حقائق کو ملحوظ کر لیا تھا اور اس نے اس امر کا اعتراف بھی کیا تھا کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک عرصہ تک سوشلسٹ حساب کاری اور کنٹرول سے گزرے بغیر اشتراکیت کے ادنیٰ ترین مسئلہ تک بھی پہنچا جا سکے گا۔ ^{۱۹۳۲} لیکن اسٹالن نے پھر معاشیات کے خاتمہ کی بات کرنا شروع کی۔ ایک مشہور مضمون میں ^{۱۹۳۳} میں اس بات کا اعادہ کیا گیا جو مصنف کے نام کے بغیر Pod Znamenem Marksizma میں شائع ہوا تھا اور جس کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ اسٹالن ہی کا لکھا ہوا تھا۔ اس پورے دور میں معاشی تجزیہ، معاشی مسائل کا فنی اور علمی مطالعہ اور حقیقی مشکلات کے احساس کا فقدان پایا جاتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ^{۱۹۲۵} سے ^{۱۹۳۵} تک معاشیات کی کوئی نصابی کتاب تک روس میں شائع نہ ہوئی۔ محض قومی ملکیت، اجتماعی کھیت اور منصوبہ بندی کے راگے الپے جاتے رہے۔ معاشی پروگرام اور معاشی تجزیہ تو بعد کی چیزیں ہیں، ابتدائی امور کا بھی کوئی شعور اس زمانے میں نظر نہیں آتا۔ اشتراکی معاشیات

85-A. *Ekonomike Perekhodnys periode*, Moscow 1920.

Translation quoted by Alan Kaniman, "The Origin of the Political Economy of Socialism".

Soviet Survey, January 1953, pp. 273.

85-B. Quoted, Halm, *Economic Systems*, op. cit., p. 161.

پر جو بھی کام ہو رہا تھا وہ سرمایہ دارانہ سماج کے سوشلسٹ کر رہے تھے۔ دس
میں جو باتیں ہو رہی تھیں، وہ یہ تھیں کہ اس کے گمشدہ مسئلہ باقی ہیں نہیں رہا۔ اسٹالین
کی موت کے بعد اس خوش فہمی کو ختم کرنے کی کوشش ہوئی۔ اسٹیٹ ٹیوٹ آف
ایکونومکس کے ڈائریکٹر وی ڈایاخنکو (V. Dyachenko) نے ۱۹۵۵ء
میں لکھا کہ ہم صرف اقتباسات سے کھینچتے رہے ہیں اور ان پر حاشیہ چڑھانے
کے مرض میں مبتلا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ

”معاشریات کے کلیدی مسائل کی تشریح و توضیح کے میدان میں
بہت پسماندہ ہیں۔ برسوں سے اس میدان میں کوئی ایک بھی مضمون
علمی کتاب پیش نہیں کی گئی ہے۔“
موصوف نے یہاں تک لکھا ہے کہ

”۱۹۵۱ء کے معاشی مباحث کے بعد سے اس پر فیشن ہو گیا
ہے کہ ہر تحریر میں یہ کہہ دیا جائے کہ سوشلزم کے معاشی قوانین اپنا
معروضی وجود رکھتے ہیں لیکن کوئی ایک بھی تحریر ایسی نہیں ہے جس
میں اس سے بحث کی گئی ہو کہ اس یا اُس قانون کے معروضی وجود
کا اظہار کس شکل میں ہوتا ہے، اس کے لوازمات کیسے پورے
ہوتے ہیں اور ان لوازمات کی خلاف ورزیوں اور ان سے انحرافات
کی تشخیص کیسے کی جاسکتی ہے۔“ ۱۹۵۱ء

85-C. Vop, Ekon., No. 10/1955 pp. 3-4, vide Alec Noy
The Soviet Economy, Allen and Unwin, London,
1961, p. 271-2.

یہ ہے اشتراکی معاشیات کی حالت اور یہ سنا ۱۹۵۵ء تک اشتراکی دنیا میں معاشی فکر کا انقلاب۔

یہ سب ناقابل انکار حقائق ہیں لیکن عام اشتراکی ان سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اشتراکیت کے پاس کوئی مثبت معاشی نظریہ اور پروگرام موجود ہے۔ لیکن اشتراکی لٹریچر ایسی ہر چیز سے پاک ہے اور اس پر ایک واضح پروگرام پیش کرنے کی تہمت تک نہیں لگائی جاسکتی!

کیا اشتراکیت کی عملی مثال کوئی نمونہ بن سکتی ہے

یہ تو سنا نظری پہلو۔ آئیے اب اشتراکیت کی عملی مثال کے تجزیہ سے اس کی معاشی حکمت عملی کا سراخ لگانے کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں پہلی بات جبرئیل نے رہنمائی پائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام اشتراکی ممالک معاشی اعتبار سے ایک سطح پر نہیں بنے۔ اور نہ ہی سب اشتراکیت کی طوط اپنے سفر کا آغاز ایک ہی مقام سے کیا۔ اس لیے ان کے اختیار کردہ راستوں میں فرق بالکل فطری چیز ہے۔ تاریخی نے مارکس کے اس دعوے کی تردید کر دی ہے کہ اشتراکیت سرمایہ داری کی پختہ سال کے بعد رونما ہوگی اور یہ اس کی تکمیل کے بعد کا لازمی مرحلہ ہے۔ جن ممالک میں سرمایہ داری اپنی پختگی پہنچی، وہاں اشتراکیت قدم نہ جما سکی اور جہاں وہ ابھی اپنے اولیں ادوار میں تھی وہاں وہ کامیاب نہ ہو گئی۔ لیکن اس پہلو سے بھی اشتراکیت کی طوط آنے کے وقت روس جس مقام پر تھا وہیں اپنے انقلاب کے وقت اس مقام سے بہت پیچھے تھا۔ اسی طرح مشرقی یورپ میں پولینڈ، ڈیکوسلاوکیہ، مشرقی جرمنی اور یوگوسلاویہ صنعتی اعتبار سے آپس میں بھی مختلف تھے اور رومانیہ، البانیہ اور بلغاریہ سے تو بہت

ہی گئے تھے۔ اس لیے ان تمام ملک کی معاشی حکمت عملی میں بنیادی حقائق کے اختلاف کی وجہ سے مکمل کیسائی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

دوس میں اشتراکیت کو پھیلنے پھوٹنے کا سب سے زیادہ مروجہ طلبہ اور اب اس نے اپنے پہلے پچاس سال پر سے کر لیے ہیں۔ لیکن وہاں بھی معاشی حکمت عملی میں بنیادی تغیرات آتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کسے اصل اشتراکی پروگرام کہا جاسکتا ہے مثلاً

پہلے تین سال اشتراکیت کی طرف چھلانگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ تمام صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ زمینوں کو بڑے زمینداروں سے چھین لیا گیا اور کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کی شمولیت میں دے دیا گیا، بیرونی سرمایہ اور ماہرین کو بے دخل کر دیا گیا۔ صنعت کار کنٹرول عملاً مزدوروں کی طرف منتقل کرنے کی کوشش ہوئی۔ زندگی ختم کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔ لیکن جلد ہی اس پالیسی کو ترک کر دیا گیا۔

دوسرے دور میں اصل توجہ پیداوار کو بڑھانے پر صرف کی گئی۔ اس کے لیے نئی سرمایہ اور نئی کاروبار کو جزوی طور پر بحال کیا گیا منصوبہ بندی کی پیش تو قائم ہوا لیکن باقاعدہ منصوبہ بندی کا کوئی بیج قائم نہ ہو سکا۔ بلکاری، مزدور اتحاد کو دوبارہ شروع کر دیا گیا۔ بیرونی سرمایہ اور ماہرین کو واپس بلا لیا گیا۔ مالی اور معاشی محرکات کو استعمال کیا جانے لگے یہ پالیسی ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۴ء تک جاری رہی۔ اپنی اصل کے اعتبار سے یہ اشتراکیت سے مراجعت کی پالیسی تھی لیکن اس کا مصنف خود لینن تھا اور اسٹالن نے بھی اپنے اقتدار کے پہلے چار سال اس پر عمل کیا۔ اور بعد کے اعداد میں بھی اس کے کچھ پہلو باقی رکھے گئے اور آج تک موجود ہیں۔

۱۹۳۸ء سے منصوبہ بندی اور قومی ملکیت کا وعدہ شروع ہوا۔

اس زمانے میں اشتراکیت کے بنیادی اصول و مسائل پیداوار کی قومی ملکیت پر عمل ہوا اور ایک ملک میں اشتراکیت کی تعمیر کی کوشش ہوئی، لیکن نئی معاشی پالیسی کے قائم کئے ہوئے چند اصولوں میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ مثلاً مزدور بنگاری، اعتبار اور سود، عدم مساوات، معاشی محرکات کا استعمال وغیرہ۔ البتہ اس دور میں مرکزیت میں اضافہ کرنے کی ہر ممکن کوشش ہوئی اور ملدار جہاں مضبوط مرکز کے قیام اور ایک مرکزی مقام سے پوری معیشت کے انتظام و انصرام کا تھا۔ لیکن تیس سال کے تجربے کے بعد اب اس مرکزیت کو کم کیا جا رہا ہے اور لامرکزیت (Decentralization) کی روش زور پکڑ رہی ہے۔

روس نے بھاری صنعت کی ترقی، زمین کی اجتماعی اور مشینی کاشت اور فوجی قوت کی تعمیر کو اصل اہمیت دی۔ چینی نے ایک مدت تک اسی طریقہ کو اختیار کیا لیکن پھر اس سے ہٹ کر معیشت کو ذراعت کی اولیت کی بنیاد پر منظم کرنے کا تجربہ

۱۔ پروفیسر بال سورجی سیانکڑا لکھی ہیں اس کا مترجم کتاب ہے کہ روس کی مثال کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سوشلزم میں وسائل پیداوار کی ملکیت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں یعنی محض قومی ملکیت نہیں، اور دوسرے یہ کہ وسائل کی نجی ملکیت کی شکل میں اس کے استعمال کی حد بندی کی جاسکتی ہے۔ ملکیت کو ختم کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس چیز کو موصوف نے روسی اشتراکیت کی خصوصیات کے طور پر پیش کیا ہے۔ علامہ سوشلزم۔ از سوزی صفحہ ۲۳

شروع کرو یا جو رسات، آٹھ سال کی کوشش کے باوجود ابھی نہ کوئی واضح شکل اختیار کر سکا ہے اور نہ ہی کوئی مفید نتائج نکال سکا ہے۔ مشرقی یورپ کے اشتراکی ممالک بھی روس کی مثال پر عمل ذکر کئے اور انہوں نے اولین تجربات کی ناکامی کے بعد اپنے اپنے حالات کے مطابق معاشی حکمت عملی میں بنیادی تغیرات کیے ہیں۔ یوگوسلاویہ نے تو بڑے پیمانے پر امریکی امداد تک حاصل کی ہے۔ پولینڈ نے منڈی کے نظام کو ذمہ داری برقرار رکھا ہے بلکہ اسے اشتراکی معیشت کا ایک جزو قرار دیا ہے۔ تقریباً سب ہی ممالک نے زراعت کی اجتماعی کاشت کا ایک محدود پیمانے پر تجربہ کر کے اس مسئلہ کو زیادہ آگے نہیں بڑھایا ہے۔ نتیجتاً ان کے یہاں خاص اشتراکی معیشت کی جگہ مخلوط معیشت (Mixed economy) قائم ہے البتہ ان میں سرخ رنگ کی جب تک غیر اشتراکی مخلوط معیشتوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہے۔

اگر یورپ کے ان ممالک کی مثال کو دیکھا جائے جن میں کچھ عرصہ کے لیے یا خاصے لمحے عرصے کے لیے جمہوری سوشلسٹ برسرِ اقتدار رہے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ان ممالک میں مثلاً سویڈن ناروے، اور کچھ مدت کے لیے جرمنی اور انگلستان بنیادی معاشی نظام (Economic structure) کو بدلنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔ انہوں نے سرمایہ داری کے نظام ہی کو بنیاد مان لیا اور اس میں کچھ اصلاحات کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح ذریعہ کوئی انقلابی پروگرام پیش کرنے کے انداز میں عمل کر سکے۔

۱۳۵۔ دولت، ایک بین الاقوامی مبصر اور ستارچی نمائندہ رقم طراز ہے:

”برطانیہ میں پانچویں بربر حکومت جو ۱۹۴۰ء میں برسرِ اقتدار آئی اپنے پیش روؤں“

اشتراک کی برابری کی معاشی حکمت عملی میں انسانی تفریق اور اختلاف پایا جاتا ہے کہ کسی ایک چیز کو متعین طور پر اشتراکیت کا واضح، مثبت اور مفصل معاشی پروگرام نہیں کہا جاسکتا۔

اس عقائد کی روشنی میں اشتراکیت کی عملی مثال بھی ہماری زیادہ رہنمائی نہیں کرتی۔ ایک کی چیز کو دوسرا ماننے کو تیار نہیں ہے۔ پروگسلاویہ کو پوری اشتراکیت برادری نے بہت پسند کی کے الزام میں نکال باہر کیا تھا۔ پولینڈ پر سخت تنقید کی گئی تھی، اب یہی البانیہ اور رومانیہ کا روس پر اعتراض ہے کہ وہ ایک سرمایہ دارانہ ملک بنا جا رہا ہے اور اس کی معیشت اور سیاست کو اصل اشتراکیت سے کوئی علاقہ باقی نہیں ہے! آخر وہ کونسی چیز ہے جسے اشتراکیت اپنا مثبت معاشی پروگرام کہہ سکتے ہیں؟

(۴) ہی کی پالیسی پر عمل کا ارادہ رکھتی ہے۔ یعنی یہ سرمایہ دارانہ معاشی نظام کو باقی رکھا جائے البتہ اس میں اشتراکیت کی آمیزش کر کے اور مچھلا دیا جائے۔

Hevesy, Paul de, *The Unification of the World : Proposals of a Diplomatist*, Pergamon Press, Oxford, 1966, p. 60.

روس کی معاشی ترقی

اشتراکی نقطہ نظر:

روس کی معاشی ترقی ایک ایسی چیز ہے جسے اشتراکیت کے حامی اپنے حق میں پیش کرتے ہیں۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس کا بھی مختصراً جائزہ لے کر دیکھیں کہ اس سلسلہ میں اصل حقائق کیا ہیں؟ اشتراکیت کی کامیابیوں اور اس کے شاعرانہ معاشی دیکھارے کے بارے میں اشتراکیت کے بہترین وکیل جو باتیں پیش کرتے ہیں۔ وہ مختصراً یہ ہیں:

نہ ہم یہ نکات اشتراکیت کے ایک بہترین وکیل پروفیسر پال سوزنی کی کتاب سے پیش کردہ ہیں اور اس سلسلہ میں جو کچھ دعویٰ موصوت لے کیا ہے ہم اسے بالکل دہکات اپنے قارئین کے سامنے رکھ رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو سوزنی ٹوشلزنٹم، صفحہ ۲ تا ۴۴۔ تمام روسی مڑیکر اور مغربی ممالک سے شائع ہونے والا اشتراکی لٹریچر انہی نکات کی شرح ہوتا ہے، بنیادی طور پر وہ ان میں کوئی اضافہ نہیں کرتا۔ اشتراکی نقطہ نظر اور اس کے تنقیدی جائزہ کے تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو:

۱۱۔ روسی اشتراکیت نے دوسری عالمی جنگ میں جرمنی کو شکست دی اور اس وقت اس کا مقابلہ کیا جب بیشتر یورپ جرمنی کے قبضہ میں تھا۔ اس فتح نے یہ ثابت کر دیا کہ سوشلزم فی الحقیقت کامیابی سے پہل رہا ہے اور یہ واقعہ تاریخ میں اتنا ہی اہم ہے جتنا انقلاب روس۔

(۲۰)

Baykov, Alexander, *The Development of the Soviet Economic System*, Cambridge University Press, London, 1946; Webb, Sidney and Beatrice, *Soviet Communism: A New Civilization*, op. cit., Dobb, Maurice, *Soviet Economic Development Since 1917*, Routledge and Kegan Paul, London, 1951; ^{Also} *The Soviet Economy*, Allen and Unwin, London, 1965; Shaffer, Harry G (ed.), *The Soviet Economy*, Methuen and Co., London, 1964; Schwartz, Harry, *Russia's Soviet Economy*, Prentice-Hall, 1953; Bergeon, Abraham (ed.), *Soviet Economic Growth*, Row, Peterson and Co., 1953; Zebot, *The Economics of Competitive Co-Existence*, op. cit.

تہ سوشلزمی سفر ۲۹

(۱۵) اشتراکیت کے بحیثیت ایک نظریہ کامیابی کا ثبوت ایک طرف صنعت کی ترقی اور دوسری طرف ذراعت کی اجتماعی کاشت ہے۔ "۱۹۱۶ء کے انقلاب نے پرانی حکمران قوتوں کا استیصال کیا اور دوسرے انقلاب (اجتماعیت گری) نے اس عمل کی تکمیل کر دی۔ مزدوروں کی تعداد دو گنی سے زیادہ ہو چکی ہے۔ کسان ایک اجتماعی خدام میں جڑ چکا ہے اور طبکار اور فوج کی تعداد ۱۹۳۷ء تک دو گنی ہو گئی تھی۔ یہ سماجی تبدیلی ہے جو واقع ہو رہی ہے۔

(۱۶) معاشی ترقی کی رفتار غیر معمولی طور پر زیادہ رہی ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں اس تیز رفتاری سے ترقی واقع نہیں ہوئی۔ بے کوہ کے فراہم کردہ اعداد و شمار کی روشنی میں انجینئرنگ کی صنعت کا اشاریہ ۱۹۳۳ء کے مقابلہ میں ۱۹۳۷ء میں ۲۰۳۲۵ تھا۔ سوکوں کا ۳۳۲۷، بجلی کی قوت کا ۳۸۸، کوئلہ کا ۱۵۰۰،

تیل کا ۳۵۰، لوہے کا ۳۳۸، سوتلی پٹے کا ۱۵۰ اور گرم کپڑے کا ۱۳۰۔ روٹی کی پیداوار کا اشاریہ ۳۹۶، غلہ کا ۱۱۶ اور شکر کا ۱۹۸ تھا۔ اگر روس کے سرکاری اعداد و شمار لیے جائیں تو ۱۹۲۲ء اور ۱۹۳۳ء کے درمیان خدینوں اور اوزاروں کی پیداوار میں ۹۹ گنا، بجلی کی قوت میں ۲۲ گنا، سینٹ میں ۳۳ گنا، تلوہ میں ۹ گنا، چٹوڑل میں ۱۸ گنا، کوئلہ میں ۵ گنا اور مال برادری میں ۹ گنا اضافہ ہوا ہے۔

لے سوئس صفحہ ۳۱-۳۰ بے کوہ صفحہ ۳۰ و ۳۲

90. Vide · Ozenfeldt, Alfred and Holubuychy

(۴)

مجموعی رفتار ترقی کے بارے میں روسی حکومت کا دعویٰ ہے کہ ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۶ء میں قومی آمدنی میں ۳۰۰۹۵ گنا اضافہ ہوا جس کے معنی یہ ہیں کہ ساکھانہ رفتار ممتاز ۱۶ ویں صدی کا رہا۔

یہ تمام اعداد و شمار متحیر کن ہیں۔ اور ان کو سن کر آدمی اس رفتار ترقی سے مرعوب ہو جاتا ہے۔

(iv) صرف معاشی ترقی ہی واقع نہیں ہوتی ہے بلکہ تعلیم و ثقافت کے میدان میں بھی غیر معمولی ترقی رونما ہوئی ہے۔ انقلاب کے وقت خواندگی کا معیار ۲۰ فی صدی دیکھ دوسرے اندازوں کے مطابق ۳۰ فی صدی تھا۔ لیکن ۱۹۳۹ء تک خواندگی کا معیار ۹۰ فی صدی ہو گیا۔ اشوک پارٹی کی اشارویں کانگریس (۱۹۳۹ء) میں پیش کی ہوئی رپورٹ سے ایک صوبہ میں تعلیمی تبدیلی کی یہ کیفیت سامنے آتی ہے۔^{۹۱}

(د)

Vesevold, *Economic Systems in Action*, Holt, Riehart and Winston, New York, 196۹, pp. 150-152.

وامنچ رہے کہ محنتیں روس کے علاج اور سوشلزم کے مبلغ ہیں اور انہوں نے سماں و ماحول روسی مافقت سے دیا ہے۔ ہم عام کار تہیں کے لیے روسی زبان کی اجنبیت کی خاطر وہ حوالے نہیں دے رہے ہیں۔

91. *The Lard of Socialism Today and Tomorrow*
Moscow, 1939, p. 150.

۱۹۳۶ء	۱۹۱۳ء	
۲۴۰۰۰۰	۳۰۰۰	اقتصادی اور ثانوی اسکول
۹۴۱	۲۷۴	ماہرین طبیات
۲۳۵۷	۹۳۴	طبی امداد دینے والے افراد
۲۴۷۹	۷۰	نرسی ماہرین
۸۵۹	۳۱۸۹	غریبی رہنما

ثقافتی اور سماجی میدانوں میں مزید اصلاحات کی گئی ہیں۔ صحت کا معیار بلند ہے، تحریک اور سنجامیں امتلاذ ہوا ہے۔ اور ادنیٰ سرگرمیاں بڑھی ہیں۔ اس طرح سماجی فلاح قائم کیا گیا ہے۔ اور اسے اشتراکیت اپنی ایک بہت بڑی کامیابی قرار دیتی ہے۔

(۷) ایک اور نہایت اہم دعویٰ یہ ہے کہ روس میں بے روزگاری کا خاتمہ کر دیا گیا ہے اب وہاں محنت کی کمی ہے، زیادتی نہیں۔ ہر شخص بے سرکار ہے۔ ۱۹۳۳ء تک بے روزگاروں کے امداد و شمار شائع ہوتے تھے اور ان کی تعداد اوسطاً ۱۰ لاکھ سالانہ تھی۔ لیکن اس کے بعد یہ سلسلہ بند کر دیا گیا اور بے روزگاری کے خاتمہ کا سرکاری اعلان ہو گیا۔

یہ ہیں روسی اشتراکیت کی کل فتوحات۔ اب ہم ان کا تنقیدی جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔

کچھ روسی امداد و شمار کے بارے میں

مجھے پہلا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ روسی شماریات (Statistics) کہاں

نہایت قابل اعتماد ہیں۔ دنیا کے دوسرے ممالک کے بارے میں جو بھی معلومات درکار ہوں وہ ایک نہیں مختلف ذرائع سے مل جاتی ہیں اور ایک ذریعہ سے حاصل کی جوتی معلومات میں جو مستقیم ہو، وہ دوسرے ذرائع سے حاصل کردہ معلومات سے دور کیا جاسکتا ہے۔ بہت سے آزاد ادارے اعداد و شمار جمع کرتے ہیں، دوسروں کی فراہم کردہ شماریات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں اور ایک طالب علم کے لیے یہ ممکن ہے کہ ان تمام معلومات کو سامنے رکھ کر حقیقت حال کو سمجھ لے۔ روس کے نظام کی سب سے بنیادی کمزوری یہ ہے کہ اس میں شماریات کا کوئی آزاد ادارہ نہیں ہے۔ صرف حکومت ہی اعداد و شمار شائع کرتی ہے۔ عام آدمیوں یا اداروں کے لیے یہ چیز قانوناً مجرم ہے کہ اعداد و شمار یا معلومات دوسروں کو دیں۔ خود حکومت جو آزاد ادارہ شمار یاری کرتی ہے وہ فنی اعتبار سے بہت نامکمل اور ناکافی ہیں۔ جو اعداد و شمار

مکمل ایک نقاد کہتا ہے کہ روس میں قیمتوں، مزدور کی نفس، سکونت، معیار زندگی اور متعدد دوسرے اہم امور کے بارے میں کوئی اعداد و شمار جاری ہی نہیں کیے جاتے حالانکہ یہ تمام معلومات کسی بھی معاشی نظام کی کارکردگی کا جائزہ لینے کیلئے ناگزیر ہیں۔

Hubbard, Leonard E., *Soviet Trade and*

Distribution, p. 368.

اسٹیفن گنگ ہال (Stephen King-Hall) راوی ہے کہ اہم اشیاء کی پیداوار کے اعداد و شمار، بجز اشاریہ اللہ Percentages کے نہیں کیے جاتے۔ ۱۹۳۹ء کے بعد سے اشیاء صرف کے استعمال کی شماریات نہیں (۴)

جاری کیے جاتے ہیں وہ پورے طور پر قابل اعتماد نہیں۔ ان میں اسٹنڈرڈ چھوڑ دیئے جاتے ہیں کہ ملی جرج و تعدیل مشکل ہو جاتی ہے۔ پوری معلومات دینے کی بجائے صرف اسطیں دے دی جاتی ہیں۔ مثلاً اُجرت (Wages) میں اُجرت دی جاتی ہے اور خرچ کی حدود کو بیان نہیں کیا جاتا۔ قومی آمدنی کے لیے جو بنیادی سال اختیار کیا گیا ہے وہ فنی اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ مختلف اشیاء کی قیمتوں کو جو اوزان اور ترجیحات (Weights) دیئے گئے ہیں انہوں نے تمام نتائج کو بڑا غلط رنگ دے دیا ہے۔ پھر دس میں حکومت اور اشتراکی پارٹی دونوں کی یہ اعلانیہ پالیسی یہی ہے کہ اعداد و شمار کو فکریاتی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مسئلہ میں کمیونٹ پارٹی نے جب اس وقت کے اعداد و شمار کے ہیرو لیو میں تطبیق کی ہے تو اس کا ربط اعلان کیا تھا کہ اعداد و شمار اشتراکیت کے لیے جنگ میں ایک ہتھیار کی حیثیت رکھتے ہیں اس کے بعد ان کے جانب دارانہ ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

جین اہل علم نے اشتراکی اعداد و شمار کا علمی تجزیہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان میں دو راستوں سے خرابی آئی ہے۔

والف، مبالغہ، غلط بیانی، تضاد اور ناموافقت، جو کبھی بددیانتی کا نتیجہ ہوتا ہے

(۴) دی گئی چیز۔ آبادی کی شماریات منظور ہیں۔ بیماریوں کے بارے میں کوئی معلومات نہیں دی جاتی اور مین الاقوامی Drug Control کے اوصاف کو بھی کوئی سلوٹا نہیں دی جاتی، ملاحظہ ہو The Communist Conspiracy مطبوعہ لندن

۱۹۵۳ء، صفحہ ۱۴۶-۱۴۷

اور کبھی اشتراکیت کو بہتر نظام ثابت کرنے کے لیے۔

(ب) شماراتی طریق کار کی کمزوریاں اور نقصان۔ جہاں جان بوجھ کر یہ کام نہیں کیا گیا وہاں بھی غلط طریقوں کی وجہ سے نتائج گمراہ کن ہو جاتے ہیں۔ دونوں نوعیت کی غرابیلوں کی بے شمار مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ لیکن ان کے بارے میں پھر عرض کرنے سے پہلے ہم مزدوری سمجھتے ہیں کہ حکومت کے ایک فرمان (Decree) کا ذکر کریں جو ۱۹۴۷ء کو نافذ کیا گیا اور جو اپنی نوعیت کی منفرد چیز ہے۔ اس کا عنوان ہے،

”سرکاری راز انشاء کرنے اور ان دستاویزات کو جن میں سرکاری راز ہوں گم کرنے کی ذمہ داری کے بارے میں“۔

اس قانون کی رو سے مندرجہ ذیل رازوں کو انشاء کرنے کی سزا ۱۲ سال تک قید ہے۔

- مختلف بحیثیت مجرمی اور اس کی مختلف شاخیں۔
- تجارت اور وسائل رمل و مسائل۔
- مالی محفوظات کی حالت۔
- موجودہ الوقت میزانیہ ادائیگی اور دوس کے مالی معاملات کے منصوبے۔
- سرکاری محفوظات، کرنسی اور مبادلہ خارجہ کے رکھنے کا طریقہ، جگہ اور مستقل کی صورتیں۔

• مختلف قسم کی اشیاء کی درآمد اور برآمد کے منصوبے یا تجارت۔

دنیا کے ہر ملک میں یہ معلومات علمی کام کے لیے مزدوری بھی جاتی ہیں اور بلحاظ ملک

شائع ہوتی ہیں۔ سرف حکومتیں ہی شائع نہیں کرتیں بلکہ آزاد ادارے بھی شائع کرتے ہیں۔ لیکن روس میں ان سب کی حیثیت سرکاری رازوں کی ہے، جس کا بیان جرم ہے اور اس جرم کی سزا سے ۱۲ سال قید ہے!

جب ان معاملات میں یہ سرکاری رویہ ہو تو صحیح اعداد و شمار کیسے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ قانون بیسویں صدی میں، دوسری جنگ کے بعد ایک مہینہ تک میں نافذ کیا گیا ہے اور نافذ ہے!

اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ روسی شماریات کے ان دونوں امراض کے بارے میں جن کی نشاندہی ہم نے اوپر کی ہے چند باتیں عرض کریں گے پہلی خرابی کے بارے میں عرض ہے۔

(۱) سرکاری رپورٹوں اور گورنمنٹ پارٹی کی کانفرنسوں میں کی جھوٹی تقریروں میں یکسر بڑے مقامات پر اس کا اعتراف موجود ہے کہ فیکٹری ڈائریکٹر کمپنیوں کے صدر اور مقامی پارٹی کے افسران وغیرہ اعداد و شمار کے معاملہ میں غلط بیانیوں سے کام لیتے ہیں۔ اس کا کم دکھاتے ہیں، پیداوار بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ اس کا اعتراف خروشیف نے بھی کیا ہے۔

(۲) اشاعت کے دور پر خروشیف کے تبصرے میں یہ بات بھی آتی ہے کہ اس زمانے میں دی جھوٹی سرکاری معلومات میں جھوٹ اور غلط بیانی اور حقائق کو چھپانے کا بڑا دخل تھا۔ مثلاً آبادی کے اعداد و شمار بالکل باہیتے گئے تھا میں جو لاکھوں افراد مقررہ اجل ہونے ان تمام اعداد و شمار کو کبھی منظر عام پر نہیں آنے دیا گیا۔ جبری انتقال آبادی کے تمام اعداد و شمار باہیتے گئے۔ وغیرہ

پھر اعترافات (Confessions) کی جوداستائیں اس میں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے بعد سرکاری بیانات کا قابل اعتماد ہونا سخت محل نظر ہے۔

(۹۳) اعداد و شمار کو سب فشا بیان کرنے کی مثالیں متعدد حضرات نے پیش کی ہیں۔

پنجاب میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے اپنے دورے کے بعد لکھا تھا کہ ہر جگہ ہمیں مختلف اعداد و شمار دیتے گئے۔ کہیں کہا گیا کہ پورے ملک میں ہر ۱۰۰ افراد پر ایک ڈاکٹر ہے اور کہیں یہ تعداد بڑھ کر ۲

ہزار افراد ہو گئی اور کہیں، ہزار ۱۰۰۰ یہ تو پھر بھی غیر کی شہادت ہے۔ مرکزی

پارٹی کے سیکرٹری سینکوف نے سنہ ۱۹۵۲ء میں جو رپورٹ پیش کی تھی اس رپورٹ

کے صفحہ ۳۲ پر لکھا ہے کہ ۱۹۵۱ء میں کپڑے کی صنعت کی پیداوار قبل جنگ

کے (۱۹۴۸ء) معیار پر پہنچ گئی تھی۔ اس رپورٹ کے صفحہ ۳۶ پر لکھا ہے کہ ۱۹۵۱ء

میں ۱۹۴۸ء کے مقابلے میں کپڑے کی پیداوار ۲۰ فی صد زیادہ تھی۔

(۹۴) زراعت کے بارے میں اعداد و شمار کو بار بار بدلایا گیا ہے۔ مثلاً ۱۹۵۲ء میں

خود کی فصل کے بارے میں اعلان کیا گیا کہ ۳۸ کروڑ ٹنی ہوئی ہے۔ لیکن پھر

93. Shah, Dr. Riaz' Ali, A Doctor Looks at Russia, p. 3

94. Report of the Central Committee of the C.P.S.U.

(B) to the Nineteenth Party Congress by G. M

Malenkov, Secretary, Central Committee, C.P.S. U

(6B), October 5, 1952, 'pp. 33-36.'

سرکاری طور پر ہی اعلان ہوا کہ پیداوار صرت ۹ کروڑ ٹن تھی۔

(۶) ۱۹۳۹ء کے شمار آبادی (Census) کی رپورٹ کو تیار کیے جانے کے بعد دوبارہ آیا اور شماریاتی افسروں کو سمیٹاؤ کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

ایسی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ روس میں شماریات کے ساتھ کھوکھو مذاق کبک ہوتا ہے اور وہاں کے سرکاری اہلکار و شمار کو غور و فکر اور تحلیل و تجزیہ کے بغیر قبول نہیں کیا جاسکتا۔

پھر صرف جان بوجھ کر ہی شماریات کو متاثر کرنے کی کوشش نہیں ہوتی بلکہ جو فنی طریقے اختیار کیے گئے ہیں وہ بہت ہی خالص ہیں اور ان کی وجہ سے ایک خاص قسم کے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے بھی ہم صرف چند پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(۷) ۱۹۵۰ء تک پیداوار کے اشاریے ۲۷-۱۹۲۶ء کی قیمتوں کی شکل میں تیار ہوتے تھے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ ٹیکسٹائل ٹرانزیکٹروں کو اونچی قیمت لگانے کا موقع مل جاتا ہے، بلکہ جمی مصنوعات کی پیداوار بعد میں شروع ہوتی ان کی قیمتیں بھی مصنوعی طور پر اونچی رہتی ہیں اور اشاریہ اصل پیداوار سے زیادہ ظاہر کرتا ہے۔ ۱۹۵۰ء کے بعد ۱۹۵۲ء اور پھر ۱۹۵۵ء کی قیمتوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن ۱۹۵۰ء سے پہلے کے اشاریہ کو اس تبدیلی سے ہم آہنگ نہیں کیا گیا۔ اشاریہ کو جو اوزان (Weights) دیئے گئے ہیں وہ بھی بالکل مناسبت کے ہیں۔ اور ان کا نتیجہ یہ ہے کہ چند ہی تیزی سے بڑھنے والی مصنوعات کی وجہ سے مجموعی اشاریہ بہت اوشپا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح صنعت کی تنظیم میں تبدیلی پیدا داری اشاریہ میں تیز کا باعث ہوتی ہے۔ ان کی وجہ سے کلاسیکی پیداوار کے اعداد و شمار غلطی سے متاثر ہو جاتے ہیں۔

صلح ہم اس مضمون میں دقیق فنی مباحث اور مخصوص علمی اصطلاحات کے استعمال سے احتراز ہی کر رہے ہیں لیکن اظہارِ دعا کے لیے اتنی بات کا بیان ناگزیر تھا جو حضرات اس موضوع کا باقاعدہ مطالعہ کرنا چاہیں وہ مندرجہ ذیل مباحث ملاحظہ کریں۔

Clark, Colin, *A Critique of Russian Statistics*, London, 1939; Grassman, J., *Soviet Statistics of Physical Output of Industrial Commodities*, Princeton, 1960; Nove, Alec, *The Soviet Economy*, London, 1961, (Appendix); Jasny, N., "Some Thoughts on Soviet Statistics", *International Affairs*, January, 1959; Symposium on "Reliability and Usability of Soviet Statistics", *The American Statistician*, 1953; Shaffer, Harry G. (ed.), *The Soviet Economy*, London, 1963, Sections 1 to 3.

اس آخر الذکر کتاب میں ہر مسئلہ پر دس کے اہم ترین ماہرین معاشیات اور معنی ماہرین کے مضامین ساتھ ساتھ دیئے گئے ہیں۔ ہر ایک وقت دونوں نقطہ ہائے نظر سامنے آجاتے ہیں۔

(ii) روسی شماریات میں ایک ہی چیز کو دو اہداس سے بھی زیادہ بار جمع کرنے (Double-counting) کی غلطی بھی ہوتی ہے۔ خصوصیت سے اشیاء کے درمیانی مراحل (Intermediate goods) میں سبب کردہ ایک صنعت سے دوسری صنعت کو جاتے ہیں لیکن ہر جگہ کل پیداوار میں شامل کیے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود ایک روسی مطالعہ میں اعتراف کیا گیا ہے کہ ۱۹۹۰ء میں کل صنعتی پیداوار ۹۰-۹۱ فی صد بڑھی لیکن اگر مغربی شماریات کے معیار کے اصول پر اس کا حساب کیا جائے تو یہ اضافہ فی صد کا ہوگا۔

(iii) زراعت میں حیاتیاتی پیداوار (Biological-yields) لینے کا طریقہ رائج تھا۔ جس کی وجہ سے اصل پیداوار کی بجائے صرف ظاہری پیداوار لے لی جاتی تھی اور اس طرح صحیح صورت حال کا علم ہی نہیں ہو پاتا تھا۔ اس طریقہ کے غلط ہونے کا اعتراف خود میکرون نے اپنی اگست ۱۹۵۵ء کی اس تقریر میں کیا ہے جو اس نے سپریم سوویٹ میں کی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۵۵ء تک روسی شماریات محض ایک کھیل اور پارٹی کے مقاصد کو حاصل کرنے اور لوگوں کو مرعوب کرنے کا ایک حربہ تھیں۔ ہم اپنی اس بحث کو روسی معیشت کے ایک غیر جانبدار انگریز ماہر ایک فرو کے پیش کردہ نتائج اور ایک روسی ماہر کے تبصرہ پر ختم کرتے ہیں جو اس نے روسی شماریات کے تنقیدی مطالعہ کے بعد پیش کئے ہیں۔

الغ، صنعتی پیداوار کے بارے میں اعداد و شمار جہاں تک مقدار کو پیش کرتے ہیں وہ بڑی حد تک قابل اعتماد ہیں۔ لیکن جو اعداد و شمار روبل میں پیش کیے جاتے ہیں وہ خاصے گمراہ کن ہیں۔ لیکن اس سلسلہ کے مواد کو بہ نظر احتیاط لینا چاہیئے مکمل بنے اعتماد ہی سے نہیں۔

دبہ زرعی اعداد و شمار متعدد وجوہ کی بنا پر بہت کم قابل اعتماد ہیں۔ اس میدان میں اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے حکومت نے اعداد و شمار کے ساتھ بہت مذاق کیا ہے۔

دج) صنعتی اور زرعی پیداوار اور قومی آمدنی کے اشاریے (Index) سب سے زیادہ ناقابل اعتماد ہیں۔ گو ہم ان کو بھی محض ذہن کی اختراں تو نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن متعدد وجوہ کی بنا پر ان میں غلط بیانی یا سبالتف سب سے زیادہ ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ روسی اشتراکیت کے فراہم کردہ اعداد و شمار کو آنکھیں بند کر کے قبول نہ کیا جائے، بلکہ انہیں سائنسی معیار پر جانچا جائے اور پھر صحیح انداز کیے جائیں۔ یہ بات غور و خاش آئندہ ہے کہ گزشتہ چند سالوں سے نسبتاً زیادہ روئی نکلنا شماریات فراہم کیے جاتے گئے ہیں لیکن کسی مکمل جائزہ کے لیے وہ اب بھی ناکافی ہیں۔ یہ تھی ایک اگر نیا مہر کی رائے۔ اب ہم روس کے امہرین معاشیات میں سے ایک

سرکردہ شخصیت ایس۔ جی اسٹروملین کے نتائج مطالعہ پیش کرتے ہیں۔ موصوفت
 کی ایک کتاب "Essay on the Social Economy of the Soviet Union" شائع ہوتی ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

و صنعتی پیداوار کے اشاریہ میں ایک ہی چیز بار بار شامل ہو جاتی ہے۔ مثلاً
 موٹر کی صنعت میں صرف مشین کی قدر شامل نہیں بلکہ ان پرزوں کی الگ الگ
 قیمتیں جن پر مشین مشکی ہے اور اس خام مال کی قیمت جس سے یہ پرفیسے
 تھے سب کی قیمت میں شامل کر لیے جاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ایک ہی
 چیز کی قیمت کئی مراحل میں کی قیمت میں آ جاتی ہے اور نتائج مبالغہ آمیز
 ہو جاتے ہیں۔

و پہلے پینڈا منصوبہ کے تجزیہ کے بعد یہ روسی ماہر کہتا ہے کہ اس میں کل
 صنعتی پیداوار کا اضافہ سرکاری اعداد و شمار میں ۱۵۰ کروڑ روپل کا بتایا گیا
 ہے جب کہ دوا دہیں بار جمع ہو جانے والی قیمتوں کو نکالنے کے بعد یہ
 اضافہ ۲۷-۱۹۲۹ کی قیمتوں کے مطابق صرف ۱۰ کروڑ روپل کا ہوگا۔

و موصوفت کی یہ کتاب خود ہماری نگاہ سے نہیں گزری ہے۔ البتہ اس سے
 جو مواد اٹل کے سابق سفیر روس نے اپنی کتاب میں دیا ہے ہم اس سے یہ معلومات
 پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

Pietromarchi, Luce, "The Soviet World". Allen and
 Unwin, London, 1905, pp. 33-34.

دوسرے الفاظ میں کل اعداد و شمار صرف اس شمار یا قیاسی کی وجہ سے دو گئے
سے زیادہ بڑھ گئے۔

۹ اس ماہر کی رائے میں ۱۹۲۸-۱۹۵۹ کے درمیان کل صنعتی پیداوار میں ۱۵
گنا اضافہ ہوا، جب کہ ایک ملک کے دیتے ہوئے سرکاری اعداد و شمار کی رو
سے ۳ گنا اضافہ کا دعویٰ کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ صرف ایک شمار یا قیاسی
ہے۔

۱۰ اس ماہر کے نتائج مطالعہ کی روشنی میں ۱۹۴۵-۱۹۵۹ کے درمیان اضافہ
صرف تین گنا ہے، جب کہ سرکاری دعویٰ پندرہ گنا اضافہ کا ہے۔

۱۱ ۱۹۵۹ میں حقیقی پیداوار میں اضافہ اصل دعویٰ شدہ اضافہ کا صرف ایک
تہائی تھا اور کل قومی آمدنی میں اضافہ ۱ فی صد تھا، نہ کہ ۱۱ فی صد۔

یہ تمام معلومات ایک روسی ماہر کی فراہم کردہ ہیں۔ انہیں اس کی مزدوریت یوں پیش
آئی کہ جب ۱۹۵۵ میں شماریات کے کام کو از سر نو منظم کیا گیا اور معاشی امور پر بحث
و گفتگو کا آغاز کیا گیا تو اب ملک کے کام کا بارزہ بھی مزدور ہی ہو گیا۔ صنعت و تجارت
نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ اگر سال بہ سال شائع ہونے والی روسی شماریات کو نقلی طور پر
مان لیا جائے تو مجموعی پیداوار میں اضافہ اس سے کہیں زیادہ ہو گا ہے جس کا ذکر
خود سرکاری طور پر کیا جا رہا ہے۔ اس حساب سے روسی پیداوار کو برسوں پہلے
سے امریکی پیداوار سے آگے نکل جانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہی وجہ
ہے کہ روسی ماہرین شماریات کو بار بار اپنے معیار اور اپنے انداز سے میں ترمیم کرنی پڑتی ہے۔^{۹۹}

روسی شماریات کے بارے میں اپنوں اور غیروں دونوں کی شہادتیں ہم نے پیش کر دیں۔ اب ہر طالب علم اور جو یاے حتیٰ خود اندازہ کر سکتا ہے کہ ان کے ہاتھ میں کتنی استیلا کی اور کس درجہ دیدہ ریزی کے ساتھ تحقیق و تنقید کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر حقیقت کو افانہ سے جدا نہیں کیا جاسکتا اور اصل کامیابیوں اور کارناموں کو ان کی ترانیوں سے میسر نہیں کیا جاسکتا جو زیب داستان کے لیے شامل کر دی گئی ہیں۔

روس کی رفتار ترقی

اب ہم اس امر کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ روس کی حقیقی رفتار ترقی کیا رہی ہے؟ اور دنیا کے دوسرے ممالک کے مقابلہ میں اس کی کیا حیثیت ہے؟ ہم دیکھ چکے ہیں روسی ماہرین کا دعویٰ ہے کہ ۱۹۲۷ء سے ۱۹۴۷ء تک قومی آمدنی میں اضافہ کی رفتار ۶ فی صدی سالانہ تھی۔ دوسری جنگ کے بعد اضافہ کی رفتار کے بارے میں دعویٰ یہ ہے کہ اس کا اوسط ۱۱ فی صد سالانہ سے زیادہ تھا۔ پانچ سالہ اضافہ کا دعویٰ یہ ہے۔

۵۰ - ۱۹۴۵ء	۶ فی صد	اضافہ
۵۵ - ۱۹۵۰ء	۷	"
۶۰ - ۱۹۵۵ء	۶	"
۶۵ - ۱۹۶۰ء	۴	"
۱۹۶۰ء مخصوص	۷	"

یہ اضافہ بہ نظر ظاہر بے حد متاثر کن ہے اور پہلی نگاہ میں ایک عام آدمی ان

اعداد و شمار سے بے حد متاثر ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں نہ صرف یہ کہ روسی شماریات میں بڑی گڑبڑ اور تحریفات پائی جاتی ہیں بلکہ ان کا طریقہ کار بھی بہت خام اور کمزوریوں سے بھرا ہوا ہے جس کی وجہ سے نتائج گمراہ کن بہتے ہیں۔

مغربی اہل علم نے روس کی رفتار ترقی کے بارے میں روس ہی کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے شجرہ پر اور ان کی ترتیب نو سے جو نتائج نکالے ہیں وہ زیادہ قابل اعتماد ہیں اور ان کی بنیاد پر دوسرے ممالک کی رفتار ترقی سے زیادہ بہتر موازنہ ہو سکتا ہے۔

۱۹۹۱ء کے تازہ ترین ثبوت کے طور پر ہم چند سال پہلے کے ایک قانون کا حوالہ دیں گے جسے خود حکومت کو اعداد و شمار کی صحت کے بارے میں نافذ کرنا پڑا اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ ابتدائی اداروں سے جو شماریات اکری تھیں وہ خاصی غلط ہوتی تھیں اور چمکہ خود سرکاری منصوبہ بندی کا انحصار انہی اعداد و شمار پر ہے۔ اس لیے اندرونی تحفظات کے لیے یہ قانون نافذ کرنا پڑا۔ آمرانہ نظاموں کو کبھی کبھی اس کیفیت کا تجربہ ہو جاتا ہے کہ میں ہوں خود اپنے ہی تیروں کا نشانہ۔ یہ قانون ۱۹۹۱ء کو روس کی مرکزی مجلس وزراء اور کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے منظور کیا۔ اور اس کا نام ریاست کو دھماکے اور دھاندلی کے طریقوں کو روکنے اور منصوبوں کی تکمیل اور ان کے بارے میں رپورٹوں میں فراہم کردہ معلومات پر حکومت میں گزرت کو بڑھانے اور ان کو زیادہ قابل اعتماد بنانے کے بارے میں۔

اس قانون کی رو سے غلط معلومات دینے والوں کو کم سال قید کی سزا عطا دی

جا سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم چند اہم معاشی ماہرین کے نتائج تحقیق پیش کرتے ہیں۔
ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ایبرام برگسان (Abram Bergson) کی
تحقیقات کی روشنی میں کل روسی پیداوار مندرجہ ذیل زانوں میں اس رفتار سے
بڑھی ہے۔

۱۹۲۸-۳۶	۵۶۰ تا ۵۶۵	فی صد سالانہ
۱۹۵۰-۵۵	۷۶۵ تا ۷۶۷	فی صد سالانہ

۱۹۲۸-۳۶ کے بارے میں متعدد تحقیقی مطالعے موجود ہیں۔ ان سے یہی
دعووں اور معاشین کے نتائج تحقیق کے فرق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔
۱۹۲۸-۳۶ کے درمیان قومی آمدنی میں سالانہ رفتار ترقی

روس کا دعویٰ ۱۴ فی صدی

پروفیسر ناوم جاسنی کے نتائج ۲۷-۱۹۲۷

۸-۷ تحقیقی قیمتوں کی بنیاد پر

۱۹۳۷ کی سالین کی

۵ ۵ لاگت کی بنیاد پر

-
101. Bergson, A., "The real National Income of Soviet Russia Since 1928", Cambridge, Mass., Harvard, 1961, P. 219.
102. Jasny, Naum, "The Soviet Economy During the Plan Era", Stanford University Press, 1951, P. 85.

پروفیسر کوئی کلارک^{۱۰۳} - بین الاقوامی

یونٹوں میں

۱۹۶۵ء فی صد

۱۹۳۸ء کی برطانوی قیمتوں

کی بنیاد پر^{۱۰۴}

۱۹۶۵ء

جولیس وائیٹر، ۱۹۴۴ء اور ۱۹۵۵ء میں^{۱۰۵}

۱۹۶۶ء

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ روس ہی کے فراہم کردہ اعداد و شمار کو ان سائنسی طریقوں سے مرتب کرنے سے جو یورپ اور امریکہ میں مستعمل ہیں کتنا نمایاں فرق پڑتا ہے۔ ایک اور مغربی مطالعہ کی روش سے دوسری جنگ کے بعد تحقیقی رفتار ترقی یہ رہی ہے۔

103. Clark, Colin, "The Conditions of Economic Progress", London, Second Edition, 1951, Chapter iv.
104. Clark, Colin, "A Critique of Russian Statistics", (London, 1939), pp. 40-41, 68.
105. Wyler, Julius, Vide Crossman, Greogary, "National Income", "Soviet Economic Growth", (ed. Abram Bergson), Illinois, 1958, p. 9.
106. "Comparisons of the United States and Soviet Economies, Vide Zebot, Cyril A., "The Economics of Competitive Co-Existence", op. cit., p. 151.

۶، فی صدی سالانہ

۱۹۵۰-۵۹

* * *

۱۹۵۹-۶۵

برگسان اشالی کے بعد (۱۹۵۳ء) سے ۱۹۶۱ء تک کے باسے میں لکھا ہے
 کہ آزاد تحقیق کی نگاہ میں اس زمانے میں قومی آمدنی میں سالانہ اضافہ فی صدی کے
 لگ بھگ تھا۔

رستو کے قول کے مطابق بھی ۱۹۴۵ء کے بعد رفتار ترقی فی صد سالانہ
 رہی ہے۔

ادریک اور بری نے جو اساد و شمار پیش کیے ہیں وہ یہ ہیں۔
 دس میں کل پیداوار G.N.P. میں اضافہ کی رفتار
 ۱۹۵۰-۵۸ (اوسط) ۶.۶۸ فی صدی

107. Bergson, Abram, "The Great Economic Race: U.S.S.R. Vs U.S.A." "Comparative Economic System: A Reader", (ed. Marshall L Goldman), Random House, New York, 1964, p. 340.
108. Rostow, W.W., "The States of Economic Growth", Cambridge, 1960, p. 102.
109. O' Brien, Frank, "Crisis in World Communism", The Free Press, New York, 1965, Table 10, p. 68.

۴۶۶ فی صدی

۶۱۹۵۸ - ۶۱

۳۶۵

۶۱۹۶۰ - ۶۲

مغربی ماہرین کے تانکے کو صحیح مانا جائے تو روس نے بلاشبہ ترقی کی ہے تیز رفتاری سے ترقی کی ہے، لیکن کسی غیر معمولی برق رفتاری کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ اشتراکی پروگنڈے سے جو ایک غلط فہم قائم ہوتا ہے۔ زیادہ گہرائی میں جانے کے بعد اس کا اثر بہت کم ہو جاتا ہے۔ بس مدنگ روس کا سیلاب ہوا ہے اس کا کھلے دل سے اعتراف ہونا چاہیے۔ لیکن شہادیات کا جھوٹا طلسم بہر حال ٹوٹنا چاہیے۔
روس اور دوسرے ممالک کی ترقی: تعابلی مطالعہ

ہم آگے بڑھنے سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ روس کی معاشی ترقی ایسی نادر رہی ہے کہ دنیا کے دوسرے ممالک کی معاشی ترقی کی رفتار میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اشتراکی اہل قلم یہ سائنڈ آئینز دعوے کرتے دہشتے ہیں کہ جس رفتار سے روس نے ترقی کی ہے اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ یہ بات تاریخی اعتبار سے غیر صحیح ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی بات یہ سمجھ لیجئے کہ اشتراکی اہل قلم بالعموم روس اور مغربی ممالک کی رفتار ترقی کا مقابلہ ایک ہی زمانے کے بارے میں کرتے ہیں جب کہ دونوں ترقیاتی نقطہ نظر سے مختلف مراحل پر تھے۔ مثلاً ۱۹۳۸ء کے درمیان کہ روس اور انگلستان ایک مقام پر نہ تھے۔ انگلستان میں صنعتی انقلاب ۱۷۶۰ء میں شروع ہوا۔ ۱۸۳۰ء میں مکمل ہوا۔ جب کہ روس میں یہ عمل بہت دیر سے شروع ہوا۔

متبادل مساوی زمانوں اور مرحلوں کا ہونا چاہیے ترقی پذیر ترقی (Developing phase)

اور بلوخ (Maturity) کے دور کا نہیں۔ اس نقطہ نظر سے اگر موازنہ کیا جائے تو فرق ایسا نمایاں نہیں ہے۔ فرانسیسی مفکر برنارڈی جو ویٹال (Bertrand De Jouvenel) صنعتی ترقی کے ستون لوہے کی صنعت کی مثال لے کر بتانا ہے کہ ردس میں ۱۹۲۹ء میں لوہے کی پیداوار ۵۰ لاکھ ٹن تھی جو ۱۹۵۴ء تک کم کر ڈی ۱۰ لاکھ ٹن ہو گئی۔ ۲۵ سال میں آٹھ گنا اضافہ۔ اسی زمانے میں امریکہ، برطانیہ اور جرمنی میں اضافہ کی رفتار اس سے بہت کم تھی۔ لیکن امریکہ کی لوہے کی صنعت اپنے ترقیاتی دور میں اس سے پیچھے نہ تھی مثلاً ۱۸۹۶ء سے ۱۹۱۶ء تک اضافہ یہ تھا۔

۵۳ لاکھ ٹن

۱۸۹۶ء

۴۴ کروڑ ۲۰ لاکھ ٹن

۱۹۱۶ء

مثلاً

یعنی ۳۰ سال میں آٹھ گنا اضافہ

تفصیلی مطالعہ کے سلسلہ میں کوئٹہ کلارک کا تحقیقی کام بڑا قیمتی اور ناقابل تردید

-
110. Jouvenel, Bertrand De, "Some Fundamental Similarities Between the Soviet and Capitalist Economic Systems," "Future of Freedom" Proceedings of the Conference held at Milan (Italy), Under the Auspicious of the Congress for Cultural Freedom, September 1955, p. 57—98.

ہے۔ موصوف کے مقرر کردہ بین الاقوامی لونٹروں کی شکل میں مختلف ممالک کی رفتار ترقی پر دہی ہے۔^{۱۱۱}

کی کس قومی آمدنی میں اضافہ ۱۸۹۰-۱۹۳۸

۱۹۳۵-۳۸ ۱۹۳۰-۳۱ ۱۹۲۵-۲۸ ۱۹۲۱-۲۴ ۱۹۰۹-۱۳

نیوزی لینڈ	۴۴۰	۵۱۲	۵۵۰	۵۳۰	۷۱۰
امریکہ	۴۸۴	۵۰۶	۵۹۰	۴۳۸	۵۴۵
برطانیہ	۴۳۴	۴۰۲	۵۰۲	۴۸۸	۵۸۴
سوئیڈن	۱۶۵	۲۴۰	۲۷۵	۳۰۱	۳۶۷
جاپان	۴۶	۷۲	۱۰۲	۱۱۳	۱۳۹
روس	۱۰۲	۵۷	۹۵	۹۰	۱۰۸

اس سے صاف نظر آتا ہے کہ ایک ہی زمانے میں بھی روس کی معاشی ترقی دوسروں کے مقابلہ میں کوئی غیر معمولی یا معجزاتی کیفیت نہیں رکھتی۔ سائنس کونٹنس (Simon Kuznets) نے دنیا کی معاشی ترقی کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ ان کے فراہم کردہ مواد سے یہ ضروری حقائق سامنے آتے ہیں۔^{۱۱۲}

111. Clark, Colin, "Economics of 1960", London, Vide, Coste, E. De, "The Economic Progress of Russia", Delhi, 1950, Table II, p. 57.
112. Kuznets, Simon, "Population Decrease and Growth", Quoted Buchanan and Ellis, *Approaches to Economic Development*, The Twentieth Century Fund, New York, 1955, pp. 214-215.

رفتار ترقی دئی کس قومی آمدنی، سالانہ اضافہ

امریکہ (۱۹۳۸-۱۸۶۹)	۳۸۱	فی صدی کا اضافہ	۳۰.۸	فی صدی
برطانیہ (۱۹۳۹-۱۸۶۰)	۲۳۱	۰	۲۰.۹	۰
سوئیڈن (۱۹۳۸-۱۸۶۱)	۶۶۱	۰	۸۰.۵	۰

اس طرح صاف نظر آتا ہے کہ سوئیڈن کی رفتار ترقی پوری صدی پر پھیلانے کے باوجود روس سے زیادہ رہی ہے۔ جاپان کی رفتار ترقی کے بارے میں یہ مواد ملتا ہے۔

دئی کس قومی آمدنی میں اضافہ کا اشاریہ

۱۰۰	۱۸۷۹-۸۲
۱۳۷	۱۸۸۸-۹۲
۲۲۰	۱۹۰۸-۱۲
۴۰۰	۱۹۲۸-۳۲
۵۲۶	۱۹۳۸-۴۲

جس کے معنی یہ ہیں کہ ۱۰۰ سال تک دئی کس آمدنی میں ترقی کی رفتار ۱۰۰ فی صدی سالانہ تھی جو گزشتہ ۵۰ سال کی روس کی اوسط رفتار ترقی سے کہیں زیادہ ہے۔

اگر ہم اشارہ کر لیا جائے تو اہم مسائل کے ترقیاتی ادوار میں ان کی پیداوار کے اضافہ کی رفتار میں ایک خاص مماثلت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ محض روس کی ترقی میں کوئی غیر معمولی کیفیت نہیں ہے۔ مثلاً گوئکہ پیداوار کو لیا جائے تو کیفیت یہ نظر آتی ہے۔

انگلستان ۱۸۶۰ ۸۰۵ کروڑ ٹن

۱۸۸۰ ۱۴۰۶۸

۱۹۰۰ ۲۲۰۵۱

۱۹۱۳ ۲۸-۴۲

امریکہ میں ۱۸۶۰ء میں صرف ایک کروڑ ۴۴ لاکھ ٹن پیداوار تھی۔ ۱۹۰۰ء میں یہ ۱۶ کروڑ ۹ لاکھ ٹن ہو گئی اور ۱۹۱۳ء میں ۲۵ کروڑ ۸ لاکھ ٹن۔ روس میں ۱۹۱۳ء میں پیداوار ۲ کروڑ ۹ لاکھ ٹن تھی۔ ۱۹۳۲ء میں ۷ کروڑ ۶۳ لاکھ ٹن اور ۱۹۳۸ء میں ۱۳ کروڑ ۲۹ لاکھ ٹن، ۱۹۵۲ء میں یہ مقدار ۳۶ کروڑ ٹن اور ۱۹۶۳ء میں ۵۳ کروڑ ٹن تھی۔

یعنی انگلستان میں ۵۳ سال میں $\frac{1}{4}$ گنا اضافہ ہوا، امریکہ میں ۶۳ سال میں ۵ گنا اضافہ ہوا۔ جب کہ روس میں ۵۰ سال میں اضافہ تقریباً ۱۹ گنا ہے۔

اس سے معلوم ہوا ہے کہ اپنے اپنے ترقیاتی مرحلہ میں ہر ایک نے تیز رفتاری سے ترقی کی ہے اور کچھ ممالک کی رفتار روس کی رفتار سے تیز تر رہی ہے۔ یہ دراصل ترقیاتی عمل (Development process) کے مختلف پہلو ہیں، ان کو ایک خاص مد سے آنے بڑھ کر اشتراکیت کے حق میں استعمال کرنا غلط سمجھ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

ہمارے اس موافق کی تائید دوسری اہم اشیاء کے اعداد و شمار سے بھی ہوتی

ہے۔ مثلاً غلام لوسجے کی پیداوار کو لیجئے۔ انگلستان میں ۱۸۰۰ء۔ ۱۸۹۰ء کے درمیان
 اضافہ ۱۰۶۸ فی صدی سالانہ تھا۔ ۲۰۔ ۱۸۱۰ میں ۸۶م فی صدی سالانہ ۳۰۔ ۱۸۲۰
 میں ۵۶۵ فی صدی سالانہ۔ ۴۰۔ ۱۸۳۰ میں ۶۵ فی صدی سالانہ۔ امریکہ میں ۵۰۔ ۱۸۹۰
 کے درمیان ۷۳ فی صدی سالانہ، ۸۰۔ ۱۸۷۰ کے درمیان ۸۶ فی صدی سالانہ،
 ۹۰۔ ۱۸۸۰ کے درمیان ۹۶ فی صدی سالانہ۔ کنیڈا میں ۱۹۰۰۔ ۱۸۹۰ میں اضافہ کی
 رفتار ۱۶۴ فی صدی سالانہ اور ۱۹۱۰۔ ۱۹۰۰ کے درمیان ۲۴۶ فی صدی سالانہ تھی۔
 اگر ان اعداد و شمار اور اس رفتار ترقی کا مقابلہ روس کے ترقیاتی دور کی رفتار
 سے کیا جائے تو اسے کسی پہلو سے غیر معمولی نہیں کہا جاسکتا۔ مثلاً روس میں ۱۹۱۳
 میں لوسجے کی پیداوار ۴۲ لاکھ ٹن تھی۔ ۱۹۲۸ میں بھی یہ پیداوار ۴۲ لاکھ ٹن ہی تھی۔
 ۱۹۹۳ میں یہ بڑھ کر ۸ کروڑ ۷۳ سو گنتی۔ یعنی ۵۰ سال میں تقریباً ۴۰ گنا اضافہ ہے کنیڈا
 میں صرف ۲۰ سال میں اضافہ تقریباً ۴۰ گنا تھا۔ (۱۸۹۰ء۔ ۱۹۱۰ء) اور امریکہ میں ۱۸۹۰
 سے ۱۹۱۰ تک اضافہ ۳ گنا تھا۔ دوسرے ممالک کی بھی یہی کیفیت ہے۔ ان
 حقائق کی روشنی میں صرف روس کی ترقی کو معجزاتی کیسے کہا جاسکتا ہے اور وہ
 اشتراکیت کے حق میں ایک دلیل کیسے بن سکتی ہے۔ اب تک کی بحث سے ہمارے
 سامنے یہ دو حقائق آئے کہ
 (۱) روس کی رفتار ترقی وہ نہیں ہے جس کا اشتراک دعویٰ کرتے ہیں۔

دوسرے ممالک کے تقابلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ لوکانی و ایلیس، کتاب
 مذکورہ بالا باب ۱۱۔

دب) اور اگر دلیل کی خاطر یہ بھی مان لیا جائے کہ رفتار ترقی وہی ہے تو وہ کوئی غیر اصول
 شے نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کے مختلف ترقی یافتہ ممالک اپنے اپنے ترقیاتی دور
 میں اسی قسم کی رفتار ترقی حاصل کر چکے ہیں۔ خواہ کل صنعتی پیداوار کو لیا جائے۔
 اور خواہ اہم صنعتی مصنوعات کو الگ الگ۔

یہ تو محض ترقیاتی دور کے بارے میں ہیں۔ اب اگر ایک ہی زمانہ کے بارے میں موازنہ
 کیا جائے تب بھی غرض فہمی کی وجہ نہیں ہے۔ ۲۷-۱۹۲۸ کے درمیان روس کی صنعتی
 آمدنی میں ۲۰ فی صدی کا اضافہ ہوا۔ سوئیڈن میں صرف ۳۶-۱۹۳۲ کے درمیان یعنی پانچ
 سال میں ۲۵ فی صدی اضافہ اور جرمنی میں ۳۷-۱۹۳۲ کے درمیان یعنی ۵ سال میں
 ۴۴ فی صدی اضافہ ہوا۔

یہی کیفیت دوسری جنگ کے بعد کے حالات کے مطالعہ سے ہمارے سامنے
 آتی ہے۔ اس دور میں روس کی رفتار ترقی کے مقابلہ میں متعدد دوسرے ممالک نے
 زیادہ تیز رفتاری سے ترقی کی ہے حالانکہ وہ بھی دوسری جنگ سے اسی طرح بلکہ
 اس سے کہیں زیادہ متاثر ہوئے تھے اور ان کے قدرتی اور انسانی وسائل روس
 سے بدرجہا کم تھے۔

۱۱۔ جاپان کی کل صنعتی پیداوار ۱۹۰۵-۱۸۹۱ سے ۱۹۰۵-۱۹۰۱ تک ۶۰-۱۱ فی صدی
 سالانہ بڑھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

Hilgert, Eolke, "Industrialisation and Foreign Trade"

League of Nations, Geneva, 1945, p. 130.

دوسری جنگ کے بعد سے ۱۹۹۵ء تک کے بارے میں جو روسی اعداد و شمار شائع کئے گئے ہیں ان میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ رفتار ترقی ۱۲ فی صدی سالانہ سے ۱۰ فی صدی سالانہ تک رہی ہے۔ اور مغربی مابہرین کی رائے ہے کہ اضافہ فیصدی سالانہ رہا ہے۔ ایک روسی مابہر معاشیات پروفیسر اسٹرومیلین (Stanislov G. Strumilin) نے روسی شماريات سے اختلاف کیا ہے اور ۹۲-۱۹۹۰ کے بارے میں حساب لگا کر دکھایا ہے کہ اس میں رفتار ترقی ۸ فی صدی سے زیادہ نہ تھی۔ یہ خود ایک اشتراکی مابہر معاشیات کی شہادت ہے۔^{۱۳}
اب یہ دیکھئے کہ اس زمانے میں دوسرے ملک کی کیفیت کیا تھی۔

۶۲-۱۹۵۸ء

۵۸-۱۹۵۰ء

۱۳۰۲ فی صد سالانہ

۹۲ فی صد سالانہ

جاپان

۱۳۰۲ اسٹرومیلین کے معنوں کے نتائج کو پروفیسر میری شوارز نے اپنے ایک مضمون میں پیش کیا ہے جو نیویارک ٹائمز میں ۵ ستمبر ۱۹۷۲ء کو شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں دکھایا گیا ہے کہ روسی مابہر کی روسے ۱۹۹۰ء میں روس کی پیداوار امریکی پیداوار کا ۷۵ فی صدی نہ تھی جیسا کہ سرکاری طور پر دعویٰ کیا گیا ہے بلکہ ۸-۱۱ فی صدی تھی اور ۱۹۶۲ء میں یہ بڑھ کر صرف ۸-۹۲ ہوئی۔ اس رفتار سے روسی معیشت امریکی معیشت کی برابر ہی ۱۹۷۰ء میں دھبہ کار غرضیت نے کہا تھا، نہیں کر سکتی بلکہ^{۱۴} کے بعد کہ پائے گی۔ یہ نتائج ٹیک روس میں شائع ہوئے ہیں، مغربی اہل فکر کی اکثریت نہیں ہیں۔ ملاحظہ ہو فریک او برائن "Crisis in World Communism"

جرمنی (مغربی) ۷۶۲ فی صد سالانہ ۶۵۲ فی صد سالانہ
 اٹلی ۵۶۶ ۷۶۲

سوال یہ ہے کہ یہ ملک اگر اس رفتار، بلکہ اس سے تیز رفتار سے ترقی کر سکتے ہیں جس سے اشتراکی دوس نے ترقی کی ہے تو پھر دوس کی ترقی اشتراکیت کے حق میں کس طرح ایک دلیل بن سکتی ہے اور ان ملک کی ترقی نہ ان کی مخلوط معیشت کے حق میں کوئی دلیل ہو سکتی ہے اور نہ اشتراکیت کے معجزہ کا کوئی جواب! ^{کالہ}
 موازنہ کے چند اور پہلو

ان پہلوؤں کے مطالعہ کے بعد ہم اس حقیقت کو سامنے لانا چاہتے ہیں کہ خود دوس میں، سرکاری امداد و شمار کی روشنی میں، جو نئے رجحانات کارفرما ہیں وہ ہرگز مغوش آئند نہیں کہے جاسکتے۔ اشتراکی معیشت بھی ان ہی عجیب گیوں سے دوچار ہے جن سے بلوخی اندہ پننگی کے مراحل میں داخل ہونے کے بعد سرمایہ دارانہ معیشت دوچار ہوتی تھی۔ ہم صرف چند پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو قومی پیداوار کے بارے میں سرکاری امداد و شمار سے جو صورت حال سامنے آتی

ہے اس سلسلہ میں جرمنی، اٹلی اور فرانس کی مثالوں کے تفصیلی مطالعہ کے لیے حواصلا ہو:

Hemessy, Josselyn, Lutz, Vera and Scimone.
 Giuseppe, "Economic Miracles," Institute of Economic
 Affairs London, 1964.

ہے اس پر صرف ایک ٹکاہ ڈال دیے۔^{۱۱۸}

سالانہ اضافہ فی صدی، پنج سالہ مجموعی اضافہ فی صدی	نمائندہ
۸۸	۱۹۴۵-۵۰
	۱۹۵۱
	۱۹۵۲
۸۵	۱۹۵۰-۵۵
	۱۹۵۶
	۱۹۶۰
۶۴	۱۹۵۵-۶۰
	۱۹۶۱
	۱۹۶۳
۴۸	۱۹۶۰-۶۵

یعنی سالانہ اضافہ کی رفتار ۱۲ سال میں نصف رہ گئی ہے۔ اسے اتفاقی چیز بھی نہیں کہا جاسکتا اس لیے کہ ۲۰ سالہ اعداد و شمار کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ بحری کاروبار کا رجحان یہ ہے۔

یہ تو ہے عمومی رجحان۔ اگر سرکاری اعداد و شمار کا مزید تجزیہ کیا جائے تو ایک

118. Vide, Ingram, David, "The Communist Economic Challenge," Allen and Unwin, London, 1965, p. 52.

ایک صنعت کا مطالعہ کیا جاتے تو وہاں بھی یہی رجحان کارفرما نظر آتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند اہم صنعتوں کے بارے میں اعداد و شمار یہ ہیں۔

رقبہ رانہ کار رجحان			
۱۹۵۶-۵۸	۱۹۵۱-۵۵	۱۹۴۶-۵۰	اشیائے پیداوار
۱۱-۰۴	۱۳-۲۹	۱۹-۰۹	بجلی
۸-۲۱	۸-۴۲	۱۱-۸۲	کوئلہ اور گناٹ
۹-۹۲	۱۰-۶۶	۱۷-۲۸	لوہ
۱۳-۹۹	۱۷-۱۴	۷-۷۶	سینٹ
			اشیائے صرف
۵-۷۰	۹-۳۲	۳-۰۲	کاشت
۰-۹۹	۸-۹۵	۱۹-۲۴	دروزی کا پٹا
۶-۳۰	۱۰-۲۱	۲۳-۹۵	دروزی کا پٹا
۹-۰۸	۶-۱۵	۲۹-۳۷	چمچے کے جوتے
۱۹-۲۵	۶-۲۵	۳-۲۵	شکر (خام)

یہ اعداد و شمار اس رجحان کی تائید اور تشریح کرتے ہیں جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ ۲۰ سال میں روس کی اشتراکی معیشت میں سست دروسی کار رجحان رونما ہو گیا ہے اور برابر اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ۲۰ ویں کانگریس نے اپنی ہدایات میں کہا تھا کہ پیداوار کے بہت

سے دائروں میں نئی سائنسی اور فنیاتی ترقیات و ایجادات کے نافذ کرنے میں برابر تاخیر ہو رہی ہے۔ زراعت، صنعت، ریل و سائل اور تعمیرات میں میکانک اور خود کاری کے فروغ کا نظام غیر تسلی بخش ہے۔^{۱۱۸} اور پریڈیم کے ایک رکن آرستو (Aristov) نے مرکزی کمیٹی کے اجلاس کے موقع پر اعتراض کیا تھا کہ

”ہماری معیشت میں بہت سی چیزیں ہیں جو پیمانہ ہیں۔ کبھی کبھی تو اپنی صنعت میں پرانی اور دقیانوسی تکنیک عمل کر جاری دیکھ کر انسان شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہماری محنت کے ماحول کو ہاتھ سے جاتے ہوئے دیکھ کر اور پیداوار کی کمی پر نظر کر کے آدمی کی شکست جاتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہماری مشینی صنعت کے مختلف ڈائریکٹروں پر عائد ہوتی ہے۔“^{۱۱۹}

اس حقیقت کا ایک اور ثبوت فی مزدور پیداوار میں کارفرما رجحانات ہیں۔ فی مزدور پیداوار میں جی جس تناسب سے اضافہ کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ لائق مطالعہ ہے۔ سرکاری اعداد و شمار یہ بھی^{۱۲۰}

۱۹۵۰	۱۳ فی صدی	۱۹۵۷	۷ فی صدی
۱۹۵۱	۵	۱۹۵۸	۹

118-B. ibid, p. 27.

118-C. ibid, p. 27.

۱۹۵۲	۷	۷	۱۹۵۹	۷	۱۹۵۲
۱۹۵۳	۷	۷			
۱۹۵۴	۸	۷	۱۹۶۰	۷	۱۹۵۴
۱۹۵۵	۹	۷	۱۹۶۱	۷	۱۹۵۵
۱۹۵۶	۷	۷	۱۹۶۲	۷	۱۹۵۶

اس سے معلوم ہوا کہ اگر ۱۹۵۰ میں ہیرز بور کی پیداوار میں ۱۲ فی صدی سالانہ کے اضافہ کا دعویٰ تھا تو ۱۹۶۲ء میں یہ صرف ۵ فی صدی سالانہ تھا۔ اس طرح یہاں بھی ترقی کی رفتار سست ہو گئی ہے۔ اور یہ اس حالت میں ہے جب اس زمانے میں فنی انقلاب آیا ہے اور خود کار مشینوں (Automation) کو رواج دیا گیا ہے۔ یہ تمام اعداد و شمار ہوا کا کیا رخ بتا رہے ہیں؟ اسے سمجھنے کے لیے معاشیات میں کسی فنی مہارت کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روس میں سرمایہ کی پیداوار کی پرابلم ہمہ ہی ہے اور اب ایک خاص تناسب میں اضافہ کے لیے پہلے سے زیادہ سرمایہ کاری کی ضرورت پیش آرہی ہے۔ ^{۱۳} منسوبے بار بار یہی رہے ہیں اور

^{۱۳} روس اور چند دوسرے ممالک میں فی کس قائم سرمایہ کاری (Fixed Investment) کا جو تناسب فی کس کل پیداوار سے ہے وہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

ملک	۱۹۵۰-۱۹۵۹	۱۹۶۲
فرانس	۲۰۰۸	۱۹۰۲
	فی صدی	فی صدی
		(۲۵)

حالات کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو رہے ہیں۔ چھٹے بیچ سالہ منصوبہ ۶۰-۱۹۵۹ء کو، ۱۹۵۹ء میں معطل کر دیا گیا اور احتیاط کیا گیا کہ اس میں تھینے نہ بنے خطہ اور ناقابل عمل تھے۔ ۴۵-۱۹۵۹ء کے لیے ایک سات سالہ منصوبہ بنایا گیا لیکن اسے بھی ۱۹۶۲ء میں اور پھر ۱۹۶۳ء میں بنیادی طور پر بدل دیا گیا۔ بالآخر سات سالہ منصوبوں کے سلسلہ کو ہی ترک کر دیا گیا اور دوبارہ بیچ سالہ منصوبے کی طرف مراجعت کی گئی۔ یہ حقائق اس بات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اشتراک دنیا میں بھی معاشی نشیب و فراز اپنا دور دہنوا کرے ہیں!

دوسری اہم چیز روسی معیشت کی پیدا آمدی اور کارکردگی ہے۔ اصل چیز محض کل پیداوار کا اضافہ نہیں بلکہ معیشت کی حقیقی صلاحیت اور کارکردگی کی ترقی ہے۔ غور و بسین نے ایک نظام کی ذوقیت کے لیے اس کی کارکردگی کو معیار مانا تھا۔

۲۵-۸	۲۵-۴	جرمن
۲۱-۱	۲۲-۹	آٹلی
۱۶-۳	۱۶-۸	انگلستان
۱۵-۹	۱۷-۷	امریکہ
۳۲-۲	۲۲-۹	روس

دوسرا اور ہائین عالمی اشتراکیت کا بحران تبدیل اکالم ۱-۱۱ (صفحہ ۶۹)
 اللہ بکرہ۔ پیرولڈنشی۔ وی سویٹ ورلڈ۔ صفحہ ۱۲۵ اسی بات کو غور و شبہ نے اشتراک پارٹی کے تیسرے پروگرام ۱۹۶۱ء کو بیان کرتے ہوئے دہرایا۔

اس پہلو سے روسی معیشت نے کوئی اعلیٰ مثال قائم نہیں کی۔ مگر روسی معیشت کی پیدا آوری میں برابر اضافہ ہوا ہے لیکن اشترکیت سے قبل کے ۵۰ سال اور اشترکیت کے بعد کے ۵۰ سال کی جدوجہد کے باوجود وہ ابھی مغربی معیارات سے بہت پیچھے ہے۔ روسی مصنوعات کی کوالٹی بھی فروتر ہے، اندنی گن پیدا آوری اور کلاکروگی میں کم تر۔ پہلے پیدا آوری اور کلاکروگی کو سمجھتے۔ روس کے باہرین شماریات کی رو سے ۱۹۶۲ء میں روسی صنعت کی پیدا آوری امریکہ کے مقابلہ میں ۴۰ سے ۵۰ فی صدی تھی۔^{۱۲۲} مغربی باہرین کی رائے یہ ہے کہ پیدا آوری اس سے بھی کم ہے اور اوسطاً ایک تہائی کے لگ بھگ آتی ہے۔^{۱۲۳} اسی طرح روسی شماریات کے مطابق زراعت میں ۶۲-۱۹۵۸ء میں روس کی پیدا آوری امریکہ سے ۲ سے ۳۰.۵ گنا کم ہے۔ ایک ٹن تلہ پیدا کرنے کے لیے روس کے اجتماعی کھیت پر ایک کسان کو ۲.۳ گنا زیادہ وقت اور محنت صرف کرنی پڑتی ہے اور ایک ٹن گائے کے گوشت کے لیے ۲.۴ گنا

122. Norodnoe Khozyayslvo SSSR V 1962 Godu, p. 72

vide, "Economic Systems in Action, op.cit. p. 137.

123. Schroeder, G., "Soviet Industrial Labour Potentiality", *Dimensions of Soviet Economic Power*,

Joint Economic Committee, U. S. Congress

Washington, 1962, pp. 154-155

زیادہ وقت اور محنت۔^{۱۲۴}

یہ تو محاروسی ماہرین کا اعتراض۔ اب مغربی معاشیہ میں کی تحقیقات کو یہ سمجھ کر لی کلادک کے حساب کے مطابق گروس کی زرخیز آبادی کی گنجائی کم ہے لیکن ۱۹۳۸ میں چین اور ہندوستان کے سوا اس کی زرخیز پیدا آوری دنیا میں سب سے کم تھی۔ چین آٹھویں اکائیوں میں نیوزی لینڈ کی پیدا آوری ۲۴۴۴ یونٹ تھی آسٹریلیا کی ۲۲۲۲، امریکہ کی ۶۶۶۶ برطانیہ کی ۱۱۱۱، جاپان کی ۱۲۰۰ اور روس کی صرف ۸۸۔^{۱۲۵} یکمبرج کی مشہور راشنر کی اہل علم اور روسی معیشت کے ماہر پروفیسر مورس ڈوبسن نے بھی اس کا اعتراض کیا ہے محنت کی پیدا آوری مندرجہ کے مطابق نہیں برصغیر بلکہ بشکل اصل ہفت کا ۱۴^{۱۲۶} فی صدی حاصل کر پائی۔

پیدا آوری کا اندازہ کرنے کے لیے ایک اہم طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ ایک ملک کے مزدور کو ایک خاص چیز کرنے کے لیے دنیا کے مختلف ممالک

124. SSSR., SSLA (T SIFRY I FAKTY), Moscow

1961, pp. 57, 80, 83, 84, vide *Economic System in Action*, op.cit., p. 139.

125. Clark, Colin, "The Conditions of Economic Progress", op.cit., p. 246.

126. Dobb, Mauria, "Soviet Economic Development Since 1917", London, 1951, p. 249.

میں کتنے گھنٹے محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس سے کارکردگی کا علم بھی ہو جاتا ہے اور وہاں کے عام آدمی کے معیار زندگی کا بھی۔ اس سلسلہ میں متعدد اہم مطالعے موجود ہیں۔ ہم ایک تازہ ترین مطالعہ کے نتائج پیش کرتے ہیں جسے ایک جرمن مفکر اور سفارتی ناخبرہ پال وی ہیوے سی نے مرتب کیا ہے۔^{۱۲۷}

ایشیا۔	فرانس	مغربی جرمنی	امریکہ	روس
فی گھنٹہ جہت	۵۴۰ ہفریک	۳۰۱۸ مارک	۲۰۳۲ ڈالر	۴۲۲ روبل
روٹی	گھنٹہ منٹ	گھنٹہ منٹ	گھنٹہ منٹ	گھنٹہ منٹ
۱ کلوگرام	-	-	-	-
دودھ دیکھنا	۱۱	۱۳	۷	۳۱
کھس ایک کلوگرام	۵۱	۳۷	۲۳	۴۰
۱ (۱۰-۱۱) دھ	۴۸	۴۷	۱۱	۵۴
گتے کا گشت	-	-	-	-
۱ کلوگرام	۱۵	۵۶	۴۰	۵۱
آلو ۱ کلوگرام	۴	۶	۳	۱۴
مردانہ سوٹ ۱	۳۷	۴۵	۲۳	۴۷
مردانہ قمیص ۱	۱۹	۱۳	۲۵	۳۵

127. Hevesy, Paul De. "The Unification of the World"

Oxford, 1966, Appendix 11, p. 297.

۱۷	۳۷	۴۱	۴	۳۰	۱۱	۱۰	۱۷	مرد و جوتا ایک جوڑا
								ٹائیلوں جراب
۹	۷	۲۹	-	۸	۱	۲۲	۱	ایک جوڑا
								عورتوں کا لباس
-	۷۹	۲۸	۴	۲۰	۱۰	-	۱۱	ایک سوٹ
								عورتوں کا جوڑا
۴۵	۵۲	۱۰	۵	-	۷	۵۵	۱۲	ایک جوڑا

اس تبدیلی کے مطالعہ سے صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ تقریباً تمام اثاثے مزدور کی تیار ہی پر دوس میں دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وقت اور محنت و کار ہو رہی ہے اور جو اجرت مزدور کو ملتی ہے اس میں اس کے لیے ان چیزوں کا حصول کتنا دشوار ہوتا ہے۔

یہ ہے اشتراکی معیشت میں کارکردگی کی حیثیت۔ جس وقت اس کا موازنہ دنیا کے دوسرے ممالک سے کیا جاتا ہے، اس وقت صرف پیداوار کے کل حجم ہی کو دیکھنا کافی نہیں ہے، رفتار ترقی، پیداوار کے طویل المدت رجحان اور صنعت اور محنت کی پیدا آوری اور کارکردگی کا مطالعہ بھی ضروری ہے، اور جب ہم ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہیں تو اشتراکی معیشت ۵۰ سال کے غیر منقطع تجربہ کے بعد بھی کوئی اعلیٰ معیار پیش کرنے میں ناکام نظر آتی ہے!

اس صورت سال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایک مرکزی منصوبہ بندی معیشت

میں جس میں سارے وسائل پیداوار سرکاری تحویل میں لے لیے گئے ہوں اور سارے معاشی فیصلے ایک مرکزی ادارے کے ذریعے کئے جاتے ہوں وہ لچک، تغیر پذیری، اور مطلقیت پذیری نہیں ہو سکتی جو معیار کارکردگی کو بڑھانے کے لیے ضروری ہے۔ روسی معیشت کے پچاس سال اس پیچیدگی کا کھلا ثبوت ہیں۔

روس کی معاشی ترقی میں اشتراکیت کا حصہ

اب تک ہم نے اس موضوع سے بحث کی ہے کہ اشتراکیت تجربہ نے عملاً کیا کچھ حاصل کیا اور آیا اس کی کوئی امتیازی حیثیت ہے یا نہیں۔ حالات کا غیر جانب دارانہ مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ روس نے اشتراکیت کے تحت بلاشبہ ترقی کی ہے، لیکن یہ ترقی دنیا کے دوسرے ممالک کے تجربات سے جوہری اعتبار سے بہت مختلف نہیں ہے اور نتائج میں بھی کوئی غیر معمولی شان نہیں ہے لیکن اب ہم ایک اور بنیادی سوال اٹھانا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ حاصل کیا گیا ہے، کیا وہ اشتراکیت کا نتیجہ ہے، یا اس کے کچھ اور اسباب بھی ہیں۔ ہم اس سلسلہ کے فوری نکات اہل نظر کے غور و فکر کے لیے پیش کرتے ہیں اور ان کو دعوت دیتے ہیں کہ ان کی روشنی میں پورے معاملہ کا مطالعہ کریں۔

قدرتی وسائل کی بہتات

۱۔ کسی ملک کی معاشی ترقی کے مطالعہ میں سب سے پہلے اس بات کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے کہ اس کے پاس قدرتی وسائل اور محنت کی فراوانی ہے یا قلت۔ بلاشبہ شعوری کوشش، منصوبہ بندی اور قومی سعی و جہد کو بڑا اہم مقام حاصل ہے لیکن قدرتی وسائل کے فرق سے رفتار ترقی غیر معمولی طور پر متاثر ہو جاتی ہے۔

اس پہلو سے روس نہایت خوش نصیب ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً ۲۳ لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ اس کے مقابلہ میں امریکہ کا رقبہ جو مغربی ممالک میں سب سے بڑا ہے ۹۳ لاکھ مربع کلومیٹر اور چین کا رقبہ جو روس کے بعد سب سے بڑا ملک ہے ۹۵ لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ بات صرف رقبہ کی نہیں، معدنی دولت کے اعتبار سے روس دنیا کے سارے ممالک کے مقابلہ میں زیادہ امیر ہے۔ قابل کاشت زمین اس کے پاس سب سے زیادہ ہے اور آبادی کے اعتبار سے بھی روس دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے۔ ۱۹۹۲ء میں اس کی آبادی ۲۲ کروڑ تھی۔ اسی طرح صنعتی پیشہ کے اعتبار سے وہ دنیا کے تمام ممالک پر فوقیت رکھتا ہے۔ ان وسائل کو جو نظریہ جو حکومت اور جو نظام بھی استعمال کسے یہ اس کے خادموں ہوں گے۔ اشتراکیت کو اپنے تجربہ کے لیے ایک ایسا ملک ملا جو اس پہلو سے مفید ترین تھا۔ لیکن ایک دقیق النظر طالب علم کو قدرتی وسائل کی موزونی اور نظریہ اور نظام کی کارکردگی کے بائیک فرق کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔

صنعتیت کا آغاز

۱۸۵۰ء روس میں اشتراکیت نے جس وقت اپنے کردار کا آغاز کیا ہے اس وقت وہ آج کے پسماندہ ممالک کی طرح ایک غریب، غیر صنعتی اور پسماندہ ملک نہ تھا۔

تسلے ایک اندازے کے مطابق دنیا کے کل کوئلہ کے ذخائر کا ۵ فیصد ہی پگھلنے والی دھاتوں کے ذخائر کا ۱۰ فیصد ہی، اور جنگلات کا ۳۰ فیصد ہی روس کے پاس ہے ملاحظہ ہو۔

یہ ٹیک ہے کہ وہ یورپ کے دوسرے ممالک سے پیچھے تھا، یہ بھی صحیح ہے کہ وہاں سرمایہ داری اپنی پختگی کو نہیں پہنچی تھی۔ اور صنعتی انقلاب کا عمل ابھی مکمل نہیں ہوا تھا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صنعتی ترقی وسط انیسویں صدی سے شروع ہو گئی تھی۔ ۱۸۶۰ کے قانون کی رو سے زمینداری اور باگیر داری سے نہایت حاصل کر لی گئی تھی۔ اور صنعتی ترقی شروع ہو گئی تھی۔ ۱۹۱۳ میں روس صنعتی ممالک کے دائرہ میں داخل ہو گیا تھا۔ ۱۸۵۰ میں ریلوے لائن صرف ۵۰۰ کلومیٹر تھی لیکن ۱۹۱۳ تک یہ ۷۷ ہزار کلومیٹر ہو گئی تھی۔ لوہے کی پیداوار ۹۲ لاکھ ٹن سے متجاوز تھی۔ مینگانیڑ کی پیداوار ۱۲ کروڑ ٹن، کوئلے کی ۱۲ کروڑ ٹن تھی۔ روئی کا زیر کاشت رقبہ صرف ۹ سال سے ساڑھے ۷ لاکھ ایکڑ سے ۱۲ لاکھ ایکڑ ہو گیا تھا۔ ۱۸۸۶ میں روس کی بیرونی تجارت ۱۹ کروڑ طلائی روپل تھی۔ لیکن ۱۹۱۳ میں یہ ۱۲ ارب ۹ کروڑ روپل تھی۔ نیز ۱۹۱۳ میں برائیت کا ۳۰ فی صدی صنعتی اور نیم صنعتی مصنوعات پر مشتمل تھا۔ صنعتی پیداوار کے اعتبار سے روس ۱۹۱۳ میں دنیا میں پانچویں نمبر پر تھا۔ ۱۸۹۸-۱۹۱۳ کے درمیان ۵۰ سال میں صنعتی پیداوار میں ۱۰ فی صدی کا اضافہ ہوا تھا۔ ایک تخمینہ کے مطابق

-
131. See : De Costa, *The Economic Progress of Russia*.
 op. cit. pp. 5-6 ; Buchamin and Ellis, *Approaches
 to Economic Development*, op. cit., pp. 190-193 ;
 Hevesy, *The Unification of the World* op. cit. p.

قبل اشتراکیت کے صنعتی دور میں قومی پیداوار میں سالانہ رفتار ترقی یہ تھی۔

۱۸۸۵-۱۸۸۹	۹-۱۰	فی صدی سالانہ
۱۸۹۰-۱۸۹۹	۸-۱۰	"
۱۸۹۰-۱۹۰۹	۱-۴	"
۱۹۰۹-۱۹۱۳	۹-۲۵	"

امریکی ماہر معاشیات ہیری شووارز کا خیال ہے کہ ۸۹-۱۸۸۵ اور ۱۳-۱۹۰۹ کے درمیان پیداوار میں اوسط سالانہ اضافہ فی صدی سے زیادہ رہا ہے جو اس وقت کے امریکہ، برطانیہ اور جرمنی تینوں کی رفتار ترقی سے زیادہ تھا۔

اشتراک الہی تلم اس معاشی پس منظر کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ یہ باہد کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ روس کی ساری معاشی ترقی اشتراکیت کی کامیابی کے بعد ہوئی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اشتراکیت کو ایک قیمتی اثاثہ ورثہ میں ملا، اور اس

132. Gerschenkron, Alexander, 'The Rate of Industrial Growth in Russia Since 1875', *Journal of Economic History*, Supplement VIP, 1947, pp. 149-46.

133. Schwartz, Hery, *Russia's Soviet Economy*

Prentice Hall, London, 1953, P. 6

نے اس نامکمل تعمیر پر مزید اضافہ کا کام انجام دیا۔ جو کچھ اشتراکیت کے دور میں حاصل ہوا ہے اس کا اعتراف ضروری ہے، لیکن جس بنیاد پر اس نے کام شروع کیا اسے کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے؟ اور جو کچھ اشتراکیت سے پہلے حاصل کیا جاسکتا تھا اسے اشتراکیت کے حساب میں کیسے جمع کیا جاسکتا ہے۔

ترقی کے امکانات

(iii) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پسماندگی کے جہاں نقصانات ہیں، وہاں اس کے کچھ روشن پہلو بھی ہیں۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک ملک میں جس درجہ میں پسماندگی پائی جاتی ہے، اتنے ہی ترقی کے امکانات پوشیدہ ہیں پسماندگی سے پہنچنے کی طرف زیادہ تیز رفتاری سے جایا جاسکتا ہے، جب کہ پختگی کے حصول کے بعد رفتار ترقی کو تیز تر رکھنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اس کی مثال پودے کی سی ہے۔ پودا اپنی اصل قامت تک زیادہ تیز رفتاری سے پہنچنے لگا۔ لیکن ایک بار وہ قامت حاصل کرنے کے بعد پھر اس کے بڑھنے کی رفتار کم ہوگی۔ جس طرح ایک بچہ بلوغت تک پہنچتے پہنچتے تیزی سے بڑھتا ہے اور اس کے بعد اس کے قد و قامت میں اضافہ نہیں ہوتا اور وہ ارتقاء کی دوسری راہیں تلاش کرتا ہے، اس طرح ایک پسماندہ معیشت کے لیے بھی ایک خاص دور میں زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ مراحل ترقی طے کرنا ممکن ہوتا ہے۔ روس نے بھی اب تک پس ماندگی کے ان امکانات سے فائدہ اٹھایا ہے اور آئندہ اس کے لیے رفتار ترقی کو قائم رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔

(iv) اسی طرح معاشی دھڑ میں بعد میں شریک ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ مسلم

کیٹنا لوجی سے وہ ملک پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جس راستے کو اوروں نے صدیوں میں طے کیا تھا اسے وہ برسوں میں طے کر سکتا ہے۔ وہ علم و تحقیق اور ایجاد و اختراع کے کچے پھلوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور جہاں دوسروں نے ٹھوکریں کھائی تھیں ان مقامات سے چٹکی اُگھی حاصل کر کے زیادہ آسانی سے راستے طے کر سکتا ہے۔ روس کو بھی یہ فائدہ حاصل رہا ہے اور اس کا سہرا اشتراکیت کے سر نہیں باندھا جاسکتا۔ ہر وہ ملک جو اس دوڑ میں شرکت کرے گا اپنے پیش روؤں کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا اور جرمنی کی کارکردگی انگلستان سے بہتر تھی۔ جاپان نے ان مراحل کو اور بھی بک رفتار سے طے کیا۔ آج کے پچاندہ ممالک تازہ ترین مشینوں سے استفادہ کر رہے ہیں۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کے پلانٹ لگا رہے ہیں۔ روس نے بھی اپنے دور کے دوسرے ترقی یافتہ ممالک سے پورا پورا استفادہ کیا اور ہر سفر کو از سر نو شروع نہیں کیا۔ یہ پہلو بھی ایسا ہے کہ اس سے حاصل کئے ہوئے فوائد کو اشتراکیت کے حساب میں جمع نہیں کیا جاسکتا۔

(۷) اشتراکیت کے تحت جو معاشی ترقی ہوئی ہے اگر اس کے اسباب اور محرکات کا زیادہ گہرائی میں باکرمطالعہ کیا جائے تو بڑے حیران کن نتائج سامنے آتے ہیں۔ روسی اشتراکیت نے معاشی ترقی کے میدان میں ان بنیادی اصولوں اور عوامل (Processes) سے کوئی بنیادی انحراف نہیں کیا جو سرمایہ دارانہ ممالک میں کارفرما نظر آتے ہیں۔ خصوصیت سے پیداوار (Production) اور ترقیات (Development) کے دائروں میں اشتراکیت کا اپنا مخصوص

کا نام نہ بہت ہی محدود ہے۔ اشتراکیت نے جو کچھ کیا وہ یہ تھا:
 (الف) معیشت کو ایک مرکزیت عطا کی اور اس مرکزیت میں ایک نظریہ کو کم از کم
 زبانی حد تک مرکزی اہمیت دی۔

اب، وسائل پیداوار میں سے بیشتر کو آہستہ آہستہ قومی ملکیت میں لے لیا۔
 (ج) تنظیمی (Organizational) اعتبار سے بنیادی تغیرات کئے اور صارفین
 معاشی سرگرمی کو مرکزی منصوبہ کا پابند بنایا۔

(د) جو معاشی حکمت عملی (Strategy) اختیار کی وہ یہ تھی۔

و صنعت و تجارت اور پیکاری کی قومی ملکیت
 و زراعت کو اجتماعی کاشت کے نظام میں منظم کرنا
 و منصوبہ بندی

و جمہوری صنعت کو اولیت دینا اور پوری معیشت کو اس کی ترقی سے وابستہ
 کر دینا۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ ساری تبدیلیاں تنظیمی اور ہستی نوعیت
 (Structural) کی ہیں۔ لیکن ترقی کے لیے جو بنیادی عوامل اور اصول اختیار
 کیے گئے وہ سرمایہ دارانہ نظام کے طریقوں سے مختلف نہ تھے، جو فرق پڑا وہ
 صرف یہ تھا سرمایہ داری میں یہ کام بہت سے سرمایہ دار کرتے ہیں اور اشتراکیت
 میں ایک بہت بڑا سرمایہ دار، حالانکہ اشتراکیت کا دعویٰ تھا کہ علم معاشیات اشراک
 نظام میں ختم ہو جائے گا۔ ہم صرف چند اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

ترقی کا سرمایہ دارانہ اسلوب

۱) نظام سرمایہ داری میں، اور سرمایہ دارانہ معاشیات میں، ترقی کا بنیادی عامل سرمایہ کاری (Investment) کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ کل پیداوار میں سے ایک قابل ذکر حصہ صرف سے بچایا جائے گا اور اسے سرمایہ کی شکل دے کر مزید پیداوار کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ جتنا زیادہ سرمایہ ہوگا اتنی ہی تیز رفتاری سے ترقی کی جاسکے گی۔ بلاشبہ اور عاملین پیداوار بھی ہوں گے۔ لیکن سرمایہ کاری کی مقدار اور معاشی ترقی میں ایک مثبت ہم مطابقت (Positive correlation) ہے۔ اس لیے نظام سرمایہ داری میں عدم مساوات کو پسند کیا جاتا ہے کہ یہ بچت اور سرمایہ کاری میں معاون ہوتی ہے۔ اجرتوں کو کم رکھنے کی کوشش ہوتی ہے تاکہ سرمایہ کاری کے لیے زیادہ وسائل بچ سکیں۔ عام مفروضہ کو بھی کچھ خاص حدود میں رکھنا پسند کیا جاتا ہے تاکہ صرف اور سرمایہ کاری کا توازن نہ جگڑے۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود سرمایہ دارانہ امور پر کلی اختیار نہیں ہوتا۔ وہ مجبور ہوتا ہے کہ عوام کی خواہشات کا خیال رکھے۔ معاشی محرکات، سیاسی دباؤ، قانونی رکاوٹیں، سب اپنا اپنا حصہ ادا کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ کوشش کے باوجود سرمایہ کاری کو ایک خاص حد سے زیادہ نہیں بڑھایا جاسکتا۔ صرف پر اس سے زیادہ گرفت سماجی بحران اور سیاسی خلفشار پیدا کر دیتی ہے۔ روس کی معیشت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترقی کا انحصار بھی سرمایہ کاری پر رہا ہے اور چونکہ وہاں حکومت کی گرفت عوام پر بہت سخت تھی، اس لیے سرمایہ کاری کا تناسب سرمایہ دارانہ ممالک سے بھی کہیں

زیادہ رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم طلباء اشتراکیت کو روس اور دوسرے ملک میں سرمایہ کاری اور کل پیداوار کے تناسب کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔
۱۹۵۵ء میں صورت حال یہ تھی۔

ملک	کل قومی پیداوار	سرمایہ کاری کا تناسب
برطانیہ	۱۶۰۳	فی صدی
فرانس	۱۸۰۵	۵
اٹلی	۱۹۰۰	۵
امریکہ	۲۰۰۳	۵

آئیے جب ہم معاشی ترقیات کے مسئلہ پر ایک مسلمان کے ذہن سے غور کرتے ہیں تو ہمیں سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے اس تصور میں کہ سرمایہ کاری کے نتائج زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے ایک بنیادی سقم نظر آتا ہے۔ ان دونوں میں معاشی ترقی میں موثر اور کارفرما عامل، سرمایہ ہے جب کہ ایک مستغنا اور فلاحی معیشت میں اصل عامل، انسان، کو چھوڑنا چاہیے۔ نقطہ نظر کی اس غلطی کو ایک خاص حد تک اب مغرب کے کچھ معاشی مفکر بھی محسوس کرنے لگے ہیں اور اس وقت جو کام انسانی سرمایہ کاری (Formation of human capital) کے موضوع پر ہو رہا ہے وہ اس کا ثبوت ہے۔ لیکن یہ ماضی کے طریقے سے انحراف کی طرف صرف ایک قدم ہے۔ اب بھی ناپختہ کے چہانے غیر انسانی ہی ہیں۔ اصل تبدیلی اس انقلاب کے بغیر نہیں آسکتی جو اسلام لانا چاہتا ہے۔

۲۵-۳

روس

روس کے اشتراکی دور میں قومی دولت کا ۲۵ سے ۳۰ فی صدی سرمایہ کاری کے لیے صرف ہوا ہے۔ اگر سرمایہ کاری کے اعداد و شمار کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیداوار میں اضافہ کے اعداد و شمار سے بھی زیادہ متحرک ہیں۔ ۲۸-۱۹۱۸ء میں صرف ارب روپل دس تھے اکی سرمایہ کاری ملتی ہے۔ ان دس سالوں کے مقابلہ میں پہلے پنج سالہ منصوبہ کے ۵ سال میں ۴۸ ارب روپل بطور سرمایہ لگانے گئے۔ دوسرے پنج سالہ منصوبہ کے دوران یہ مقدار ۱۱۴ ارب روپل ہو گئی۔ تیسرے منصوبہ کے دوران یہ رقم ۱۷۰ ارب روپل تھی۔ واضح رہے کہ جنگ کی وجہ سے اس منصوبہ پر صرف تین سال کام ہو سکا تھا۔ جنگ کے زمانے ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۵ء، سرمایہ کاری ۱۷۰ ارب روپل تھی۔ اس کے بعد کی کیفیت یہ رہی ہے۔

۵۰-۱۹۴۶ء	۲۲۰ ارب روپل
۵۵-۱۹۵۱ء	۲۹۰
۶۰-۱۹۵۶ء	۴۲۰
۶۵-۱۹۵۷ء	۴۵۰
۷۰-۱۹۵۸ء	۴۰۰
۷۵-۱۹۵۹ء	۴۲۰
۸۰-۱۹۶۰ء	۴۶۰

یہ تمام اعداد و شمار روس کے مرکزی شعبہ شماریات نے ۱۹۶۲ء میں جاری کیے

تھے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ روس میں اشتراکی دور میں ۲۴۴۲۲ ارب روپے کی سرمایہ کاری ہو چکی ہے۔ ۶۰-۱۹۵۱ کے درمیان روس میں سرمایہ کاری میں اضافہ ۲۳۱ فی صدی کا ہوا جبکہ اسی زمانہ میں امریکہ میں اضافہ ۱۲ فی صدی برطانیہ میں ۶۴ فی صدی اور فرانس میں ۶۳ فی صدی کا تھا۔ اگر سرمایہ کاری میں اس اضافہ اور پیداوار کے اضافہ کو ساتھ ساتھ دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ روس کی ترقی کی رفتار سرمایہ کاری کی مناسبت سے سست رہی ہے

اور

• اشتراکیت کی ترقی بھی انہی بنیادی معاشی قوتوں کی رہی منت ہے جن کی سرمایہ دارانہ ممالک کی ترقی۔

(۲) مغربی ممالک کی معاشی ترقیات میں ایک اور بڑا اہم عامل معاشی نفع کا محرک رہا ہے۔ اشتراکیت کا دعویٰ تھا کہ وہ ذاتی نفع و نقصان کے محرکات کو ختم کر دے گی اور سماجی محرکات (Social incentives) کے ذریعہ معاشی زندگی کا نانا بانا تیار کرے گی۔ لیکن پہلے تیس سال کے تجربے نے اس اصول کے غیر حقیقی ہونے کو ثابت کر دیا۔ ۱۹۳۱ء سے اجرتوں کے فرق اور معاشی محرک کے اصول کو علناً اختیار کر لیا گیا لیکن پہلے دس سال کچھ شرم و جھجک باقی تھی اس لیے مساوات کو مقصد ضرور قرار دیا گیا۔ اور ۱۹۳۱ء سے اسے بحیثیت ایک اصول بھی ترک کر دیا گیا۔ اور اس وقت سے آج تک عدم مساوات اور دوسرے معاشی محرکات

کو کھلے بندوں، زندگی کی ہر سطح پر استعمال کیا گیا ہے۔ اپنی روح کے اعتبار سے یہ وہی اصول ہے جسے سرمایہ داری نے استعمال کیا ہے اور جس کے سہارے اس کی ساری رونق قائم ہے۔

اجرتوں میں تفاوت

سب سے پہلے اسٹالن نے یہ آواز بلند کیا کہ اشتراکیت مساوات کی طلبوار نہیں ہے اور جو لوگ یہ نعرہ بلند کرتے ہیں وہ مارکسزم کے دشمن ہیں۔ اس نے کہا ”مارکسزم مساوات پرستی کا دشمن ہے۔“

میکویان نے ایک انٹرویو میں عدم مساوات اور معاشی محرک کے احیاء کا پورا فلسفہ بیان کیا ہے۔

”یہ فرق بالکل فطری ہے اس لیے کہ ایک زرمعیشت کو تربیت یافتہ ماہرین اور پرستے کھے طبقہ کی تشکیل کرنا تھی۔ اہل افراد کے مجدد و جہد کرنے اور سیکھنے اور ابھرنے کے لیے بڑے تفاوت (Big gap) کی ضرورت ہے۔ یہ ضروری بھی تھا اور صحیح بھی تھا۔ دوسری جنگ کے بعد یہ فرق اور بھی بڑھا۔ دوسری جنگ اور اس کے فوراً بعد کارخانوں اور فیکٹریوں نے ان کاموں کے لیے جن کے لیے عام طور پر آدمی نہ ملتے تھے بڑے اونچے اونچے معاوضے کئے۔ ہماری صنعت میں انہوں نے ڈاکٹروں، تربیت یافتہ کارکنوں اور

انجیئرؤں کی تنخواہیں بہت بڑھادیں۔^{۱۳۷}

خروشیف نے بھی اس پالیسی کا برملا اعلان کیا ہے۔ اس نے ۵ مئی ۱۹۶۰ کو پیرام سویٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

”ہم اجرتوں میں فرق کو مٹانے کی ہر تحریک کے سختی سے مخالف ہیں۔

ہم اجرتوں میں مساوات قائم کرنے اور ان کو ایک سطح پر لانے کے کھلے

بندوں مخالف ہیں۔ یہ پینن کی تعلیم ہے، اس لیے کہ اس کی تعلیم یہ

تھی کہ سوشلسٹ سماج میں مادی محرکات کا پورا لحاظ کیا جاتے گا۔“^{۱۳۸}

اس کا نتیجہ ہے کہ اشتراکی روس میں عدم مساوات اور اس کے فرق کے تقریباً وہی

اصول کارفرما ہیں جو سرمایہ دارانہ ممالک میں ہیں۔^{۱۳۹}

137. Perlo, Victor, *How the Soviet Economy Works*

An Interview with A. I. Makoyan, p. 43.

۱۳۷۔ بحوالہ سویٹ ورلڈ صفحہ ۲۴۶۔ خروشیف صاحب شاید یہ بھول گئے کہ لینن

نے ”اسٹیٹ اینڈ ریولوشن“ میں یہ لکھا تھا کہ اشتراکی سماج میں اجرتوں میں مساوات

ہوگی اور دوسری ریڈیو فونین کانفرنس منعقد جنوری ۱۹۱۹ء کے موقع پر کہا گیا تھا کہ

اجرتوں کا زیادہ سے زیادہ فرق ۱:۵ اور ۱:۱۰ کا ہوگا۔ یہ اہدات ہے کہ برسرِ اقتدار

اگر اور ۳ سال کے ناکام تجربات کے بعد نئی معاشی پالیسی میں اسے اجرتوں کے

عدم مساوات اور معاشی محرکات کے اصول کو بحال کرنا پڑا۔

۱۳۸۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

Bergson Abram, *The Structure of soviet Wages*,
Harvard University Press Cambridge Mass 1946
p. 208.

ایک مشترک اہل علم ایم۔ وائی یون نے ۱۹۳۷ء میں فرق کی یہ کیفیت بیان کی تھی۔^{۱۴۰}

عام مزدور	۱۱۰ سے ۳۰۰ روپل ماہانہ عموماً ۱۵۰-۱۲۵
دریائے انسر	۳۰۰ سے ۱۰۰۰ " "
اوپر چنے انسر	۱۵۰۰ سے ۱۰۰۰۰ روپل
چوٹی کے لوگ	۲۰۰۰۰ سے ۳۰۰۰۰ روپل ماہانہ
روس پرچے	کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں ایک کان
(Donet Basin Mine)	میں جس میں ۱۵۳۵ افراد ملازم تھے کیفیت
پر تھی۔ ^{۱۴۱}	

۱۰۰۰	افراد	۱۲۵	روپل ماہانہ
۴۰۰	"	۵۰۰ سے ۸۰۰	" "
۷۵	"	۸۰۰ سے ۱۰۰۰	" "
۶۰	"	۱۰۰۰ سے ۳۵۰۰۰	" "

اناطولے شہر کے اکتوبر ۱۹۳۶ء کے ایک مطالعہ کی روشنی میں یہ نتائج بیان

140. Yuon, M L'Urss, Telle Quelle est. p. 215-18.

Vide, Yu Tang, Lin, "The Secret Name", op.cit.,
p. 131.

141. Trud, January 20, 1936.

کئے تھے کہ کل تنخواہ پانے والوں میں سے صرف ۲ فی صدی کو ۵۰۰ روپل یا اس سے زیادہ ملتے ہیں اور ۷۹ فی صدی وہ ہیں جن کو ۲۴ روپل سے کم ملتے ہیں ان میں سے ایک تہائی وہ ہیں جن کو ۱۲ روپل سے کم ملتے ہیں۔^{۱۴۲}

ڈائرکٹر فنڈ ایک مستقل فنڈ ہے جس میں کل پلان کے حاصلات کا ہ فیصدی اور پلان سے زیادہ پیداوار پر آمدنی کا ۵ فی صدی جابک ہے۔ حنا رکو (Kharkov) کے علاقہ میں اس فنڈ کی تقسیم اس طرح تھی۔ ڈائرکٹر کا حصہ ۲۶-۶ فی صدی ۱۹۳۶ء مطالعہ کے وقت ایک سال میں یہ حصہ ۲۲ ہزار روپل تنخواہ پارٹی میکر ٹی کا حصہ ۱۶ فی صدی یعنی اس وقت ۹۰ ہزار، پیداواری آفس کا سربراہ ۳-۳ فی صدی انتظامی عملہ کا سربراہ ۱۰ فی صدی، یونین کا سربراہ ۶ فی صدی باقی تمام مزدور ۸ فی صدی۔^{۱۴۳}

روسی فوج میں ۱۹۳۳ء میں ایک سپاہی کو صرف ۱۰ روپل ملتے تھے جبکہ لفٹیننٹ کو ۱۰۰ روپل اور کرنل کو ۲۴۰۰ روپل ملتے تھے۔^{۱۴۴} لیون سیڈو لکھتا ہے کہ

”تشابہ ہی کوئی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک ایسا ہو جہاں مزدور کا کھانے کی اُچرتوں میں اتنا تفاوت ہو جتنا روس میں ہے۔“

142. Shub, Anatole, *Labour in the Soviet Orbit*, p. 24.

143. Lin Yu Tang, *The Secret Name*, p. 134.

144. *The Economist*, London, July, 3, 1943.

میڈو نے مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ عام اداروں میں فرق ایک اور ۲ کا ہے اور اگر تربیت یافتہ انجنیر اور اعلیٰ حکام کو لیا جائے تو ایک اور ۸ اور ایک اور ۱۰ کا ہے۔

اسٹیفونز وائٹ تحریک عدم مساوات کو مستحکم کرنے کا ایک ذریعہ ثابت ہوئی۔ اجرتوں میں فرق ایک اور تیس سے لے کر ایک اور ستون تک باہم چھاپا دیا کرتا ہے۔ جیت انجنیروں اور منظر کے معاوضوں کو لیا جائے تو فرق ایک اور ۳ تک کا پایا جاتا ہے۔ ۱۹۴۳ء میں روس کے اخبارات میں پہلے اشتراکی بلکہ پرولتاریہ لکھ پتی (Proletarian millionaire) کی دوسری اور یہ اعزاز ایک کھیت کے سربراہ کامریڈ ایچ بی کوٹ (Berdychkov) کو حاصل ہوا۔ اس کے بعد سے ایسے ایسے لکھ پتیوں کی تعداد میں برابر اضافہ چودہا ہے۔ ایک نام نگار نے ۱۹۵۲ء میں لکھا تھا کہ سویت پیپیر آف کامرس کے صدر کو ۱۵ ہزار روپل ماہانہ ملتے ہیں جبکہ وزیر مار کی تنخواہ ۲۰ ہزار روپل اور اکیڈمی آف سائنسز کے صدر کی تنخواہ ۳۰ ہزار روپل ماہانہ ہے۔ کوئی اہم ایسباجہ کرنے والے کو ۲۰ ہزار روپل ملتے

145. New International, February 1936,

146. Koesler, Arther, *The Yogi and the Commissar*, Jonathan Cape, London, 1947, p. 163,

147. *Economia Weekly*, Delhi 'vide, Banerji, Jayanta. *Aspects of Soviet Economy*, Calcutta, 194 p 21

ہیں اور جو لوگ اشائیں پر انحصار حاصل کرتے ہیں ان کو ہلاک و بلی انعام ملتا ہے۔ یہ سب آخر کیا ہے؟ جس وقت تک اس خالص سرمایہ دارانہ اصول کو استعمال نہ کیا گیا معاشی ترقی رونما نہ ہو سکی۔ روس پر چین کا ایک بنیادی الزام یہ بھی ہے کہ اس کی ترقی اشتراکیت کے بنیادی اصولوں کی سرچوں منت نہیں ہے بلکہ اس نے ان سے انحراف کیا ہے۔ پکنگ ریویو لکھتا ہے۔

”روس کے موک کی پالیسی کے نتیجہ میں آمدنیوں میں تفاوت۔ ایک طرف عام مزدوروں، کسانوں اور پرشے سکے طبقے کی آمدنیاں اور دوسری طرف ایک اقلیت کی، خوش نصیبوں کے ایک گروہ کی۔ ان دونوں میں فرق بڑھ رہا ہے کم نہیں ہوا ہے۔ صاحبان طبقہ کے لوگوں کی تنخواہیں عام مزدور اور کسانوں کی آمدنی سے ۱۰۰ گنا زیادہ تک ہیں۔“

امریکہ کے بارے میں روسی اعداد و شمار یہ ہیں کہ وہاں فرق ایک اور اکتیس (۳۱) کا ہے۔ روسی سرکاری اعداد و شمار کے مطابق وہاں صرف ماہانہ تنخواہوں میں ایک اور تیس (۳۰) کا فرق موجود ہے اور روس اور دوسری آمدنیاں شامل کرنے کے بعد یہ فرق اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ ڈی کوٹا نے جو

148. "On Khrushchev's Phoney Communism" *Peking Review*, Peking, July 17, 1964, pp. 14-15.

149. See, *Economic Systems in Action*, op. cit., pp. 133-136.

اعداد و شمار دیتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ روس میں آمدنی کا ۵ فیصدی آبادی کے اوپر کے ۱۱ یا ۱۲ فیصدی کو جاتا ہے جب کہ امریکہ میں اوپر کے ۱۰ فیصدی آبادی کا حصہ ۳۵ فی صدی سے زیادہ نہیں ہے۔ ^{۱۵۰} اشتراکیت میں پایا جانے والا تفاوت حیران کن ہے۔ جیسی تو بارج آدول نے کہا تھا کہ شب بانور برابر ہوتے ہیں لیکن کچھ بانور کچھ زیادہ ہی برابر ہوتے ہیں۔ ^{۱۵۱} اعلیٰ برطانوی سوشلسٹ ونگس جے نے لکھا ہے کہ

اُس وقت روسی سماج میں حقیقی آمدنی دکائی جاتی، میں ٹیکس کے بعد اوپر اور نیچے کی سطحوں میں فرق برطانیہ اور اسکاٹلینڈ نیویارک کے ملائک سے زیادہ اور اغلباً امریکہ میں پائے جانے والے تفاوت کے برابر ہے۔ ^{۱۵۲}

یہی وہ بات ہے جسے سڈنی اور پریٹس ویجنے بھی تفصیل سے بیان کیا تھا۔ ^{۱۵۳}

150. Dr Coste, *The Economic Progress in Russia*, op. cit., p. 68.

151. Orwell, George, *The Animal Farm*.

152. Jay, Douglas, *Socialism in the New Soviet*. Longmans, London, 1962, p. 16-see also pp. 17-18.

153. Webb, *Soviet Communism: A New Civilization*. op. cit., pp. 966-67.

اس کا انکار کسی بڑے سے بڑے نقاد کے لیے ممکن نہیں۔

پھر اس عدم مساوات کے بھی متعدد پہلو ہیں۔

دفعہ ۱، زرعی آبادی اور شہری آبادی کے درمیان عدم مساوات۔ سارا نظام صنعتی

شہری آبادی کے حق میں اور دیہی آبادی کے خلاف ہے جو آبادی کا ۵۰

فیصدی کے قریب ہے۔

دفعہ ۲، مختلف علاقوں کے درمیان تفاوت۔

دفعہ ۳، روس کی قومیتوں میں، روسی اور غیر روسی کے درمیان فرق۔

دفعہ ۴، مختلف گروہوں اور کام کرنے والوں کے درمیان خلیہ فرق۔

دفعہ ۵، بالکل بلا محنت کمانے والے افراد کے لیے نہ صرف یہ کہ روزانہ کھل گیا ہے بلکہ

وہ بڑی رقمیں کماتے ہیں۔

آدنیوؤں کی عدم مساوات کو دور کرنے والی چیز انکم ٹیکس ہے۔ لیکن وہ روس

میں غیر موثر ہے۔ مدرسین ڈوب نے بھی اعتراف کیا ہے کہ روس میں انکم ٹیکس

کا آدنیوؤں کی عدم مساوات پر بہت ہی معمولی اثر پڑتا ہے۔ ^{۱۲} زیادہ سے

زیادہ شرح ٹیکس ۱۳ فی صدی سالانہ ہے۔ اس طرح جی کی آمدنیاں زیادہ ہیں وہ

ٹیکس کے اثر سے بچ جاتے ہیں جب کہ اشیائے صرف پر غیر معمولی ٹیکس ہیں اور

ان کا سارا بار عوام پر پڑتا ہے۔ اسی لیے روس کے مابین آنی نظام کو تمام محققین

رجحی کہتے ہیں۔

دوسری چیز جو عدم مساوات کے بڑے اثرات کو کم کر سکتی تھی۔ راشننگ ہے۔ جنگ کے بعد اس نظام کو آہستہ آہستہ ختم کر دیا گیا ادصاب ہر شخص کو ایک ہی بلڈار سے اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنا پڑتی ہیں۔ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے پہلے دو قسم کی قیمتیں ہوتی تھیں، کم اجرت والے لوگوں کے لیے کم قیمتیں اور باقی لوگوں کے لیے زیادہ۔ لیکن سرکاری قیمتوں کو اب ختم کر دیا گیا ہے۔

عدم مساوات کو کم کرنے والی چیز تعلیم بھی ہے۔ تعلیم روس میں مفت ہے اور اسے بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دوسری جنگ کے بعد کچھ خاص شعبوں میں تعلیم پر فیس بھی لگا دی گئی۔ اور اس طرح یہ دروازہ بھی اب بند چور ہا ہے۔ ۱۹۴۰ء میں دو اکتوبر، یہ فیسیں مائد کی گئیں ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک ماہ کے اندر اندر ۶ لاکھ طلباء اسکول چھوڑنے پر مجبور ہو گئے کہ وہ فیس نہیں دے سکتے تھے۔ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں جہانی محنت کرنے والوں مزدوروں کی اولاد برابر کم جاب بھی ہے اور اُونچے طبقے کے لوگوں کی اولاد بہ آسانی جاب بھی ہے۔ مزدوروں کی اولاد کے داخلوں میں کمی کی رفتار یہ ہے۔

۱۹۳۲ء	۱۹۳۵ء	۱۹۳۸ء
۳۰۰ فیصدی	۵۰۰ فیصدی	۳۳۰۹ فیصدی
۵۱-۳	۳۱-۴	۲۴-۱

صنعتی کالجوں میں داخلہ لینے والوں کی تعداد کا ۱۹۵۰ء میں فی صدی انتظامیہ اور ماہرین کے رٹ کے تحت۔ مٹری اکیڈمیوں میں اڈسچے جتنے کے لوگوں کو داخلہ کی سہولتیں حاصل ہیں جتنے یہ تمام حقائق عدم مساوات کی بڑی تکلیف دہ صورت حال کو سامنے لاتے ہیں۔

یہاں بھی صاف نظر آتا ہے کہ روس کی ترقی میں اشتراکیت سے زیادہ حصہ معاشی محرکات کے چابک دستی کے ساتھ استعمال کو حاصل رہا ہے۔

کسانوں اور مزدوروں کا استحصال

(۳) سرمایہ داری میں معاشی ترقی کے حصول کے لیے ایک اور حربہ یہ استعمال کیا گیا کہ ایک مدت تک مزدور کو اس کے حق سے محروم رکھا گیا۔ مزدوروں سے بیگار لی گئی، اوقات کار نہایت طویل رکھے گئے، ان سے زبردستی کام لیا جاتا تھا، بچوں اور عورتوں تک سے مزدوری لی جاتی تھی، تنظیم بندی کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی جاتی تھیں۔ اجرتیں کم رکھی جاتی تھیں اور اس طرح مزدور کی قیمت پر معاشی ترقی کا سامان کیا گیا تھا۔ اشتراکیت نے بھی بالکل یہی راستہ اختیار کیا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ مزدور کے ساتھ ساتھ اس نے کسان کا استحصال بھی کیا اور مزدور سے کچھ زیادہ کیا اور اس تمدنی کے ساتھ کہ یہ سب کچھ بیسویں صدی میں کیا اور مزدور کے نام پر کیا۔ حقائق صاف بتاتے ہیں کہ جس طرح سرمایہ دارانہ نظام میں معاشی ترقی کا انحصار استحصال (Exploitation) پر رہا ہے، اسی طرح اشتراکیت

میں بھی رہا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ گزشتہ ۵۰ سال سے روس میں مسلسل کسانوں کو ان کے حق سے محروم کیا جا رہا ہے۔ اور ان کے گرم خوں سے دلویش کاسا میں فراہم کیا گیا ہے۔ معاشی ترقی کے لیے کثیر وسائل زراعت سے منتقل کئے گئے ہیں اور زراعت کے سنوارنے اور کسانوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوئی مساوی کوشش نہیں ہوئی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک اجتماعی فارم سے کل پیداوار کا ۳۱ فی صدی ریاست کے لیے لے لیا جاتا ہے اور ۲۷ فی صدی ریاست کو بیج اور پارہ وغیرہ کے نام پر لازماً واپس کنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد کاشت کار کو جو حصہ ملتا ہے وہ کل مجموعی پیداوار کا صرف ۰.۹-۲.۹ فیصد ہے۔ اس طرح معاشی ترقی کے لیے کسانوں سے جبری طور پر وسائل حاصل کیے جاتے ہیں اور ان کو نہایت خراب سال میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

زراعت کی اجتماعی بندی نے جو اصل کارنامہ انجام دیا وہ یہی تھا کہ پوری زراعت کو حکومت کی پالیسیوں کا تابع کر دیا اور ان وسائل کو جبری طور پر معاشی ترقی کے لیے استعمال کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ ماس ڈوب بھی اعتراف کرتا ہے کہ

”پچھلے پانچ سالہ منصوبہ کے سخت مشکل حالات میں زراعت کی اجتماعی بندی نے جو کارنامہ انجام دیا وہ یہ تھا کہ اس کے ذریعہ

زرمی پیداوار کا قابل فروخت زائدہ (Surplus) حاصل ہو گیا۔ یہ حصہ
غلہ اور لوہے کے سلسلہ میں ۹ سال قبل کے مقابلہ میں دو گنا تھا اور روٹی،
فلیکس اور آدن کے سلسلہ میں دو گنے سے بھی زیادہ^{۱۵۸}۔

یہ زائدہ اس وقت حاصل کیا جا رہا تھا جب کہ ان بھوک سے مر رہے
تھے اور اسے مشینری درآمد کرنے کے لیے برآمد کیا جا رہا تھا^{۱۵۹}۔ جس وقت
زرمی پیداوار گر رہی تھی اور ملک میں تھکن کی کیفیت تھی، اس وقت، بقول
بے کوٹ، غلہ کی برآمد زوروں پر تھی^{۱۶۰}۔

۱۹۲۹	غلہ کی برآمد	کل فصل کا حصہ
۱۹۲۹	۲-۲۱	فی صدی
۱۹۳۰	۶-۳۱	"
۱۹۳۱	۲-۳۵	"
۱۹۳۲	۵-۲۲	"

یہ تناوہ استحصالی ذہن جو روس کی ترقی کا ذمہ دار تھا۔ ان حالات کو دیکھتے
اور پھر انٹارویس انیسویں صدی کے انگلستان کے کانوں اور مزدوروں کے حالات
کو پڑھئے۔ آپ کو دونوں میں بڑی مماثلت ملے گی!

158. Dobb, *Soviet Economic Development Since 1917*,
p. 247.

^{۱۵۹} اس کا اعتراف خود تسلیم بھی کر چکا ہے۔ حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔

160. Baykov, A., *Soviet Economic System*, p. 76.

پھر حکومت کاشت کاروں سے جس قیمت پر زرعی پیداوار خریدتی ہے وہ کم رکھی گئی ہیں۔ جب کہ وہ اشیائے صرف جو کاشت کار استعمال کرتا ہے بہت مہنگی ہیں اور ان پر بکری ٹیکس (Sales tax) بھی لگایا گیا ہے۔ یہ بکری ٹیکس قرضی مالیات کا تقریباً ۶ فیصدی فراہم کرتا ہے اور اس کا سارا بار کسان اور عام صارفین پر، جن میں مزدور بھی شامل ہے، پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روس کا معیار زندگی پست اور مزدوروں اور کسانوں کے حالات زندگی غیر تسلی بخش ہیں۔ بلکہ حسیا کہ ہم آئندہ دیکھیں گے ان کی حقیقی آمدنی میں اضافہ کی بجائے کمی واقع ہوتی ہے۔

جبری محنت اور بنگار

اس معاشی ترقی کے لیے مزدوروں کو جو قیمت دینی پڑی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی اچھریں قیمتوں کے مقابلہ میں کم رہی ہیں، معاملات کاران کے ناموافق ہیں، آواز و تنظیم بندی کے حق سے انہیں دست بردار ہونا پڑا ہے، ٹریڈ یونین تنظیمات کے دست و بازو بن گئی ہیں اور مزدوروں کے حقوق کے لیے جدوجہد ختم ہو گئی ہے، آنا دی روزگار باقی نہیں رہی ہے، ایک کاروبار کو چھوڑ کر دوسرے کو اختیار کرنے پر مختلف قسم کی پابندیاں ہیں، کھیتوں میں بچوں سے ذمہ داری کم لیا جاتا ہے بلکہ قانونی طور پر ۱۲ سال تک کے بچوں کی محنت کو استعمال کرنے کی اجازت موجود ہے۔ اور کم از کم ۱۹۵۵ء تک جبری محنت کا نظام جاری رہا ہے جس کے تحت سیاسی قیدیوں کی فوج ظفر مروج سے سخت ترین محنت لی گئی اور کم سے کم صرف پر لی گئی۔ ہم اس سے پہلے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ جبری محنت کی

کیا کیفیت تھی یہاں صرف روس کے ملکی قانون سے دو ایک اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ کس طرح جبری محنت کو نظام پیداوار کا ایک جزو بنایا گیا اور اسے معاشی ترقی کے ایک وسیلہ کی حیثیت سے استعمال کیا گیا۔ جہاں سے سامنے ماسکو کا مطبوعہ قانون تعزیرات کا مجموعہ ہے۔ اس کی دفعہ ۲۰ میں لکھا ہے۔

”سماجی دفاع کے عدالتی طریقوں میں یہ شامل ہیں.... (بہم آزادی

سے محروم کر کے روس کے دور دراز علاقوں (Remote areas

of U.S.S.R.) میں قائم اصلاحی محنت کے کیمپوں میں بھیجا۔“

اس دفعہ کے نیچے ایک فٹ نوٹ میں یہ صراحت موجود ہے کہ انڈوسے

مانی میں استعمال ہونے والی اصطلاح ”جبری محنت“ کی جگہ ”اصلاحی محنت“

(Corrective labour) کا لفظ استعمال کیا جائے اور قانون میں جہاں جہاں

”جبری محنت“ کا لفظ جہاں سے ”اصلاحی محنت“ سے بدل لیا جائے!

ان ”اصلاحی محنت“ کے کیمپوں کی نگرانی خفیہ پولیس کے محکمہ کے پاس تھی۔“

158. Criminal Code of the Russian Soviet Federated

Socialist Republic, State Publishing House

Juridical Literature, Moscow, 1950.

۱۵۸ دیکھتے ہی تھیلے سے باہر آگئی ہے! ”اصلاحی محنت“ دراصل ”جبری محنت“ کا نیا نام ہے۔

۱۵۹ فرمان نمبر ۲۹، ۱۹۴۲ء اور فرمان نمبر ۱۲۱۲، ۱۹۴۵ء، مارچ ۱۹۴۵ء۔ ان قوانین

کا متن حکومت کے شائع کردہ مجموعہ ”The Collection of Laws of the

Government of the U.S.S.R.“ میں موجود ہے۔

اور ریاست کے منصوبہ میں ۱۹۴۱ء کے بجٹ کی رو سے خفیہ پولیس کی ذمہ داری
تھی کہ ۹ ارب روپے (دو ارب روپے) کی مالیت کی معاشی پیداوار حاصل کرے۔ یہ حصہ
کل بجٹ کا ۴۴ فی صدی ہوتا ہے۔ سرکاری منصوبہ برائے ۱۹۴۱ء میں خفیہ خفیہ
نمبر ۱۲ میں شائع ہوا ہے۔ ساتھ میں نمبر پر N.K.V.D. (خفیہ پولیس)
کا ادارہ جو مرکزی وزارت داخلہ کے تحت تھا، کے ذمہ ۹ ارب ۳۱ کروڑ روپے کی
تعمیرات اور پیداوار مندرج ہیں: ۱۳۱۱ پر دفینر نامی جاسوسی کا تخمینہ ہے کہ ۱۹۴۱ء
میں ان کیمپوں میں ۲۵ لاکھ سے ۲۵ لاکھ افراد تھے۔
اس طرح روس کو دنیا کی سستی ترین محنت حاصل رہی ہے اور اس سے

۱۳۱۱ واضح رہے کہ ان اصلاحی کیمپوں کی پیداوار کے منصوبہ کی جو تفصیل وہاں دی
گئی وہ یہ ہے۔

- کروم کی پیداوار ایک لاکھ ۵ ہزار میٹرک ٹن صنعتی کار پیداوار کا ۵۰ فی صدی،
- کوئلہ ۲۵ لاکھ ۲۵ میٹرک ٹن اکل کا ۵۰ فی صدی،
- تھباتی اور جلنے کی کڑی ۳ کروڑ ۵ لاکھ ہزار کیوبک میٹر اکل کا ۵۰ فی صدی،
- تھباتی کڑی کی تریل ۵ کروڑ ۵ لاکھ ۹۰ ہزار کیوبک میٹر
جہازوں کے لیے

- فرنیچر ۱ کروڑ ۹۳ لاکھ روپے (۴۱-۴۲ فی صدی)،
- چمڑے کے جوتے ایک کروڑ ۱۰ لاکھ جوڑے (۲۰-۲۱ فی صدی)،
- ٹائیاں ایک کروڑ ۵ لاکھ (۲۲-۲۳ فی صدی)،

وہ اپنی معاشی ترقی کی دیواریں بلند کرتا رہا ہے۔ ایک قیدی پر جو خرچ آتا تھا وہ عام مزدور کی مزدوری کا ایک تہائی تھا۔ اتنی کم لاگت پر معاشی پیداوار کا رنگینہ نکھڑے لڑکیاں ہو گئیں۔

اس طرح اشتراکیت نے ذہن پر یہ کہ سرمایہ داری کی طرح استحصال کو ذریعہ ترقی بنایا بلکہ سماجی محرکات کی جگہ ان دونوں قسم کے محرکات کو استعمال کیا جو سرمایہ داری میں کئے جاتے ہیں۔ یعنی ذاتی نفع اور اجرت کی عدم مساوات اور فقر و فاقہ کا خلو اور چیز بیرونی امداد

۴ سرمایہ دارانہ ممالک کی ترقی میں استحصال کا ایک یہ پہلو بھی نمایاں رہا ہے کہ انہوں نے اپنی ترقی کی خاطر دوسری قوموں کو لوٹا ہے اور ان کی دولت سے اپنے بام و در کی رونق بڑھائی ہے۔ اس پہلو سے بھی روس کی معاشی ترقی اور سرمایہ دارانہ ممالک کی راہ ترقی میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔

روس کی معاشی ترقی میں دوسرے ممالک کا تعاون اور ان سے حاصل کیے جوتے وسائل اور افراد کار کا حصہ بھی رہا ہے اور دوسروں کی دولت کے جبری حصول کا بھی۔ یعنی سرمایہ داری کی ترقی میں جو حصہ سامراج اور تجارت میں سامراجی طریقوں نے ادا کیا ہے۔ روس کی ترقی میں بھی اس استحصال نے تقریباً وہی حصہ ادا کیا ہے۔

داعی، بیرونی سرمایہ، فنی ماہرین اور پیداواری تکنیک سے جو فائدہ روس نے اٹھایا ہے اسے اشتراکیت کے کھاتے میں جمع نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ خاص مارکسی نقطہ نظر سے اس کی حیثیت سرمایہ داری اور امپریلیزم سے تعاون

کی تھی۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ وہاں کی معاشی ترقی میں ان عوامل کا حصہ معمولی اور غیر موثر نہیں قرار دیا جاسکتا۔

دوسری جگہ تک روس کی صنعتی ترقی میں استعمال کی جانے والی مشینری، انجنیئرنگ کی معلومات اور اس کے ماہرین اور دوسرے مٹاؤچی میں سے ایک پر مغربی مغرب سے درآمد شدہ تھی۔ مثلاً برطانیہ، جرمنی اور خصوصیت سے امریکہ سے انجنیر اور فنی ماہرین بلائے گئے اور غیر معمولی معاوضوں پر بلائے گئے۔ مثلاً خود مدریس ڈوب نے اعتراض کیا ہے کہ ^{۱۶۲} پہلے منصوبے کے موقع پر نصف سے زیادہ فنی ماہرین پرناہل یا کم تربیت یافتہ افراد تھے اور جو بھی کچھ اہم مقامات تھے وہاں بیرونی ماہرین کام کر رہے تھے۔ برطانوی سوشلسٹ آر تھریس نے تفصیل سے بتایا ہے کہ بیرونی ماہرین نے کتنا اہم کردار ادا کیا۔ ^{۱۶۳} بلاشبہ ان کی حیثیت بجائے

162. See, *Economic Systems in Action*, p. 140.

^{۱۶۳} ۹ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو حکومت روس اور جنرل ایکٹرک سپلائی کمپنی میں انجنیر اور ماہرین فراہم کرنے کا معاہدہ ہوا۔ ایسے ہی معاہدے دوسرے مغربی اداروں سے بھی ہوئے۔ کوئی فشر نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ پہلے پنچبالہ منصوبہ کے دوران روس میں فرد ڈیم اور ٹائیلر ڈیم کا زور زورہ تھا۔ علاوہ چھ جلد دوم۔

164. Dobb, *Soviet Economic Development Since 1917*.

165. Lewis, *Economic Survey*.

کے ٹنوں (Mercenaries) کی منتہی لیکن ان کے بغیر خود اشتراکیت کی کارٹری اپنے اولین دور میں نہ چل پائی۔ اسامی نے ۱۹۲۰ء میں اس کا اعتراف اس انداز میں کیا تھا کہ

”ہم اس حقیقت کو چھپانا نہیں چاہتے کہ جہاں تک ٹیکنالوجی کا تعلق ہے ہم شاگرد ہیں، جرمنوں، فرانسیسیوں، انگریزوں، اطالویوں اور اولین اور مرکزی حیثیت سے امریکیوں کے“۔

حقیقت یہ ہے کہ ابتدائی دور میں اس بیرونی مدد نے خاصا اہم حصہ ادا کیا ہے۔ اس اولین تحریک کے بعد روس نے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی، اس کا تعلیمی نظام اس درجہ ترقی کر گیا کہ اپنی ضرورت کے ماہرین تیار کرنے لگا اور سامنس کے دائرہ میں خصوصیت سے فلکیات اور برقیات کے کچھ میدانوں میں تو روس دوسرے مغربی ممالک سے، جو اس کے پیش رو تھے، آگے نکلیا۔ اس کامیابی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس کو ہونے کا دلانے والے اسباب میں مغربی ممالک اور مغربی سامنس اور ٹیکنالوجی کی مدد خواہ وہ ٹھیک انسانیت کے جذبہ کے تحت نہ دی گئی ہو اور محض دولت کانے کے لیے فراہم کی گئی ہو اس کو بھی ایک خاص مقام حاصل ہے۔

معاشی ترقی کے استعماری طریقے

یہ قہر مدد ہے جو ہر ملک دوسرے سے لیتا ہے اور اس طرح انسانیت کی مشترک میراث ہے اپنا حصہ حاصل کرتا ہے۔ لیکن روس نے اس کے ساتھ ساتھ استعمار اور ظلم و زیادتی کے ذریعہ دوسروں سے ناجائز فائدہ بھی اٹھایا

اور اس طرح معاشی ترقی کے استعماری طریقے کا استعمال کیا۔ اس سلسلے میں چارٹر دو تین چیزوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

”ہاں“ سب سے زیادہ ظلم کسانوں پر اور دیہی آبادی پر ہوا۔ غضب یہ ہے کہ خوراک پیدا کرنے والے قاقوں میں سے تھے اور بیرونی درآمدات کو بڑھانے کے لیے غلہ کو برآمد کیا جا رہا تھا۔ مثلاً ترقیات کے لیے سہاؤ نہ دیا جہاں کسانوں کا یہ بڑا ہی غلامانہ طریقہ تھا۔ معاشی ترقیات کی سب سے زیادہ قیمت اپنی کھاد کرنی پڑی اور اس کے فوائد سے شہری آبادی مستفیع ہوئی۔“

تین بیکونٹ کے فراہم کردہ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں جب فصل خراب تھی، اجتماعی کھیت بندی کی وجہ سے پیداوار بہت زیادہ گر گئی تھی اور بڑے پیمانے پر فاقہ کی تربت لگنی تھی جس میں ۲۰ سے ۲۵ لاکھ افراد بھوک مرے، اس وقت غلہ کی پیداوار کا ۲۱ سے ۲۵ فی صدی (۱۹۳۰-۳۱) برآمد کیا جا رہا تھا۔ (بیکونٹ صفحہ ۷۶)

مثلاً ملان جیلاس (Milan Djilas) جو یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ پارٹی کا میکر ٹری جنرل اور وہاں کا نائب صدر تھا۔ اپنی کتاب *The New Class* میں لکھتا ہے کہ اس نئے طبقے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ مزدوروں کسانوں دونوں کا غریب ٹھوسا ہے، مزدور کے سلسلے میں حالت یہ ہے کہ اشتراکی نظام کی ایک لازمی اور دائمی خصوصیت۔ جبری محنت ہے۔“ (صفحہ ۱۰۹) مزدور اپنے کہ اس مالی میں پاتا ہے کہ اسے صرف اپنی محنت دینا، بلکہ ان حالات میں دینا ہے جس پر اسے کوئی قابو حاصل نہیں۔

(ج) روس میں ۱۹ ریاستیں ہیں۔ ان میں سے سب ایک ہی معاشی حالت پر نہیں ہیں۔ اور نہ ہی سب کو ترقی کے مساوی مواقع حاصل رہے ہیں۔ ان میں سے چند ریاستوں کو، خصوصیت سے وسطی ایشیائی مسلمان اکثریت والی ریاستوں کو اور یوکرین کو استحصال کا پتہ بنایا گیا۔ ان کے وسائل سے دوسرے علاقوں کو ترقی دی گئی۔ حال ہی میں یوکرینیں ریپبلک کے منصوبہ بندی کیشن نے اس پر سخت شکایت کی ہے کہ ان کے وسائل دوسروں کی ترقی کے لیے ناروا طور پر استعمال ہو رہے ہیں۔ منصوبہ بندی کے تخمینے کے مطابق یوکرین میں حاصل ہونے والے پکڑی ٹیکس اور پیداواری منافع سے تشکیل پانے والے سرمایہ کا ۸۷ فیصد یوکرین سے منتقل کر دیا جاتا ہے اور روس کے دوسرے علاقوں مثلاً سائبیریا، کمانشکی وغیرہ پر صرف ہوتا ہے۔ ان کا اعتراض ہے کہ ان مقامات پر اس سرمایہ کاری کے مفید نتائج نہیں نکل رہے اور پیداوار میں اس رفتار سے اضافہ نہیں ہو رہا جتنا ان وسائل کے یوکرین میں صرف ہونے سے ہونا ہو گا۔ اس طرح یوکرین

اس لیے کہ وہ دوسرا اور بہتر تاجر (Employer) تلاش نہیں کر سکتا۔ مصنفہ (۱۳) اسی طرح کسان کی حالت بڑھی خستہ ہے۔ اس نئے طبقہ نے کم آمدنی اور پیری فصل خرید کے ذریعہ کسانوں کو لٹا ہے۔ (مصنفہ ۱۱۶) اس نئے طبقہ کو یہ گوارا تھا کہ زمین کے سلسلہ میں اس کا کوئی بھی حریف ہو۔ اس نے دیہات اور زرعی کھیت پر بھی اپنا تسلط مستحکم کیا اور یہ نیا طبقہ کسانوں کو غلام بنانے اور ان کی آمدنی میں سے بڑا حصہ چُرپ کر جانے میں کامیاب ہو گیا ہے (مصنفہ ۱۶۳)

کر بھی نقصان ہو رہا ہے اور بحیثیت مجموعی اور پورے ملک کو بھی۔^{۱۶۸}
 اشتراکیت کا سامراجی جغرافیہ

اشتراکیت کے سامراجی جغرافیہ کا مطالعہ بڑا مشکل کام ہے۔ روس کے ۴ کروڑ ۲ لاکھ مربع میل رقبہ میں سے صرف ۹۰ لاکھ مربع میل وہ ہے جس پر روسی آباد ہیں۔ باقی ایک کروڑ ۷ لاکھ مربع میل کا علاقہ دھومر کیے کی رقبہ سے زیادہ ہے، غیر روسی علاقہ ہے اور اسے قوت اور فوج کشی کے ذریعہ روسی اقتدار کے تابع کیا گیا ہے۔ اس طرح روس کی کل آبادی ۲۲ کروڑ میں سے صرف ۴ کروڑ لوگ روسی ہیں باقی ۱۸ کروڑ دوسری قوموں سے متعلق ہیں اور ان کو ان کے حق خود اختیاری سے محروم کیا ہوا ہے۔^{۱۶۹} ان ۱۸ کروڑ میں سے مسلمانوں کے بارے میں جو اندازہ ہے پائے جاتے ہیں وہ ۲ کروڑ سے ۵ کروڑ تک کے ہیں۔ یہ تمام علاقے اور یہ تمام افراد روس کی معاشی تعمیر کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ جس طرح یورپ کی سامراجی طاقتوں نے اپنے اپنے دور میں دوسروں کی محنت اور ان کی دولت سے اپنے درو دیار کی رونق بڑھائی یہی طریقہ روس کا بھی ہے۔ سامراجی استحصال دونوں

168. *The American Economic Review*, Sept. 1964, p. 801.

169. Hevesay, *The Unification of the World*, op. cit., p. 106-7; also see: King-Hall, *The Communist Conspiracy*, op. cit., pp. 76-80; Kolarz, *Victor Communism and Colonialism*.

کی معاشی ترقی کا ایک اہم ذریعہ تھا۔ اس سلسلہ میں کھلی کھلی لوٹ کھسوٹ بھی کی گئی ہے۔ جنگ میں مغتربہ ملک سے تاوان جنگ بھی وصول کیا گیا ہے اور تجارت میں اپنے ذریعہ ملک کی اشیاء سستے داموں پر خریدی گئی ہیں اور اپنی مصنوعات ان کی منڈیوں میں عام بین الاقوامی قیمتوں کے مقابلے میں زیادہ مہنگی فروخت کی گئی ہیں۔ ہم صرف چند اہم چیزوں کی طرف اشارہ کریں گے۔

(۱) روس میں خاص جمہوریہ روس کے سوا سب دوسری قومیں آباد ہیں انہیں معاشی ضرورتوں کے تحت خاص استعماری انداز میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کیا گیا ہے۔ بیسائی محنت کرنے کے لیے دوسری قومیتوں کے لوگوں کو ملک بھر میں پھیلا دیا گیا ہے اور اعلیٰ کاموں کے لیے ہر جگہ خاص روسیوں کو تعینات کیا گیا ہے۔ خود غوثیت نے اعتراف کیا ہے کہ لائیویا (Latvia) کے علاقہ میں روسی فوجوں کے داخلہ کے بعد آبادی کا پانچواں حصہ یا تو مار دیا گیا یا اس کے دوسرے حصوں میں منتقل کر دیا گیا۔ صرف ایک رات میں پندرہ ہزار افراد کو کھینچ کر منتقل کر دیا گیا۔ اسی طرح ایستونیا کی آبادی کے بڑے حصے کو دوسرے مقامات پر معاشی محنت کے لیے منتقل کیا گیا۔ تاجکستان کے بارے میں پردوا کی رپورٹ کے مطابق روسی طلبہ کا حال یہ ہے کہ سکولری صاحب پر غیر تاجکستان میں کوٹیم اکثریت حاصل رہی ہے اور ریاست کے سیاہ و سفید کے مالک بنے ہوئے ہیں۔ وزارت صنعت میں اصل تاجکستان میں کا تناسب صرف نہ اسی صدی ہے۔

وزارت زراعت میں۔ ا فیصدی، وزارت صحت میں ۲ فی صدی اور وزارت صنعت و معاشی میں ۲ فی صدی۔ دوسری طرف قازقستان کی ۱۹۳۹ اور ۱۹۳۶ء کی شماریادی (Census) کا اگر موازنہ کیا جائے تو آبادی میں سے ۸ لاکھ افراد کم ہو گئے ہیں۔ یہی کیفیت دوسرے غیر روسی علاقوں کی خصوصیت سے غیر یورپی روس کے علاقوں کی ہے۔ محنت کاریوں استعمال استعمار کا ایک خاص حربہ رہا ہے۔ (ii) جس میں ممالک پر روس کا قبضہ ہوا ہے وہاں سے بھی اس نے محنت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ چونکہ روس کے پاس زمین اور وسائل بے پناہ ہیں اور اسے دوسرے ممالک سے محنت کی ضرورت ہے جس طرح امریکہ کو تھی، اس لیے اس نے اپنے مقبوضہ علاقوں سے محنت کو منتقل کیا ہے۔ اس کی اہم ترین مثال مشرقی یورپ کے ممالک میں پولینڈ کی ہے۔ پولینڈ پر روسی اقتدار نازیوں سے معاہدہ کے ذریعہ قائم ہوا تھا۔ اس کے فوراً بعد وہاں سے چھانہ کبیر پر آبادی کی منتقلی شروع ہوئی۔ یہ سارا کام ایک سو چوبیس منصوبے کے تحت کیا گیا۔ اسی طرح جس طرح کچھ غلاموں کی تجارت کا کام ہوتا تھا۔ مشرقی پولینڈ کی ۱۲ ملین آبادی میں سے ۲ سے ۳ ملین بمک لوگوں کو منتقل کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ عملہ ۵ لاکھ کو منتقل کر دیا گیا۔

71. Kazakhstanskaya Pravda, 13th August 19

مسلک واضح رہے کہ ۳ جون ۱۹۴۱ء میں پولینڈ اور روس کے درمیان لندن میں ایک معاہدہ ہوا جس میں سرکاری طور پر تسلیم کیا گیا کہ ان منتقل شدہ آبادیوں کو واپس کیا جائے گا۔ ریڈ کراس ان میں سے صرف ۵ لاکھ افراد کو واپس کر سکی باقی ۸ لاکھ کی اسے کوئی خبر نہ مل سکی۔

سرکاری منصوبہ کا اندازہ حکومت کے فرائض اور قوانین سے بھی کیا جاسکتا ہے۔^{۱۷۳}

(iii) خالص استعماری انداز میں چین اور مشرقی یورپ کے ممالک سے معاشی فائدہ اٹھایا گیا۔ ان کے خام مال کو سستے داموں پر خرید لیا۔ ان کو اپنا خام مال منگنے والوں پر دیا گیا۔ ان کی فصلوں کو وہاں کے عوام کی ضروریات کے باوجود روس منتقل کر دیا گیا۔ روسی ماہرین کے لیے روزگار فراہم کیا گیا اور اُنہیں اُنہی مقامات پر ان کو تعینات کیا گیا۔ ناقابل تردید حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۵۶ء تک روس نے مشرقی یورپ کے ممالک سے ۲۰ سے ۲۵ ارب ڈالر کی مالیت کا سرمایہ اپنی طرف منتقل کیا۔^{۱۷۴} اس طرح روس نے ان ممالک کا کھلا کھلا استحصال کیا اور ان کے ذریعہ اپنی معاشی ترقی کا سامان فراہم کیا۔ اس کے برعکس ۱۹۴۵ء سے ۱۹۹۲ء تک جو کل مالی امداد روس نے ان ممالک کو دی اور اس کا دو تہائی ۱۹۵۶ء کے بعد دیا گیا اور خصوصیت سے مشرقی جرمنی، پولینڈ اور ہنگری کے ہنگاموں کے بعد حالات کو قابو میں لانے کے لیے کیا گیا، وہ ۳ ارب ڈالر کے متبادلوں نہیں بلکہ کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو امداد کا ڈھونگ رہا یا مبادبا تھا اور دوسری طرف

^{۱۷۳} مثلاً غلط طور پر سوویت یونین کی وزارت داخلہ کا فرمان نمبر ۵، مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۴۰ء بحوالہ آکٹوبر کرسٹل یوگن اینڈ وی کیسار صفحہ ۲۰۷۔

173. Wazelaki, Jan, *Communist Economic Strategy. The Role of East-Central Europe, National Planning Association, Washington 1959.*
- (۴)

اس سے گنا زیادہ مالیت کا سرمایہ ان ممالک سے منتقل کر دیا گیا؛
 پھر استحصال کا ایک اور اہم طریقہ قیمتوں کا کمیل رہا ہے۔ روس نے مشرقی ممالک
 سے مال سستا خریدنا اور ان کے ہاتھوں اپنا مال مہنگا بیچنا۔ ایک تحقیقی مطالعہ کی روش سے
 ۹۱-۱۹۵۵ء کے درمیان جو مال روس نے مشرقی یورپ کو بڑا دیا، اس پر جو قیمتیں سامنے
 کی گئیں وہ اس سے زیادہ تھیں جن پر یہ مال یورپ کے دوسرے غیر اشتراکی ممالک کو
 فروخت کیا گیا۔ اس طرح جو ناقض قیمت وصول کی گئی وہ ۵ ارب ۶ کروڑ روپے (تقریباً
 ایک ارب ۸۰ کروڑ روپے) تھی۔ اس کا سب سے زیادہ بار ہنگری پر پڑا، جس نے ۱۰ فیصد
 قیمتیں زیادہ ادا کیں۔ زیکو سلوواکیہ اور مشرقی جرمنی سے علی الترتیب ۳۰ فی صدی
 اور ۲۰ فی صدی زیادہ قیمتیں وصول کی گئیں۔ بجز یوگوسلاویہ اور منگولیا کے کوئی دوسرا
 ملک اس امتیازی سلوک سے ذرا بچا۔ اس سلسلہ میں فریڈرک تپائیور (Fredrich
 Pryor) نے جو تحقیقی مطالعہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی یورپ

پہنی نو بے مقصد بگ نے (Dimensions of Soviet Economic Power) میں ۱۹۶۲ء میں لکھا تھا کہ جنگ کے بعد کے پہلے دس سالوں میں روس
 نے مشرقی یورپ کے سرمایہ منتقل کیا وہ دسیوں ارب ڈالر تھا۔ ص ۴۲۔

174. Vide Wochen bericht No. 33, Munich, quoted by
 Hevesay, *The Unification of the World*, op. cit.,
 p. 78-79.

175. Ibid., p. 79.

کے ممالک کی تجارت کا جو کارکنی رُخ تھا اسے مصنوعی طور پر تبدیل کیا گیا۔ ان ممالک کو روسی معیشت سے منسلک کرنے کے لیے ۱۹۴۶ء میں کوئلہ کن (Comecon) کا قیام عمل میں آیا۔ ایک مدت تک ان ممالک کی معیشتوں پر روس کی گرفت بڑھی صنعت رہی اور قیمتوں کے امتیاز کے ذریعہ ان کو مسلسل لوٹا گیا۔ روس نے شرائط تجارت کے موازنہ سے ثابت کیا ہے کہ روس نے مشرقی یورپ سے مال سستا خریدا اور اسے اپنی مصنوعات میں لپیٹی بیچیں۔ اس استحصال کا نتیجہ ہوا کہ مشرقی یورپ میں اس کے خلاف غریظہ و غضب اور نفرت کے بذیات رونما ہوئے۔ ۱۹۵۶ء کے بعد سے کوئی کون کے خلاف بغاوتیں شروع ہوئی۔

176. See, Pryor, Fredrich L., *The Communist Foreign Trade System*, M. I. T., Cambridge, Mass., 1963, pp. 144-152.

۱۹۴۷ء اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بلغاریہ کے مشہور کمیونسٹ کو سٹو Costo کو اس جرم میں سزا دی گئی کہ روس کے ساتھ تجارتی معاہدات کو تہ وقت اس نے "تقریباً ہر قدم پر روپیل بازی کی خلاف ورزی کی شرح تبادلہ کے بارے میں، جرمنی کے اثاثوں کے بارے میں، بلغاریہ کے مال کی قیمتوں کو بڑھانے اور روسی مال کی قیمتوں کو کم کرنے کے بارے میں، اور روس کے ۱۹۵۸ء میں روپیل کی قیمت کو کم کر دینے کے بعد بلغاریہ کی کرنسی کی تخفیف قدر سے انکار کر دینے کے بارے میں"۔

تجارت اور سرمایہ پرست Boris Hristov اور مقدونہ کو سٹویراٹات خود ثابت کر دیتے ہیں کہ روس ان ملک کے بارے میں کس پالیسی پر عمل رہا تھا۔

رومانیہ نے اپنے کو منقطع کیا۔ چینی نے اپنا رشتہ توڑا، البانیہ نے قطع قلعہ کیا اور ہنگری اور پولینڈ نے بھی تجارت کی شرائط تبدیل کر لیں۔

روس کی معاشی ترقی کے سلسلہ میں ایک اور قابل لحاظ پہلو یہ ہے کہ اس پورے زمانے میں محنت کی رسم میں کس رفتار سے اضافہ ہوا ہے۔ اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ محنت کی پہلا تیز بہت تیزی سے بڑھی ہے۔ ۱۹۲۶ء اور ۱۹۳۹ء کے درمیان کل آبادی میں صرف ۱۶ فی صدی کا اضافہ ہے لیکن شہری آبادی میں اضافہ ۱۰۰ فی صدی کا ہے۔ دوسری جنگ کے بعد کی ترقی کی رفتار اور محنت کاروں کی تعداد میں اضافہ کو اگر ساتھ ساتھ دیکھا جائے تو بڑے اہم نتائج نکلتے ہیں جنگ کے بعد کے سالوں میں صنعتی پیداوار میں اضافہ کا اوسط ۱۱ فی صدی بتایا جاتا ہے اور اس زمانہ میں محنت کی قوت میں اضافہ کا اوسط ۵۔۸ فی صدی بتایا جاتا ہے۔ منسوبہ کے دوران بھی محنت میں ۳ فی صدی سالانہ کا اضافہ متوقع تھا۔ کام کرنے والے ہاتھوں کی تعداد کا بڑھنا بھی پیداوار کے اضافے کا سبب ہے۔ (بحوالہ

The Soviet World, P. 164

اوپر کی گئادشات سے یہ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

• روس کی معاشی ترقی بہت سے عوامل کا نتیجہ ہے۔ اس میں اشتراکیت کا بحیثیت ایک نظریہ کے ایک خاص حصہ تو مندر ہے، لیکن یہ ترقی صرف اشتراک کی نظریہ کی پیداوار نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے بہت سے عامل کارفرما ہے ہیں جو نظریاتی اعتبار سے غیر جانب دار ہیں۔ اور ترقی میں ان کا حصہ اہم اور فیصلہ کن رہا ہے۔ اس حصہ کو اشتراکیت کے حساب

میں جمع نہیں کیا جاسکتا۔

و معاشی ترقی کے سلسلہ میں روسی اشتراکیت نے بھی متعدد میدانوں میں وہی بنیادی طریق کار اختیار کیا ہے جو سرمایہ دار ممالک نے اپنے اپنے دور میں اختیار کیا تھا۔ یہاں بھی سرمایہ معاشی محرکات، محنت کے استحصال اور سامراجی امتیازات نے ویسا ہی پارٹ ادا کیا ہے جیسا سرمایہ دار ممالک میں۔ اشتراکیت معاشی ترقی کے مالمیں کی اسی طرح محتج رہی ہے جس طرح دوسرے ممالک۔ وہ معاشی قوانین کی بھی ویسی ہی تابع رہی ہے۔ جیسی مغرب کی معیشتیں۔ فرق تنظیم کے میدان میں ہے۔ برقیاتی حکمت عملی کا اگر گہرائی میں جا کر موازنہ کیا جائے تو دونوں نظاموں میں بڑی یکسانی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشتراک اہل قلم کی ایک معتد بقول روسی اشتراکیت کو ریاستی سرمایہ داری کہتی ہے۔ اور یہ اس نظام کا بڑا مناسب نام ہے۔

-
178. See, Yugoff Aron, *Economic Trends in Soviet Russia*, London, 1929; Gorter, Herman, "The World Revolution," *Worker's Dreadnought*, 9, 16, 23 February, 11, 15, 29 March, 10 May 1924; Forest, F., "The Nature of the Russian Economy," *The New International*, New York December, 1942, pp. 52-58, December 1946 pp. 313-18 and January 1947, pp. 97-30; Djilas, Milovan, *The New Class*, New York, 1948.

معاشی ترقی کی قیمت

اوپر کی بحث میں روسی اشتراکیت کی ترقی کے جائزہ کے ساتھ ساتھ اس کے کچھ دوسرے پہلو بھی زیر بحث آ گئے ہیں اور ان سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اس ملک کو ترقی کی کیا قیمت دینی پڑتی ہے۔ اب ہم اس سلسلہ کے چند دوسرے امور کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱۔ انفرادی آزادی کا خاتمہ

اشتراکیت کے معاشی نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں انفرادی آزادی، معاشی، سیاسی اور تمدنی آزادی، باقی نہیں رہتی ہے۔ اس نظام میں کلیت پسندی، جبر و تشدد اور من مانی کرنے کا رجحان غالب ہے۔ اس میں کسی بھی آمر کے لیے یہ موقع موجود ہے کہ وہ پوری معیشت کو ظلم کی پہلی میں تبدیل کر دے۔ سیاسی اور معاشی قوت کا چند ہاتھوں میں ارتکاز ابارہ کی بدترین شکل کو جنم دیتا ہے۔ اور اس عظیم قوت کے خشک خشک استعمال کیے جانے کی کوئی ضمانت

نہیں یہاں تفصیلات میں جانے کی بجائے محض اشارات پر اکتفا کیا گیا ہے۔

باقی نہیں رہتی ہے۔ کوئی منظم حزب اختلاف نہیں ہوتی جو انتخابات کی مابینوں پر تنقید کر سکے۔ مختلف سیاسی اور معاشی قوتیں ایک وقت کا دریا نہیں ہوتیں کہ بے اعتمادیوں کا دوا دیا گیا جاسکے۔ اس کے نتیجے میں معاشی ظلم بھی رونما ہوتا ہے اور سیاسی استبداد بھی، اور یہ اشتراکیت کی سب سے بڑی قیمت ہے جو انسانیت کو ادا کرنی پڑتی ہے۔^{۱۷}

^{۱۷} اس سلسلہ میں صرف ایک غیر روسی مثال پیش کی جاتی ہے۔ ہنگری کے وزیر خارجہ راجیک (Rajik) کو ۱۹۴۹ء میں نڈاری، سرمایہ داروں سے سازباز، ملک دشمنی، اور نظریہ سے بے وفائی کے الزام میں پھانسی کی سزا دی گئی تھی۔ راجیک نے اپنے ان تمام جرائم کا صاف صاف اعتراف بھی کر لیا تھا بلکہ اس نے خود ہی اپنے لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا تھا کہ مجھ جیسے انسان کو زندہ رہنے کا حق نہیں۔ اس سب کے باوجود اس کو پھانسی دینے کے، سال بعد ۱۹۵۶ء میں حکومت نے اعلان کیا کہ جو کچھ راجیک کے ساتھ کیا گیا وہ غلط تھا، تمام الزامات جھوٹے اور اختراعی تھے، محض وہ سیاسی انتقام کا نشانہ بنا اور اب اس کے بے گناہ ہونے کا اعلان کیا جاتا ہے۔

سیاسی اور معاشی آمریت کے گٹھ جوڑ میں انسانوں کا یہی شہر ہوتا ہے اور دادرسی کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔

۲۔ سیاسی مصلحت پسندی

معاشی فیصلے سیاسی مصلحتوں کے اس درجہ تابع ہو جاتے ہیں کہ محض ممالک اور حقائق کی بنیاد پر کوئی معاملہ طے نہیں کیا جاسکتا، یہ صحیح ہے کہ سارے فیصلے منہج معاشی بنیادوں پر نہیں کئے جاسکتے، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اگر معاشی نظام کو سیاست کا اس درجہ تابع کر دیا جائے کہ حکومت کے سوا کوئی معاشی اکائی باقی نہ رہے اور اس ایک قوت پر بھی ذکر کوئی پابندی ہو اور نہ ہی اس کے محاسبہ کا کوئی نظام تو پھر معاشی حقائق کو نظر انداز کر کے سیاسی مقاصد اور ذاتی مفادات کے لیے پالیسیاں بنتی اور گھڑتی ہیں اور بحیثیت مجموعی معاشرے اور معیشت کو اس کی ہماری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔

۳۔ کلیت پسندی

اشتراکیت کے معاشی نظام میں ازادہ اور اختیار کی جگہ جبر اور کلی منصوبہ بندی کے لیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں محنت کی صفت بندی کی جاتی ہے، مزدور تنظیموں کو بے اثر کر دیا جاتا ہے۔ جبری محنت کی جاتی ہے، پیشہ کی آزادی باقی نہیں رہتی۔ یہ چیز لوہے کے نظام میں ایک شدید قسم کی بکڑ بندی (Regimentation) پیدا کر دیتی ہے۔

۴۔ اشیائے صرف کی کمی

روسی اشتراکیت، اور پھر چین اور مشرقی یورپ کے ممالک نے جو بنیادی معاشی حکمت عملی وضع کی ہے اس میں ہماری صنعت کو صارفین کی صنعتوں پر اس درجہ فروقیات دی گئی ہے کہ عام انسانوں کے استعمال کی عام اشیاء کی شدید

حکمت رونما ہو گئی ہے۔ معاشی اور سیاسی آزادی تو گئی ہی تھی، اشیائے صرف کی بھی کیا ہی رونما ہو گئی اور عوام کا معیار زندگی بڑھنے کی بجائے کم ہونے لگا، یا اگر اس میں امتنا ذہرا تو بڑی معمولی سنگ۔ پاری صنعتی ترقی میں بیماری صنعت کارنگ غالب رہا ہے (Heavy industry complex) یہ چیز عوام کے مفاد اور عام خلاصی تصورات کے منافی اور اشتراکیت کے مزاج کے عین مطابق تھی۔ اس لیے کہ اشتراکیت کی اصل توجہ پیداوار کو بڑھانے، بڑے سے بڑے ادارے قائم کرنے، زیادہ سے زیادہ مزدور تیار کرنے اور جلد از جلد مغربی ممالک کو کل پیداوار کی مقدار میں پیچھے چھوڑ دینے پر تھی۔ اس کی قیمت عام صارفین کو ادا کرنی پڑی اور وہ ضرورت کی بنیادی چیزوں کو بھی ترستے رہے اور اگر انہیں حاصل کر سکے تو اونچی قیمتوں پر۔ اس چیز کو وہاں کے نظام محصول نے اور بھی پیچیدہ کر دیا اور قیمتوں کے بارے میں سرکاری پالیسی نے اس کی تلخی کو اور بڑھا دیا۔ عام آدمیوں کی اجرتیں کم رکھی گئی ہیں اور قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ غرض عام آدمی کے لیے یہ معاشی ترقی بڑے کے لٹو ثابت ہوئی۔

دس میں حقیقی معیار زندگی کا کیا حال ہے؟ اس کے بارے میں چند ضروری حقائق پیش کئے جاتے ہیں۔ برطانوی سوشلسٹ آرٹھر لیڈس لکھتا ہے کہ "یہ ماننے کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ روسی مزدور اپنی محنت سے پیدا کردہ اشیاء میں سے اس سے کچھ زیادہ ہی حصہ پارہا ہے جو ایک مزدور کسی دوسرے ملک میں حاصل کرتا ہے زیادہ صحیح یہ ہے کہ روس میں اس کا حصہ دوسروں سے

کچھ کم ہی ہے۔^{۱۸۱}

کوئی کلاک کے حساب کے مطابق فی کس حقیقی آمدنی میں اولیں دور میں

کمی ہی ہوئی۔ ۱۸۴۰ء میں فی کس حقیقی آمدنی ۵۔۵۰ تھی۔ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۲۷ء

تک اس کی کیفیت یہ تھی۔^{۱۸۲}

سال	فی کس حقیقی آمدنی
۱۹۱۳ء	۵۸۔۵
۱۹۲۱ء	۲۲۔۴
۱۹۲۸ء	۵۵۔۵
۱۹۳۳ء	۵۱۔۵
۱۹۳۷ء	۷۲۔۲

ڈاکٹر شارٹز کے نتائج تحقیقی سے معلوم ہوتا ہے ۱۹۲۸ء اور ۱۹۴۸ء کے درمیان حقیقی قوت خرید میں ۴۰ فیصدی کمی آگئی تھی۔ یوس نے تو دوسری جنگ تک کے حالات کے بارزہ کو اس سفری جملہ پر ختم کیا ہے کہ اتنے لوگوں پر اتنے کم خرچے میں اتنی زیادہ مصیبتیں شاذ ہی نازل ہوئی ہوں گی۔^{۱۸۳}

181. Lewies, W. Arther, *Economic Survey* 1919-39,

Unwin University Books, 1966, London, p. 134.

182. Clark, Colin, *Critique of Russian Statistics* op. cit

183. Lewies, *Economic Survey*, p. 135.

ڈوب نے اعتراف کیا ہے کہ اشیائے صرف کے استعمال میں روس بہت پیچھے ہے۔ اس سلسلہ میں غالباً سب سے زیادہ دقیقہ ریزی کے ساتھ جس محقق نے کام کیا ہے وہ چیپ میں ہے۔ اس کے پیش کردہ نتائج کا خلاصہ یہ ہے کہ روس میں حقیقی اجرت (Real wages) ۱۹۴۰ء میں ۱۹۲۸ء کے مقابلہ میں ۵۰ فی صدی کم تھی ۱۹۴۸ء میں ۱۹۲۸ء کے مقابلہ میں ۵۵ فی صدی کم تھی اور ۱۹۵۴ء میں بھی، خاصے امانت کے باوجود، ۱۹۲۸ء کی سطح کے مقابلہ میں ۱۲ فی صدی کم تھی۔ چنانچہ زرعی آبادی کی کس حقیقی آمدنی کی حالت اس سے بھی خراب تھی۔ اگر روس کی آبادی کے بارے میں عام اشیاء کے استعمال کی کیفیت کو معلوم کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آٹے اور آلو کو چھوڑ کر ہر چیز میں وہ مغربی ممالک ہی نہیں کچھ مشرقی ممالک سے بھی پیچھے ہیں۔ یہ دو چیزیں

184. Dobb, *Soviet Economic Development Since 1917*, pp. 288-89.

185. Chapman, Janet, G., *Real Wages in Soviet Russia Since 1928*, Harvard University Press, Cambridge, Mass., 1963.

186. Jasny Naum, *Essays on the Soviet Economy*, Institute for the Study of the USSR, Munich, 1162, p. 93.

وہ ہیں جس سے کہ ایک عام آدمی اپنا پیٹ بھرتا ہے۔ باقی تمام ضروری چیزیں مثلاً گوشت، انڈا، مرغی، دودھ، دہی، پھل، شکر وغیرہ میں اس کا معیار ترقی یافتہ ممالک کے معیار سے بہت کم، بلکہ نصف اور ایک تہائی تک ہے۔
دیر پا اشیائے صرف دکا، ریڈیو، ٹیلیوژن، ریفریجریٹر، کپڑا دھونے کی مشین وغیرہ کے سلسلہ میں روس کی حالت اور بھی ابتر ہے۔¹⁸⁷

ایک اور پہلو کے مطالعہ سے بھی یہی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ایک بڑی تعداد کا خون چوس کر ایک محدود طبقہ کو زندگی کی سہولتیں پہنچاتی گئی ہیں اور صنعتی ترقی کے مراحل کو طے کیا گیا ہے۔ عوام کی بڑی تعداد پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے گئے ہیں۔ تب کہیں جا کر یہ ملیں اور یہ فیکٹریاں اپنا سر بلند کر سکی ہیں۔ ان کی بنیاد میں کسانوں کی بڑیاں اور جبری محنت کاروں کا خون اور پسینہ ہے۔ ان یونانگ کے فراہم کردہ اعداد و شمار کی روشنی میں سرکاری ملازمین، جو کل آبادی کا ۱۲-۱۴ فی صدی ہیں۔ کل قومی آمدنی کا ۲۵-۳۰ فی صدی سے جاتے ہیں۔ صنعتی مزدور کو بھی اپنی تعداد (۲۲-۲۰ فی صدی) کے مقابلہ میں زیادہ حصہ ہی ملتا ہے۔ یعنی ۳۳ فی صدی، لیکن کسان جو آبادی کا ۵۳ فی صدی تھے۔ آمدنی کا صرف ۲۵ فی صدی پاتے ہیں اور جبری محنت کے مجبور انسان جو آبادی کا ۳۴ فی صدی تھے ان کو صرف ۲ فی صدی

187. Bergson A, and Kuznets S., (ed) *Economic*

Trends in the Soviet Union, p. 252.

188. See, *Economic Systems in Action*, p. 155-56

آمدنی باقی ہے۔

روس کی معاشی ترقی میں بھی کچھ کا خون چسایا گیا ہے اور کچھ دوسروں کی فلاحی
کا بندوبست کیا گیا ہے۔
۵۔ پست کوالٹی

روسی مصنوعات کا معیار پست ہے۔ کیفیت (Quality) کے اعتبار
سے وہ کوئی اعلیٰ مثال قائم نہیں کر سکا ہے۔ اسی طرح نفاست اور خوش ذوقی
کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ شاید یہ سب چیزیں بورژوائی ذہن سے تعلق رکھتی ہیں
اور ان کا روس میں کیا کام؟ مثلاً روسی نظام میں ساری اجمیت پیداوار کو بڑھانے
کو دی گئی۔ اس کا فکری نتیجہ تھا کہ کیفیت کو کیفیت پر فوقیت حاصل ہو گئی۔ پھر
کامیابی کے جو معیارات مقرر کئے گئے ان میں بھی اصل چیز پیداوار کا اضافہ ہوتا

مثلاً لیکن یہ نتیجہ صحیح نہیں ہو گا! اس لیے کہتے حکمران طبقہ کے لیے تعیش کی چیزوں
کو فراہم کیا جا رہا ہے۔ ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۱ء کے درمیان جو منہایت سخت زماں تھا
اور جس میں عام اشیائے ضرورت کی پیداوار کو اقل حد تک کم کر دیا گیا تھا اور حبیب قسط
سالی اور صبر کو کیفیت تھی، جب کاشت کار اپنے جانور کاٹ کاٹ کر پٹھ کی
آگ بجھا رہا تھا اس وقت بھی ان اشیاء تعیش کی پیداوار میں اس رفتار سے اضافہ ہوا۔

عطر اور سینٹ	۲۰۰ فی صدی	گراں فروں	۲۵ فی صدی
کیمبرے	۱۵۰	اعلیٰ درجہ کی پٹا	۲۲۲۰
عام سوئی کپڑا	۶۴	دیکھو اور لیو ٹانگ	صفحہ ۱۳۹

پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روس میں اس وقت جو مسئلہ معاشیوں کے لیے دردمندا ہوا ہے وہ کواٹری ہی کا مسئلہ ہے اور لائبرٹس نے جو انقلابی اصلاحات تجویز کی ہیں ان کی پشت پر کام کرنے والا محرک بھی روس کی اشتراکی منصوبہ بند معیشت کی یہ بنیادی خرابی ہے۔

۶۔ غیر مستفادہ نظام محاصل

روس کا ٹیکس کا نظام بھی اس مخصوص معاشی حکمت عملی کے مطابق ڈھال گیا ہے کیوں اس بنا پر وہ بے حد غیر مستفادہ ہو گیا ہے روس میں انکم ٹیکس سے کل سرکاری مایات کا صرف ۷.۷ فی صدی حاصل ہوتا ہے جبکہ بکری ٹیکس سے ۲.۲ فی صدی یہ ٹیکس ایک باواسطہ ٹیکس ہے جو اشیاء کی قیمتوں پر عائد کیا جاتا ہے اور جس کا بار عوام پر، صارفین پر اور پچھلے طبقوں پر زیادہ پڑتا ہے۔ ہارکس کے نظام نگ میں یہ ایک حربہ استحصال کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کو روس میں سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ پھر غصب یہ ہے کہ عام استعمال کی، حتیٰ کہ بنیادی ضروریات حیات بھی، ٹیکس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ پاسے پر اس کی شرح ۱۰ سے ۱۶ فی صدی ہے۔ روٹی پر ۲۴.۲۷ فی صدی شکر، میدہ، الیس، پناہتی گئی وغیرہ پر ۲۹ سے ۷۰ فی صدی تک۔ بھلی اور گیس پر ۱۵ سے ۶۵ فی صدی تک، چمڑے کے سامان (جوتوں سمیت) پر ۵۰ سے ۷۷ فی صدی۔ باورچی خانہ اور گھر بھر استعمال کے سامان پر ۳۲ سے ۶۶ فی صدی اور مستقل اشیاء صرف پر ۲۰ سے ۷۵ فی صدی تک۔ اس سے ^{۱۸۲}کے یہ اعداد و شمار روس کے سرکاری ذرائع سے ماخوذ ہیں۔ حوالہ کے لیے ملاحظہ

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ نظام کتنا غیر منصفانہ ہے اور کس طرح عام آدمی کو ساری ترقیات اور حکومت کے سارے مصارف کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ ہر روٹی جو کھائی جاتی ہے اس پر بھی ایک مستقل محصول ادا کیا جاتا ہے۔

۴۔ زرعی میدان میں ناکامی

اشتراکیت کی معاشی حکمت عملی کا سب سے کمزور پہلو زراعت ہے۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں زراعت کے میدان میں اشتراکیت کامیاب نہیں ہو سکی۔ اشتراکیت نے اپنی زرعی پالیسی کو بالعموم دو مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے مرحلے میں قراصل بہت زمیندار طبقہ ہوتا ہے اور زرعی اصلاحات کے ذریعہ اس سے زمین چھیننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کام کے لیے بالعموم عوامی تائید موجود ہوتی ہے اور کسان بھی اس پر غرض ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے مرحلے میں زمینداروں سے حاصل کی جوتی زمینوں کو سرکاری ملکیت میں دیا جاتا ہے اور کاشت کار کی حیثیت میں ایک مزدور کی سی ہو جاتی ہے۔ پہلے مرحلے میں وہ یہ خواب دیکھا کرتا ہے کہ اب زمین اس کے تصرف میں ہوگی لیکن جب زراعت کو اجتماعی کمیتوں میں منظم کر دیا جاتا ہے تو وہ خالی ہاتھ ملتے رہ جاتا ہے۔ آکا بدل جاتے ہیں۔ اقتدار اس کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اس کے نتیجے میں اس کی دلچسپی کم سے کم تر ہوتی جاتی ہے اور زراعت میں مستقل بحرانی کیفیت رہتی ہے۔ اور ہر جہتی کوششوں کے باوجود زراعت کی دنیا سرفہرہ نہیں پاتی۔ دوس کے تجربے سے جو صورت سامنے آتی ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ

۱۔ اشتراکیت کے پاس زراعت کے میدان کے لیے کوئی ایکم موجود

نہیں ہے۔ وہ اس سے بھی بالکل صنعت کی طرح معاملہ کرتی ہے اور اس کے نتائج نہایت تباہ کن ہوتے ہیں۔

(ب) اشتراکیت کا اصل انہماک صنعت کے ساتھ ہے، جس کے نتیجہ میں زراعت کے بارے میں غفلت برتی جاتی ہے اور زراعت کی قیمت پر صنعت کو ترقی دی جاتی ہے۔ چونکہ آبادی کی اکثریت زراعت سے وابستہ ہوتی ہے۔ اس لیے اسے بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور ترقی کے ثمرات سے وہ محروم رہتے ہیں اور جو طبقہ کچھ فائدہ اٹھاتا ہے وہ شہری آبادی سے متعلق ہوتا ہے۔

یہ بات صحت روس ہی کے لیے صادق نہیں بلکہ جہاں بھی اشتراکیت تجربہ ہوا ہے یہی نتائج نکلے ہیں۔ آج زراعت کا بحران عالمی اشتراکیت کے لیے ایک پریشان کن مسئلہ بن چکا ہے اور دنیا کے پسماندہ ممالک کی نگاہوں میں اشتراکیت کے چہرے کو داغ دار کرنے میں سب سے زیادہ دخل اسی پہلو کا ہے۔ روس میں سب سے مظلوم طبقہ کاشت کاروں کا طبقہ ہے۔ اسے عام ہرچک سے محروم رکھا گیا ہے۔ زمین پر اس کے اقتدار کو ختم کر کے اسے اجسیر (Wage-earner) کے مقام پر لے آیا گیا ہے۔ زرعی پیداوار کی قیمتوں کو محدود کر رکھا گیا ہے، حتیٰ کہ کچھ اشیاء کے سلسلہ میں تو لاگت سے بھی کم رکھا گیا ہے۔ پھر کسان اور انتظامی حکیمت مجبور ہیں کہ انہی کم وصولی پر ایک خاص مقدار حکومت کے اہل کاروں کو فروخت کریں۔ وہ بھی آبادی کو نقص اور فائدہ ٹک کا سامنا کرنا پڑا ہے جبکہ مزارعی وصولیاں اسی طرح جاری رکھی گئی ہیں اور اشیائے

خورد و نوش کی برآمدگی کی جاتی رہی ہے۔ کسان مجبور ہوئے ہیں کہ جانوروں کو ذبح کریں اور اس کا نتیجہ ہے کہ کل جانوروں (Livestock) کی تعداد میں نہ صرف یہ کہ خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو سکا ہے بلکہ پہلی جنگ کے معیار کے مقابلہ میں پیداوار کی حقیقی سطح کم رہی ہے۔ تقریباً تمام سرکاری منصوبوں میں اس کا اثرات موجود ہے کہ زراعت میں اشتراکی پالیسی ناکام رہی ہے۔ خورد و شیف نے اپنے پیش روؤں کی اس کوتاہی پر گرفت کی تھی۔ لیکن خورد و شیف کا زرعی منصوبہ بھی ناکام رہا اور اس کی ناکامی خورد و شیف کو لے ڈولی۔

دوسری اشتراکی زرعی پالیسی کی ناکامی کا سب سے اہم ثبوت پیداوار کے سرکاری اعداد و شمار سے فراہم ہوتا ہے۔ دوسرے کے کل زیر کاشت رقبہ ۱۹۵۰ء کی صدی ابتدائی تحویل میں ہے اور صرف ۴-۱۱ صدی ذاتی ملکیت میں۔ کسانوں کو آمد سے اور زمین چرمائی ایکڑ کے کھیت نجی ملکیت میں رکھنے کی اجازت ہے۔ اجتماعی تحویل میں جو ۱۹۵۰ء کی صدی علاقہ ہے اس میں سے ۵۰-۴۰ فی صدی سرکاری کھیتوں کی شکل میں ہے اور ۱۹۵۰ء کی صدی اجتماعی کھیتوں کی صورت میں۔ لیکن اگر پیداوار کو دیکھا جائے تو حیران کن نتائج سامنے آتے ہیں۔

اجتماعی دائرہ	نجی دائرہ
سرکاری ملکیت + اجتماعی ملکیت	افراد کی ملکیت
۱۹۵۰ء کی صدی	۱۰-۴۰ فی صدی
۶۸-۹۸ فی صدی	۳۲
۵۲-۶۸ فی صدی	۴۷
۵۲-۶۸ فی صدی	۴۷

دوسرے الفاظ میں کل زیر کاشت رقبہ کا صرف ڈیڑھ فی صدی انفرادی ملکیت میں ہے۔ لیکن پیداوار کا ۳۲ فی صدی اور حیوانات کی افزائش کا ۷۴ فی صدی اس ۴-۱۱ فی صدی رقبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ اشتر کی دائرہ میں زمین زیادہ اور پیداوار بہت کم ہے۔ یہ چیز اشتر کی طرز پر منظم کھیتوں کی ناکامی اور زراعت میں انفرادی ملکیت کی کامیابی کا یہی ثبوت ہے۔ یہی چیز مشرقی یورپ کے تمام ممالک میں ردنا ہوئی ہے اور اسی کے نتیجہ میں اب وہاں زراعت میں تیزی کے ساتھ انفرادی ملکیت کا احیا کیا جا رہا ہے۔ چینی میں بھی ایسی چھلانگ کے تجربہ تک بھی یہی نتائج سامنے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے اشتر کی ممالک میں (پولینڈ کو چھوڑ کر جس نے اجتماعیت بندی کو آگے بڑھانے کی زیادہ کوشش ہی نہیں کی) زرعی پیداوار میں مناسب ترقی نہیں ہو سکی ہے اور ان ممالک کو

۱۹۵۰ء زراعت میں اجتماعیت بندی کا آغاز ۱۹۲۰ء میں ہوا۔ ۱۹۲۹ء اور ۱۹۵۵ء کے درمیان کل زرعی پیداوار میں سرکاری اعلان کے مطابق اضافہ ۳۵ فی صدی کا ہوا ہے جب کہ آبادی میں اضافہ ۵۴ فی صدی کا ہوا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ فی کس زرعی پیداوار ۱۹۵۵ء میں ۱۹۲۹ء کے مقابلہ میں کم تھی۔ (بحوالہ دی سٹیٹ ورلڈ صفحہ ۲۸۲)

خود خورشید نے ایک تقریر میں کہا تمہاری کالی زمین ملک کے بہترین علاقوں میں سے تھی۔ کامریڈز۔ مجھے بتاؤ کہ تمہاری پیداوار کم کیوں ہو گئی؟ اگر کشت، تم اب کم پیدا کر رہے ہو۔ یہ بڑھنے کے بجائے کم کیوں ہو گیا۔ ایک ڈائریکٹر ایکسپریٹ سے، یا زیادہ سے زیادہ ۱۱ کوئل گندم لے کر کیے مطمئن ہو جاتا ہے۔ کیا تم کہتے ہو کہ اس طرح تم اشتر کی منزل تک پہنچ سکو گے؟ (بحوالہ مذکورہ باب صفحہ ۱۹)

باہر سے غلہ درآمد کرنا پڑا۔ روس اور چیس دونوں نے ۱۹۶۳-۱۹۶۴ اور ۱۹۶۴-۱۹۶۵ میں مغربی اور دوسرے ممالک سے غلہ حاصل کیا۔ پہلے اور یہ سبب بھی اس حالت میں کہ روس میں زراعت پر کام کرنے والی محنت دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ یعنی زیادہ زمین، زیادہ محنت، زیادہ خرچہ، اور کم پیداوار وہ تمام مظالم اس پرستزادہ جراثیمیت نے کسانوں پر کئے ہیں۔

۸۔ بیوروکریسی کا عروج

اشتراکیت نے سرمایہ دار طبقہ کو تو موزور مٹا دیا لیکن اس کی جگہ ایک نئے طبقہ نے لے لی اور وہ ہے بیوروکریسی۔ طبقاتی تقسیم اسی طرح موجود ہے۔ بلکہ اس سے شدید تر شکل میں ہے۔ سیاسی اور معاشی اقتدار ایک مخصوص گروہ کے ہاتھوں میں ہے اور وہ جس طرح چاہتا ہے معاملات کو انجام دیتا ہے۔ اشتراکیت کی بنیادی غامی یہ رہی ہے کہ اس نے اصل اہمیت ملکیت کو دی اور یہ سمجھ لگی کہ ملکیت کو اجتماعی کرنے کے باوجود بھی افراد اور گروہ کو تصرف کے غیر محدود اختیارات حاصل رہ سکتے ہیں اور تصرف کے اس اختیار میں بھی وہی طبقاتی کیفیت رونما ہو سکتی ہے۔ جہاں جہاں اشتراکیت کامیاب ہوتی ہے وہاں ایسا ہی ہوا ہے۔ میلان جیلا میں کتاب ”نیا طبقہ“ (The New Class) اشتراکیت کے اس پہلو کا بہترین مطالعہ ہے۔ اس عکراں طبقہ کو وہ ساری مراعات حاصل ہیں جو سرمایہ داروں کو حاصل ہوتی ہیں اور اس کے

اختیارات سرمایہ داروں سے کہیں زیادہ ہیں۔ اور یہ طبقہ سرمایہ دارانہ ملک کی انتظامیہ کے مقابلہ میں تعداد میں بھی کم ہے۔^{۱۹} یہ ہے وہ قیمت جو انسانیت کو اشتراکیت کی اس معاشی ترقی کی ادراک کرنی پڑی جو اشتراکیت کے بغیر بھی حاصل کی جاسکتی ہے اور زیادہ اچھے انداز میں اور ابھی رفتار سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

^{۱۹} گرامسک نے روس اور امریکہ میں سفید کارروائے طبقہ کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کے تجزیے کے مطابق امریکہ میں صنعت اور معدنیات کے میدانوں میں کل محنت کا دسویں حصہ ۲۹ فی صدی وہ ہیں جنہیں "سفید کار" دے کہا جاسکتا ہے جبکہ دسویں حصہ ۲۰ فی صدی ہے (۱۹۵۴-۵۶) اسی طرح نیکزوی کی طرح پر امریکہ میں سفید کارروائے ملازمین کی تعداد ۲۹ فی صدی ہے جبکہ روس میں یہ تناسب صرف ۱۵ فی صدی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

Granick, G., "Soviet-American Management Comparisons," *Comparisons of the United States and Soviet Economics*, Washington, 1959.

ہمارا دیا ہوا مسافر ہم اسے مانرہ ہے۔ لیکن پورے معنوں کا مطالعہ مفید ہے۔ ایک دوسرے مطالعہ میں جو شیوں بنانے کی صنعت کے بارے میں

(۱۴) ہے جو نتائج سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ روس میں انتظامیہ کی عملہ کامرت ۲
فی صدی ہے (۵۹-۱۹۵۹) جبکہ امریکہ میں اس کا حصہ ۱۶.۹ ہے۔

Boretsky, M., *The Soviet Challenge to U.S. Machine Building*, Washington, 1962, pp. 16, 44.

معاشی استحکام اور سماجی فلاح

معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ اشتراکیت کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ اس نے سماجی فلاح، معاشی انصاف اور صنعتی استحکام قائم کیا ہے۔ بر نظر ظاہر یہ دعویٰ خاصا متاثر کن معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقائق کا زیادہ گہرائی میں جانکا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی اشتراکیت کے کارنامے کو کسی پہلو سے بھی غیر معمول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں قابل غور نکات یہ ہیں۔

اضاعت اور عدم استحکام
اشتراکیت کا سرمایہ داری پر ایک بہت ہی اہم اور قوی اعتراض یہ تھا کہ

اس میں اضاعت (Wastage) اور عدم استحکام (Instability) پایا جاتا ہے۔ وسائل کا ایک معقول حصہ ضائع ہوتا ہے، انسانوں کی کھپ کی کھپ بے روزگار رہتی ہے اور معیشت ایک نہ ختم ہونے والے سنبھالتے چکر میں گرفتار رہتی ہے۔ سرمایہ داری پر یہ تمام تنقید بالکل بجھا ہے۔ یکسوئی وال یہ ہے کہ کیا اشتراکیت ان مسائل پر قابو پا سکتی ہے؟ اور کیا اس کا خاتمہ کیا جوا نظام ان پرانیوں سے پاک ہے۔

روس میں ایک رجحان یہ کارفرما رہا ہے کہ بڑے سے بڑا کارخانہ

قائم کیا جاتے، بڑے سے بڑا اسٹیڈیم اور ہسپتال ہو، بڑے سے بڑا پلاٹ لگایا جاتے، بڑے سے بڑا پشتہ: "Dam" تعمیر کیا جائے۔ غرض جگمگ کی بڑائی پر مبنی اشتراکیت فریفتہ رہی ہے اور اس کو سرمایہ دارانہ نظام پر اپنی فوقیت کی ایک ملامت بگھتی رہی ہے۔^{۱۹۶} حالانکہ یہ فوقیت کی نہیں اندرونی بیماری کی ملامت ہے۔ بڑے ادارے قائم کرنے کا یہ قاعدہ تو منور ہے کہ ان پر فرد واحد کا کنٹرول برآسانی قائم ہو جاتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں بڑی اہم مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایسے اداروں کو ان کی پوری صلاحیت کارکردگی تک استعمال نہیں کیا جاسکتا اور اسی طرح اخلاعت رونما ہوتی ہے جیسے سرمایہ داری میں۔ مثلاً حجب ذہنوں میں یہ سمایا ہو کہ برقی قوت + سویٹ + سولنزم تو بجلی کے بڑے بڑے کارخانے قائم کئے جانے لگے بلکہ محاذ اس کے کہ ان کو استعمال کرنے کے مواقع موجود ہیں یا نہیں۔ ڈنٹلی

مولے اس سلسلہ میں یہ بات سامنے رہے کہ ہر وہ تہذیب جو صرف مادی بنیادوں پر قائم ہوئی جگمگ کی بڑائی اور وسعت کو غیر معمولی اہمیت دیتی رہی ہے۔ مغربی تہذیب کا بھی یہی حال ہے۔ اس سے پہلے بھی جتنے حسنی تمدن قائم ہوئے ہیں مثلاً یونان اور روم ان کا مرض بھی یہی تھا۔ مشہور فلسفی تاریک اور ماہر عمرانیات پروفیسر پٹی رم سوروکن نے اسے تہذیبوں کا ایک مرض قرار دیا ہے۔ اور ان کی تباہی کے اسباب میں شمار کیا ہے ملاحظہ ہو۔ سوروکن:

پر دپریٹراس (Dineptroprestroy) کا عظیم بجلی گھر اس کی بہترین مثال ہے۔ بجلی کا یہ ایک اسٹیشن ۵۰ لاکھ کی آبادی کی ضروریات پوری کر سکتا تھا اور اپنی تعمیر کے دس سال بعد بھی اپنی صلاحیت سے کہیں کم پیدا کر رہا تھا۔ پھر اس کا نتیجہ ہے کہ روسی اشتراکیت کا سب سے پیچیدہ مسئلہ اشیاء کی تیز رفتار گردش اور نقل و حرکت کا مسئلہ ہے۔ مناسب مقدار میں مال کی آمد اس نظام کے کمزوری پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ اسی طرح مال کی تقسیم کے سلسلہ میں نقل و حمل کے مصارف (Transport costs) بہت زیادہ آتے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی ہیں جہاں کوئلہ کی کانوں سے کوئلہ پلان کرنے میں کل پیداوار کا نصف خرچ ہو جاتا ہے۔ منڈیوں کا حال یہ ہے کہ ان میں ایک طرف غیر فروخت شدہ اشیاء کے انبار ہیں اور دوسری طرف غیر تسکین یافتہ استیابات۔ ۱۹۵۷ء مثلاً پٹرول کی پیداوار ضرورت سے کہیں زیادہ ہے اور روس اس فاضل پیداوار کو خالص سرمایہ داروں کی طرح سستے داموں پر دینے (Dumping) کے لیے کوشاں ہے۔ غیر فروخت شدہ اشیاں بڑھتے جا رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ء اور منڈی کا یہ عدم استحکام بھی اہی اسباب ہیں سے ایک ہے جن کی وجہ سے روس میں محض مارکیٹ

۱۹۷۱ء نامور سوشلسٹ برنارڈ شا کا مشہور جملہ ہے کہ سرمایہ داری کے نظام میں خبر کے ایک کونے پر اعلیٰ کانوں کی بریل پیل ہوتی ہے اور جھوک مفقود اور دوسرے پر جھوک کی فراوانی ہے اور اشیائے خورد و نوش ناپید!

میکانزم کے احیاء کی کوشش کی جا رہی ہے۔ گوہر اور لائبریری کی تہذیبی و تاریخی پشت پر اس مسئلہ کا شعور موجود ہے۔ صرف روس ہی میں نہیں دوسرے اشتراکی ممالک میں بھی ایسے ہی حالات درپیش ہیں۔ زیکو سلاوکیہ کے بارے میں وہاں کے صدر ریاست نے خود اعتراف کیا ہے کہ مال ہے مگر اس کے لیے کوئی طلب موجود نہیں ہے۔

اسی طرح پیداوار کے لیے جو مادی ہدف مقرر کیے جاتے ہیں اور ان کو پار کر لینے پر جو انعام و اکرام دیا جاتا ہے وہ بھی امناحت کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ جن چیزوں کی پیداوار آسان ہے ان کی طرف وسائل کا مہاذبڑا بہاؤ جاتا ہے۔ منجر بھی ہدف سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن چند چیزوں کی پیداوار تو غیر معمولی طور پر بڑھ جاتی ہے۔ مگر باقی تمام اشیاء کی جن کے بغیر وہ چیزیں جنہیں سختی شکل میں مکمل نہیں ہو سکتیں بہت کم رہتی ہے۔ عام معاشی محرکات کو چھوڑ کر جو محرکات اشتراکیت نے اختیار کئے وہ پیداوار کو بڑھانے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکے اور اس کو مناسب طریقے پر تقسیم کرنے میں بھی کچھ تیزی بہت زیادہ نہیں اور کچھ بہت کم۔ اپنے نتائج کے اعتبار سے یہ وہی چیز ہے جو سرمایہ داری میں پائی جاتی ہے۔ وہاں اس کا نام تجارتی یکہ ہے اور یہاں ہم اسے "اشتراکی چکر" کہہ سکتے ہیں۔

ایک اور اہم مسئلہ بے روزگاری کا ہے۔ روس نے دعویٰ کیا ہے کہ دوسرے پچھلے منصوبہ کے وقت بے روزگاری ختم ہو گئی اور اس کے بعد سے اس سلسلہ کے اعداد و شمار شائع کرنا بند کر دیئے۔ لیکن کیا اعداد و شمار کی

اشاعت بند کرنے کے معنی یہ بھی ہیں کہ فی الحقیقت مسئلہ حل ہو گیا۔ بلاشبہ روس میں مزدوروں کے لیے بڑی تعداد میں روزگار فراہم کئے گئے ہیں۔ لیکن کیا اب فاضل محنت (Surplus labour) موجود نہیں ہے؟ کوئی کلاک کے اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۲۸ء میں روسی زراعت میں فاضل محنت کاروں کی تعداد دو ڈھائی کروڑ سے متجاوز تھی۔ اگر یہ صحیح ہے کہ روس نے بے روزگاری کے اس حقیقی مسئلہ یعنی فاضل محنت کے مناسب استعمال کو ابھی تک حل نہیں کیا ہے۔ پھر سوال مخفی بے روزگاری (Disguised unemployment) کا ہے۔ جو آج بھی خاصی موجود ہے۔

ان حالات کی موجودگی میں معاشی استحکام کا دعویٰ خاصہ محل نظر ہے۔ اور اب تو لاتبرعین نے جن خامیوں کی طرف نشاندہی کی ہے ان میں سے بشیر باتوں کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اچانک کا وہ ظلم اب غرور روس میں بھی کہاں باقی ہے؟ سماجی انصاف

سماجی انصاف کا مسئلہ بھی خاما غور طلب ہے۔ اس کے بے شمار پہلو ہیں لیکن ہم صرف چند اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کریں گے۔ دانت، روسی اشتراکیت نے سماجی انصاف کے تصور کو ان اخلاقی بنیادوں سے الگ کر دیا ہے جن میں آج تک اس کی جڑیں اتاری ہوئی ہیں اور جس کے بغیر یہ تصور بہت ہی غیر تسلی بخش اور (Arbitrary) ہو رہا ہے۔

اب، سماجی انصاف کے تصور کو، اس کے محدود معاشی معنی میں بھی پیش کرنے

میں اشتراکیت کو اولیت حاصل نہیں ہے۔ اسلام نے تو سارے تیرہ سو برس پہلے اس بنیاد پر ایک پورا معاشی نظام قائم کیا تھا اور اس کے اثرات استعمار کے غلبہ کے دور تک ہماری تکریر پر باقی رہے۔ یورپ میں بھی سماجی فلاح اور اجتماعی ضمانت (Social security) کا نظام بیسویں صدی کے اوائل ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ انگلستان میں صحت کی انشورنس کا آغاز ۱۹۰۸ء میں ہو گیا تھا۔ بے روزگاری کے خلاف انشورنس کا آغاز ۱۹۲۱ء میں محدود پیمانہ پر ہو گیا تھا۔ مغربی یورپ کے بیشتر ممالک میں عالمی بحران ۱۹۲۲ء - ۱۹۲۹ء کے بعد کسی نہ کسی شکل میں اجتماعی ضمانت کا پروگرام شروع ہو گیا تھا۔ اسی طرح مزدوروں کے لیے اوقات کار کا تعین، معقول اجرت کی ادائیگی اور دوسری سہولتوں کی فراہمی کے سلسلے میں ۱۸، ۱۹ سے قانونی اور دوسری کارروائیاں ہوتی رہیں اور آج مغربی ممالک میں مزدوروں کی عام حالت بہت بہتر ہے۔ کم از کم روس اور دوسرے اشتراکی ممالک کے مقابلہ میں ان کی حالت بدتر ہے۔ اس لیے اس دائرہ میں اولیت کا دعویٰ اشتراکیت نہیں کر سکتی۔

دع، اشتراکیت کے تحت سماجی انصاف اور اجتماعی بہبود کے جی پھلوں کو اہمیت دی گئی ہے۔ اسی میں تعلیم، روزگار کی ضمانت اور صحت وغیرہ کی سہولتیں اہمیت رکھتی ہیں۔ اس سلسلہ میں اشتراکیت نے جو کچھ کیا ہے ہم اس کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن اس سلسلہ میں چند باتیں ملحوظ خاطر رہنی چاہئیں۔

اور سماجی فلاح کے سلسلہ میں جو کچھ کیا گیا ہے اس کی حیثیت انسانی (Utilitarian) ہے۔ یعنی جو چیزیں پیداوار کو بڑھانے اور اشتراکی منصوبوں کو بروئے کار لانے میں معاون ہو سکتی تھیں ان کو اہمیت دی گئی اور سماجی فلاح کے وہ تمام پہلو جو اس میں زیادہ معاون نہ تھے لیکن انسانی نقطہ نظر سے بے سہم تھے، ان کو بلا تکلف نظر انداز کر دیا گیا۔ مثلاً طبی سہولتوں کو فراہم کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن رہائش کی سہولت کی طرف سے مہربانہ غفلت برتی گئی۔ حتیٰ کہ رہائش کا مسئلہ عام آدمیوں کے لیے پیچیدہ ترین مسئلہ بن گیا۔ آج بھی محلہ توں پر آبادی کا دباؤ (Overcrowding) بے حد زیادہ ہے۔ روس کے سرکاری ذرائع کی مدد

تہ ۱۹۱۳ء میں فی کس شہری مکانی جگہ (Per capita urban housing space) ۷-۲ مربع میٹر تھی اور ۱۹۲۹ء میں یہ ۲-۲ مربع میٹر تھی۔ اس کے مقابلہ میں ۱۹۵۰ء میں یہ ۷-۲ اور ۱۹۵۶ء میں ۷-۷ تھی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر کمرہ میں اوسطاً کم از کم تین افراد رہ رہے تھے۔ مثلاً تازنا ایک شخص رہنے کے لیے جتنی جگہ حاصل کر سکتا ہے وہ صرف ۷ مربع میٹر ہے، یہ جگہ اس سے کچھ ہی زیادہ ہے جو ہمارے ملک میں ہر قیدی کو جیل خانہ میں دی جاتی ہے۔ اور

200. Figurov, S. P., *Real 'naya zarabotnaya plataipool' yem material' nogo blagosostoyaniye trudyashchahsya VU.S.S.R.*, Moscow, p. 109. vide, *Economic Systems in Action*, p. 154.

روسی ایکو نو میٹ پر کوکوپوچ (Prokopovich) کے الفاظ میں اس جگہ سے دو گنی ہے جتنی ایک شخص کو قبر میں حاصل ہوتی ہے۔^{۱۹۱} یہ روس کا پندرہویں ہے۔ دوسری مغربی اہل قلم کا خیال ہے کہ اب فی کس جگہ کا اوسط ۴۴ مربع میٹر ہے۔^{۱۹۲} ۱۹۶۱ء میں خروشیٹ نے اعتراض کیا تھا کہ رہائش کی جگہ کی قلت کا مسئلہ آج بھی شدید شکل میں موجود ہے۔ رہائش کا یہ مسئلہ اتفاقی نہیں ہے۔ منصوبہ بندی میں اسے چھپے رکھا گیا اس لیے کہ یہ مام پیداوار میں اضافہ کے مقابلہ سے ہم آہنگ نہ تھا۔ اگر سماجی علاج کا کوئی حقیقی تصور موجود ہوتا تو اس پہلو کو کبھی نظر انداز کیا جاتا۔ آخر منصوبہ بندی میں اس پہلو کو اہمیت کیوں نہیں دی گئی؟ کیا منصوبہ کاری یہ نہیں جانتے تھے کہ ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۹ء کے درمیان شہری آبادی میں تین گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ رہائش میں اس زمانہ میں صرف ۴ فی صدی اضافہ کیا گیا۔ اگر یہ مردم آذان جان بوجھ کر پیدا کیا گیا تو ہم کیسے مان لیں کہ اشتراکیت کو سماجی علاج عزیز تھا اور یہ کہ اشتراکی منصوبہ بند مغربی سرمایہ دارانہ سے کچھ بھی مختلف ہے۔

۱۹۱۔ بحوالہ دی سویٹ ورلڈ صفحہ ۳۷۱۔ واضح رہے کہ Economic survey of Europe (مطبوعہ جنیوا، ۱۹۵۰ء) کی رو سے مغربی ممالک میں فی کس جگہ کا اوسط یہ تھا۔ بلجیم ۱۵ مربع میٹر، ڈنمارک ۲۱ مربع میٹر، فرانس ۲۳ مربع میٹر، سوئیڈن ۲۳ مربع میٹر۔ اور برطانیہ ۲۵ مربع میٹر۔

202. Jasny, Naum, The New Economic Course in the U.S.S.R., Problems of Communism, quoted Aspects of Soviet Economy, p. 15.

سرایہ دار بھی اپنے منافع کو بڑھانے کے لیے سماجی بہبود کو نظر انداز کرتا ہے اور
اشتراکی منصوبہ کار بھی پیداوار کو بڑھانے کے لیے معیشت کے دوسرے حصوں
کو بنیادی رسد سے بھی محروم کر دیتا ہے۔ اور اگر یہ چیز غیر اختیاری تھی تو ماننا چاہیے
اگر محض منصوبہ بندی کے ذریعہ توازن آپ سے آپ قائم نہیں ہوگا اور اس
نظام میں بھی شدید بے اعتدالیوں اور ناہمواریاں (Disharmonies) موجو
رہتی ہیں۔

اسی طرح کپڑے کی پیداوار کا مسئلہ ہے۔ کپڑے کی صنعت کو برابر نظر انداز
کیا گیا۔ حالانکہ لباس انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور سماجی فلاح کے کسی ایسے
نظام کا تصور نہیں کیا جاسکتا جس میں لباس کے مسئلے کو حل نہ کیا گیا ہو۔
انسان کی تیسری اور سب سے بنیادی ضرورت خوراک ہے۔ اس کے بارے
میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ ذراعت کے میدان میں اشتراکیت سب سے زیادہ ناکام رہی
ہے۔ فی کس صرف روس میں بے حد کم ہے۔ خوراک کا معیار پرست اور غیر تلی بخش
ہے۔ ایک عام آدمی کو اپنی آمدنی کا بڑا حصہ محض خوراک پر خرچ کر دینا پڑتا ہے۔
ماہری شہادت کے بقول روس میں ایک عام صراف کو اپنی آمدنی کا ۵۰ فی صدی
سے زیادہ خوراک پر خرچ کرنا پڑتا ہے جبکہ انگلستان میں یہ حصہ صرف ۲۰ فی صدی
ہے۔ پھر روسی صراف کے خوراک کے صرفہ کا بڑا حصہ روٹی اور آٹو پر صرف ہو
جاتا ہے۔ گوشت، انڈے، دودھ وغیرہ پر اس کا صرف بہت ہی کم ہے۔ یہ
چیزیں اسے شاذ و نادر ہی میسر آتی ہیں۔ مسئلہ ان معائنات کی روشنی میں ہم یہ کہے

بادکر میں کراشرز کیت نے فی الحقیقت سماجی انصاف کے قیام میں حقیقی دلچسپی لی ہے۔ ثانیاً سماجی انصاف کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف بنیادی ضرورتوں کو اقل مدد تک فراہم کر دیا جائے بلکہ یہ ایک ہمد گیر تصور ہے جس میں محنت کی عزت و توقیر سے لے کر سماجی اور معاشرتی مساوات تک ہر چیز شامل ہے۔ پورے اشتراکی تجربے کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے وہ اس تصور کو چھو تک نہیں سکی ہے۔ اس نے ایک طرف سماجی انصاف کا نام لیا ہے اور دوسری طرف لوگوں کو بدترین مظالم کا نشانہ بنایا ہے، تعلیم کے فروغ میں دلچسپی لی ہے لیکن ٹکری کی دلدلی پر پہرے بٹھائے ہیں اور تعلیم کے بھی اسی شعبوں کو فروغ دیا ہے جو پیداوار کے بڑھانے، فوجی قوت کی تشکیل اور پروپیگنڈے کے لیے درکار تھے اور اس میں بھی بڑے اور چھوٹے ادارے امیر اور غریب کی تفریق کی ہے۔ اس لیے ہم اس کے سماجی نفاق کے کارناموں سے کوئی مثبت تصور اخذ نہیں کر سکتے۔

ثالثاً ایک طرف سماجی نفاق کے مختلف پروگراموں کو فروغ دیا گیا ہے اور دوسری طرف ایسی پالیسیاں اختیار کی گئی ہیں جن کے نتیجے میں افراط زندگی کیفیت رونما ہوگئی۔ عام قیمتیں وزرمی پیداوار کی بنیادی قیمتوں کو چھوڑ کر، اُوپر چڑھنے لگیں۔ افراط زر کا ناقابل تردید ثبوت مقدار زر میں اضافہ، نئے قیمتوں کا مسلسل اضافہ، ضرورت کی اشیاء کی شدید کمی، وسائل پیداوار اور اشیاے صرف کی قلت، کیفیت کی کمزوریاں،

۱۹۶۹ء میں نوٹ اور کے جو گردش میں تھے ۸-۲۰ ارب تھے لیکن ۱۹۷۶ء تک یہ بڑھ کر ۴۰-۱۱ ارب ہو چکے تھے۔ قیمتیں بھی برابر بڑھ رہی تھیں۔

کم اجرت، مینجروں کی غیر رسمی اور غیر قانونی کارروائیاں اور بلیک مارکٹ کا ظہور رہی۔
 افراط زر کی پالیسی سماجی علاج کی پالیسی کی عین ضد ہے۔ لیکن روس نے اس پر عمل کیا
 ہے اور تمام اہم محقق اس رائے کے حامل ہیں کہ روس میں افراط زر اور مخفی افراط زر
 شدید شکل میں موجود رہے ہیں۔ اور اب بھی ہیں۔

دایماً سماجی علاج کے تصور کو بھی محض علاج و بہبود سے کاٹ کر پیدا آوری
 اور کارکردگی سے جوڑ دیا گیا ہے اور سماجی انشورنس کے پروگراموں کو سرکاری پالیسی
 کی تنقید کے لیے ایک حربے کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس نے اس
 پر ہی ایکم کو بالکل دوسرا رنگ دے دیا ہے۔ ہم اس سلسلہ میں چند بنیادی
 باتیں عرض کرتے ہیں۔ سماجی انشورنس کی ایکم روس کی پوری آبادی کے تقریباً نصف
 پر لاگو ہی نہیں ہوتی۔ سویت لیبر کوڈ (Soviet Labour Code) کی دفعہ
 ۵۸ کی رو سے شوشل انشورنس ان تمام افراد کا احاطہ کرتی ہے جو امیر (Hired
 Labour) ہیں۔ اس میں کھیت پر کام کرنے والے حتیٰ کہ اجتماعی کھیت پر کام
 کرنے والے بھی شامل نہیں ہیں۔ ان کی تعداد ۳۰ لاکھ ۳۰ کروڑ ہے جبکہ صنعتی مزدوروں
 کی تعداد ۱۰ لاکھ ۳۰ کروڑ ہے۔

سرکاری طور پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ

205. See: Zabol, *The Economics of Competitive Coexistence*, op. cit., pp. 122-130;

Lewis, *Economic Survey*, op. cit., pp. 126-130.

شوشل انشورنس کا پورا نظام اس طرح تبدیل ہونا چاہیے کہ ہنگامہ خیز مزدوروں (Shock Workers) اور لمبی مدت ملازمت رکھنے والے مزدوروں کو ترجیحی مقام حاصل ہو۔ ہمیں شوشل انشورنس کے ہتھیاروں کو اس طرح استعمال کرنا چاہیے کہ مزدور کی وابستگی اپنی جاتے ملازمت سے بڑھے۔²⁰⁶

اگر کوئی مزدور ایک مقام کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے تو اس کی انشورنس اور دوسری سہولتیں از سر نو شروع ہوتی ہیں۔ پہلے ایک شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں نہیں جا سکتے تھے۔ اب کچھ آسان بن چکے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی پابندی بھی لگا دی گئی ہے کہ اگر مزدور اپنی مرضی سے کسی فیکٹری کو چھوڑے گا۔ تو اسے ایک قلیل مدت کے بعد بے روزگاری کی انشورنس اور دوسری سہولتوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ مدیہ ہے کہ مزدوروں کے لیے جو ریٹ ہاؤس بنائے گئے ہیں وہ بھی مزدوروں کو نہیں ملتے۔ ۱۹۴۸ء میں اس سلسلہ میں جو سرکاری پالیسی طے کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ ۱۰ اور ۲۰ فی صدی ٹیکس پارٹی کی قیادت جاری کرنے، زیادہ کام کرنے والے، ڈسپنس کے پابند اور اسٹیفنڈ واٹس مزدوروں کا استحقاق زیادہ ہے۔²⁰⁷

ان حالات کی روشنی میں خود سماجی انصاف کے حصول کے وعدے کے

206. Questions of Insurance, Nos. 7-8, 1933, p. 12.

207. A.U.C.C.T.U., May 29, 1948.*

بارے میں کافی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اشتراکیت کا دعویٰ اپنے ساتھ بہت سے تلخ حقائق بھی رکھتا ہے۔ اگر چند چراغ روشن ہیں تو زمین کے بڑے حصہ پر تاریکیوں کے مہیب سائے مسلط ہیں۔

اشتراکیت اور آج کے ترقی پذیر ممالک

ہم نے اوپر کے صفحات میں معاشی مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ ابھی اس سلسلہ کا ایک اہم سوال اور باقی ہے اور وہ یہ کہ کیا آج کی پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ دنیا اشتراکیت کے ذریعہ معاشی ترقی حاصل کر سکتی ہے اور کیا ترقی کی خاطر بہتر رفتار ترقی کی خاطر پسماندہ ممالک کو اس راستہ کو اختیار کرنا چاہیئے؟

ہماری نگاہ میں اس کا جواب نفی میں ہے۔ پسماندہ ممالک کو معاشی ترقی کی اشتراکی راہ سے گریز کرنا چاہیئے اور اس کے مقابلہ میں کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا چاہیئے جو ان کے حالات سے زیادہ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہو اور جو بہتر سے بہتر نتائج دے سکے۔ اس سلسلہ میں اصل بحث پر آنے سے پہلے دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔

معاشی ترقی کی حقیقت

»بحث« معاشی ترقی کا عمل محض ایک معاشی عمل نہیں ہے۔ یہ ایک مجموعی عمل ہے جس کے ذریعہ ایک معیشت کی مجموعی ساخت اور اس کے کل نظام میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جن کے نتیجہ میں اس کی قومی دولت اور فی کس آمدنی میں مسلسل اور چہرہ افزا اضافہ اور قرار واقعی اضافہ ہو جاتا ہے جو لیے

عرسے تک جاری رہتا ہے، معیشت کے تمام پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے اور نظام پیداوار کی صلاحیت اور کارکردگی میں اضافہ کے نتیجے پر رونما ہوتا ہے۔ اس پورے عمل کی ترقی میں جو چیز کارفرما ہے وہ تخلیقیت (Creativity) کا فروغ ہے۔ پس ماندہ ممالک کا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ انہوں نے یا تو یہ سمجھ لیا ہے کہ معاشی ترقی میں ایک میکا کی عمل ہے جو سرمایہ کاری میں اضافہ کے نتیجے کے طور پر آپ سے آپ رونما ہو جائے گی۔ یا وہ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ معاشی ترقی بھی کوئی ایسی چیز ہے جو درآمد کی جاسکتی ہے اور محض بیرونی امداد کے ذریعہ سے اس کا تصور تعمیر ہو سکتا ہے۔ یا وہ اس مغالطہ کا شکار ہیں کہ معاشی ترقی سیاسی انقلاب کا فطری اور لازمی نتیجہ ہے جس سے ان کے اندر موجود غلط فہمیوں اور مغالطوں کا نتیجہ ہے کہ وہ معاشی ترقی کے سلسلے میں اس تخلیقی رد عمل کا اظہار نہیں کر پا رہی ہیں جس کے بغیر ترقیاتی دور کا آغاز نہیں ہو سکتا۔ ان کے لیے اندامی نقالی سب سے زیادہ مضر چیز ہے۔ خواجہ مغربی

میں اشتراکی اہل قلم نے یہ اساس پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نقطہ نظر کو سب سے پہلے خود اشائیں نے پیش کیا۔ ملاحظہ ہو:

Colonialism and the National Question

Bone, Alfred, *Studies in Economic Development*, London, 1958, Ch. I. and Baran, Paul A., *The Political Economy of Growth*, New York, 1957.

سرمایہ داری کی جو یا دوسری اشتراکیت کی۔ انہیں اپنے حالات کے مطابق اپنے مخصوص ترقی کوائف کی روشنی میں، اور اپنے قومی اور فی مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنی ترقیاتی حکمت عملی وضع کرنی ہوگی اور نقالی کے بجائے تخلیقی اور تبدیلی انداز میں یہ کام انجام دینا ہوگا۔ کبھی پرکھی مارنے سے یہ گاڑی نہ چل سکے گی۔ ہمیں ترقیاتی عمل کو بڑی گہرائی میں جا کر سمجھنا ہے اور اپنے حالات کے مطابق ایک راستہ تجویز کرنا ہے۔ اس کے بغیر ہم نئے دور کے دروازے پر دست نہ رکھ سکیں گے۔

معاشی ترقی کا اشتراکی اسلوب

اب، دوسری بنیادی بات یہ ہے ہمیں ترقی کے وہ حدود و خال بھی واضح طور پر متعین کر لینے چاہئیں جو اشتراکیت نے اختیار کی ہے۔ اس کے بغیر ہم صحیح طور پر محاکمہ نہیں کر سکیں گے۔ ہماری نگاہ میں اشتراکیت کی ترقیاتی حکمت عملی یہ رہی ہے۔

(۱) صنعت، تجارت، زر و بنگاری اور ذرائع رسل و وسائل کی قومی ملکیت اور

فراغت کی اجتماعیت بندی (Collectivisation)

(۲) سرمایہ کاری کی بہت بلند شرح۔ اس کے لیے صرف کی تحدید، اجرتوں کو کم رکھنا، افراط و تہید مندرجہ، اشیائے صرف پر بھاری محصولات، ٹرانزیکشن کی بلا واسطہ عوام تک رسائی کو موثر کرنا اور انہیں مزید سرمایہ کاری کے لیے استعمال کرنا۔

(۳) معیشت کی لیے عرصہ کی مرکزی اور کئی و سہمگیر منصوبہ بندی

(۷) آزادی کی تحدید اور محنت کو انتظامی ٹھکنے میں کنا۔

(۷) دعامت کو صنعت کی ضروریات کے تابع کرنا اور صنعت میں بیماری صنعت کو غیر معمولی ادیت و فوقیت دینا۔

(۷) کچھ خاص دائروں میں جبر و تشدد کے طریقے اختیار کرنا، بہت بڑے پیمانے پر نشر و اشاعت اور مہم کاری (Campaigning) کا راستہ اختیار کرنا، سماجی محرکات کو حرکت میں لانا اور اگر یہ غیر موثر رہیں تو جبر قوتوں کے فرق، آمدنیوں کے تفاوت اور مصلحت کی عدم مساوات کے ذریعہ تحریکات فراہم کرنا یا سماجی اور مالی و معاشی محرکات کو یک وقت اختیار کرنا۔

(۷) سماجی فلاح کی ان چیزوں کی طرف توجہ دینا جو اس ترقیاتی عمل میں مفید و معاون ہیں۔ مثلاً تعلیم و تربیت، پنشن وغیرہ۔

اس حکمت عملی میں مندرجہ بالا کی قومی ملکیت کے کوئی چیز بھی بنیادی طور پر سرمایہ داری کے مزاج سے مختلف نہیں ہے۔ فرق یہ ہے کہ اشتراکیت میں ریاست کے ہاتھوں میں اتنا غیر معمولی اقتدار اور معاشی قوت سمجھتی ہے کہ وہ سرمایہ کاری کو اتنی اُنہنی سطح پر لے جاتی ہے جتنی کسی آزاد معاشرے میں نہیں لے جانی جاسکتی۔ وہ دعامت کو جبر کے ذریعہ صنعتی مقاصد کے تابع کر سکتی ہے اور صرفہ کو ناقابل یقین مستحکم کر سکتی ہے۔ ہر گیر منصوبہ بندی اس کو وہ ہتھیار فراہم کرتی ہے جن کے ذریعہ یہ کام انجام پا سکتا ہے۔ اس حکمت عملی میں کچھ فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ لیکن پیمانہ مساوات کو اس کے اس مخصوص مزاج کو سامنے رکھ کر اس کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہیے۔ یہ راستہ سرمایہ داری

کے راستے سے جس پہلو سے مختلف ہے وہ معیشت میں ریاست کا حصہ ہے۔ اسی وجہ سے معاشی ماہرین کی ایک قابل لحاظ تعداد نے اس راستہ کو ریاستی سرمایہ داری کا راستہ قرار دیا ہے۔ فرق یہ نہیں ہے کہ سرمایہ داری کا ٹیکنیک (Technique) کچھ اور ہے۔ اور اشتراکیت کا کچھ اور فرق یہ ہے کہ سرمایہ داری یہ سب کچھ انفرادی سرمایہ داروں کے ہاتھوں کرتی ہے اور اشتراکیت ایک سرمایہ دار ریاست کے ہاتھوں۔

اشتراکیت اور ترقی پذیر ممالک

ان حقائق کو سامنے رکھ کر اب ہم اشتراکیت کے طریقہ کی مناسبت یا عدم مناسبت کے بارے میں غور و فکر کے لیے چند اہم نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(۱) اصولی اعتبار سے اشتراکیت عملی کی نقالی بھی اتنا ہی غیر تخلیقی عمل ہو گا جتنا مغربی ممالک کی نقالی۔ ہم ترقی کے لیے نقالی کو بہت قائل سمجھتے ہیں اور نقالی کو شرط لازم۔

(۲) اشتراکیت کے معاشی تجربے کے بارے میں جو کچھ ہم اس مضمون میں پیش کر چکے ہیں وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ اس کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ انسانی اور تہذیبی نقطہ نظر سے بھی اور خالص معاشی نقطہ نظر سے بھی۔ اس قیمت پر یہ سودا انسانیت کے لیے خصوصیت سے پیمانہ ممالک کے لیے بہت مہنگا ہے۔ اسے کسی پہلو سے بھی ایک کامیاب تجربہ نہیں کہا جاسکتا۔ انسانیت کو ایک تیسرے راستے کی ضرورت ہے جو قیمت کے اعتبار سے ہلکا اور نتائج کے اعتبار سے بہتر ہو۔

(۳) پسماندہ ممالک اور روس کے حالات کا موازنہ کیا جائے تب بھی کچھ ایسے فرق سامنے آتے ہیں جنہیں نظر انداز کر کے کوئی صحیح فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً

۱۱، روس کے پاس وسیع رقبہ، کم آبادی اور غیر معمولی اور ایک حد تک غیر محدود معدنی وسائل تھے، لیکن آج کے پسماندہ ممالک میں اور خصوصیت سے پاکستان میں صورت حال اس سے مختلف ہے۔ ان ممالک میں بالعموم معلوم معدنی وسائل محدود اور آبادی زیادہ ہے۔

۱۲، انقلاب کے وقت روس میں بنیادی معاشی ترقی جو پہلی تھی اور فیصلہ معاشی طور پر نہیں خود غیر ترقی (Self-sustained growth) کے مرحلہ تک وہ پہنچ چکا تھا، لیکن آج کے پسماندہ ممالک اس مقام سے بہت پیچھے ہیں۔ اشتراکیت صنعت کی پیداوار اور صنعتیت کا شعشہ ہے۔ لیکن یہ ملک ابھی صنعتیت سے بہت دور ہیں۔ اس پہلو سے اشتراکیت ابھی ان کے حالات سے مناسبت نہیں رکھتی۔

(۴) پسماندہ ممالک کا سب سے بنیادی مسئلہ زراعت ہے۔ زراعت کے سنورنے پر ان کی ترقی کا انحصار ہے اور زراعت کی خرابی سے ان کی تباہی ہے۔ لیکن زراعت ہی اشتراکیت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ روس میں زراعت کے میدان میں اشتراکیت ناکام رہی اور اس کی وجہ تھی کہ صنعتیت (Industrialism) میں کھیت کی وجہ سے اس نے نہ صرف یہ کہ زراعت کو نظر انداز کیا بلکہ اسے صنعتی ترقی کے لیے قربانی

کا بکرا بنایا۔ نظریاتی طور پر اشتراکیت زراعت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی، اس کی اصل دلچسپی صنعت، صنعتی مزدور (Proletariat) اور صنعتی ہیئت سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف روس ہی میں نہیں بلکہ چین اور مشرقی یورپ کے تمام اشتراکی ممالک میں اس کی زرعی پالیسی ناکام رہی ہے اور اس میدان میں اسے بار بار صرف شکست ہی کا اعتراف نہیں کرنا پڑا بلکہ نئی مراعات بھی دینی پڑی ہیں۔ اشتراکی دنیا میں پو لینڈ زرعی اعتبار سے سب سے بہتر ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اجتماعیت بندی (Collectivism)

سب سے کم رہی ہے اور آزاد کاشت کا سب سے زیادہ رواج ہے۔ اس پہلو سے پسماندہ ممالک کے لیے اشتراکیت مہلک ہوگی وہ ان کے بنیادی زرعی مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی اور غیر فطری طور پر صنعتی انقلاب کی جو کرشماتی وہ کرے گی وہ پورے معاشرے کو شدید بحران کا شکار کر دے گی۔

(۵) پلاننگ کے طریقے اور آلات (Techniques) اس وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جب ایک ملک میں شماریات کا نظام ترقی یافتہ ہو، نقل و حرکت

(Mobility) موجود ہو، علاقائی بعد (Regional Separation)

موجود نہ ہو یا ترقی یافتہ ذرائع نقل و حرکت کی وجہ سے کم سے کم تر ہو گیا ہو۔

انتظامیہ مضبوط اور ترقیاتی رواج لیے ہوئے ہو۔ لیکن ان میں سے ہر

معیار پر پسماندہ ممالک بہت پیچھے ہیں۔ ان حالات میں ان پر اشتراکیت

کے طریقوں کو مسلط کرنے کا نتیجہ پیچیدگیوں اور کشاکش (Tension) میں

اضافہ ہی ہوگا اور ہر ملک ایک عجیب غمضہ میں گرفتار ہو جائے گا۔ بعوض

میں ترقیاتی کوششوں کا جوابی عمل (Response) پیدا نہیں ہوگا اور
تناؤ اور جھوڑنا ہو جائے گا۔²¹⁰

(۶) اشتراکیت کے طریقے کی کامیابی کے لیے مزوری ہے کہ حکومت کا نظام مضبوط
ہو، اس کی کارکردگی کا معیار نہایت اعلیٰ ہو، انتظامیہ -----

(Administration) بہت اہل ترقیاتی رجحان کی حامل -----

(Development Oriented) اور منظم ہو اور سرکاری حلقے پر غور و نظر

(Corruption) سے محفوظ ہوں۔ ان میں سے کسی چیز کی بھی کمی پلاننگ

کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے کافی ہے۔ پسماندہ ممالک میں اس پہلو سے

بے حد کمزوریاں ہیں اور ان حالات میں وہاں اگر اشتراکی طریقے کو اختیار

کیا جائے تو وہ ناکارہ اور بدعنوان حکمرانوں کو دائمی تسلط حاصل کرنے کا باعث

ہوگا اور کرپشن کی وجہ سے معیشت کی ترقی کی بجائے صرف ان کی ذاتی ترقی واقع

ہوگی پسماندہ ممالک کے حالات میں تو اقتدار کی تقسیم اور قومی محاسبہ کی مضبوطی

ترقی کے مناسب ہو سکتے ہیں اور ان دونوں کی اشتراکی طریقہ میں کوئی گنجائش نہیں۔

(۷) اشتراکیت کے معاشی راستہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تیزی سے صنعتی بنانے کی

کوشش کی جائے اور اس نظریہ کو بہرہ و قوت مسلط کر دیا جائے۔ ایک نو

نے اسے "Industrialising ideology" کا تسلط قرار دیا ہے۔²¹¹

نئے مصر اور شام کے حالیہ تجربات اس کا ثبوت ہیں۔

210. See: Nove, Alec, "The Soviet Economy", op. cit.

اس کا شکار صرف کاشت کار ہی نہیں ہوتا بلکہ دستی صنعت کار، گھریلو صنعت کار، چھوٹا تاجر اور بیرو پارسی وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ ان تمام گروہوں کو قوت کے ذریعہ بے اثر کیا جاتا ہے اور اس طرح عوام کی معاشی حالت خراب تر ہو جاتی ہے۔ نئی قوانین اپنا اثر قائم کرنے میں بڑا وقت لیتی ہیں یکس زراعت کی اور چھوٹے کاروبار اور صنعت کی کر توڑ دینے کے اثرات فوراً ردفا ہوتے ہیں اور لگاؤ کو بڑھانے کا باعث ہوتے ہیں۔

(۹) نیز معاشیات کے بنیادی قوانین کو نظر انداز کرنے مثلاً مارکٹ کے نظام اور معاشی حساب کاری کے نتائج لیے عرصے میں اچھے نہیں نکلتے۔ محض پیش اور جذبہ اور مہم کاری اور پروپیگنڈے کے ذریعہ کام چلایا تو باسکتا ہے۔ لیکن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نہیں۔ اس کے نتیجہ میں جو اضماعت رونما ہوتی ہے پسماندہ ممالک سے انگیز نہیں کر سکتے۔

ان نکات کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ دہی حجرہ آج کے پس ماندہ ممالک کے لیے مشعل راہ نہیں بن سکتا یہ سیاسی استبداد اور معاشی الجھنیں پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ غیروں کی غلامی سے نکل کر یہ ممالک اپنوں کی غلامی میں مبتلا ہو جائیں گے اور معاشی مسئلہ بھی حل نہ ہو سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ زوہ قائلین امر کی اور برطانوی راستوں کی پیروی کے معاشی ترقی سے ہم کنار ہو سکتے ہیں اور نہ اشتراکی طریقے کو اختیار کر کے لے

لے آزاد معیشت کا طریقہ ان ممالک کی اکثر کچھ بھی رہنمائی نہیں کرتا اور کلیتہاً

انہیں ایک اور ہی راستہ اختیار کرنا ہو گا جو ان کے حالات سے مطابقت رکھتا ہو، ان کے عوام میں حقیقی حرکت پیدا کر سکتا ہو، سیاسی ظلم اور استبداد سے پاک ہو اور ترقی اور انصاف کے حصول پر منتج ہو۔ ہماری نگاہ میں یہ راستہ اسلام کا راستہ ہے جو سرمایہ داری اور اشتراکیت ہر دو سے مختلف ہے۔ لیکن ابھی اس پر گفتگو قبل از وقت ہے، فی الحال تو ہم اس نتیجہ سے صدمت نظر نہیں کر سکتے کہ اشتراکیت ہمارے مسائل کا حل نہیں ہو سکتی۔

’اُدی‘ منصوبہ بندی کا راستہ اس کام کی انجام دہی مشکل طرح نہیں کر سکتا۔“

Higgins, Benjamin, *Economic Development*, Norton and Co., New York, 1959, p. 456.

اس موضوع پر دونوں طرف کے نقطہ نظر کے مطالعہ کے لیے مندرجہ بالا کتاب کے مطالعہ کا حکم ہے۔

See: Nove, Alec, *The Soviet Economy*, op. cit., p. 304
 Hiechman, Albert O., *The Strategy of Economic Development*, Yale University Press, New Haven, 1958. Baner P., *United States Aid and Indian Economic Development* Nove, Alec, "The Soviet Model and Under-developed countries" *International Affairs*, London, January 1961.

مارکسی اشتراکیت اور روسی اشتراکیت

اشتراکیت کو جاننے کا ایک اور معیار یہ ہے کہ اسے خود اس کے نظری معیار پر پرکھا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ جن اصولوں کو اس نے پیش کیا تھا ان پر کہاں تک عمل کیا ہے؟ اس پہلو سے روسی اشتراکیت کا مطالعہ بڑا معنی خیز اور عبرت انگیز ہے۔ روس کی تاریخ جدید اشتراکیت کے اتباع اور اس سے انحراف کی ٹی ہاؤسٹا ہے۔ خالص مارکسی نقطہ نظر سے روسی اشتراکیت کے بے شمار معاملات کی کوئی تو جہیہ کی نہیں جاسکتی بلکہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ روس جو کچھ کر سکا اس میں اشتراکیت کے اصولوں پر عمل کا اتنا حصہ نہیں ہے جتنا ان کو ترک کرنے اور ان سے انحراف کا ہے۔

اشتراکی اصول انقلاب کی تردید

اشتراکی فلسفہ تاریخ کی روس سے اشتراکیت سرمایہ داری کی پختگی اور اس کے عروج و زوال کے بعد رونما ہوتی ہے۔ لیکن روس میں اشتراکی انقلاب سرمایہ داری کے دور کی تکمیل کے بغیر ہی رونما ہو گیا۔ ابھی وہاں سرمایہ دارانہ نظام رو بہ فروغ تھا۔ صنعتی انقلاب اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہا تھا اور مزدور طبقہ تشکیلی دور سے گزر رہا تھا۔ ان حالات میں اشتراکی انقلاب رونما ہوا۔ اس

نے ایک طرف مارکس کے نظریہ تاریخ و انقلاب کی تردید کی اور دوسری طرف اس پر سے عمل کو غلط کر دیا جس سے اس کے خیال میں اشتراکیت کو گنہگار بنایا۔ یہ درس میں اشتراکیت کا پہلا گناہ ہے اور نہ معلوم کب تک روسی اشتراکیت اس کی تلافی کرتی اور کفارہ (Atonement) ادا کرتی رہے گی۔

اشتراک کی نظریہ کی رو سے انقلاب کا ذریعہ مزدوروں کا طبقہ ہے۔ جب وہ اتنا مضبوط ہو جائے گا کہ سرمایہ داری کے اندرونی تناقضات سے پورا پورا فائدہ اٹھائے اور سرمایہ داری کا اضطراب اس کی بغاوت اور ایک آخری مزب کے لیے مناسب موقع فراہم کر دے تو پھر مزدوروں کے ہاتھوں تبدیلی رونما ہوگی اور وہ حکمران قوت کی حیثیت سے ابھر آئیں گے۔ اس وجہ سے مارکس نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ انگلستان میں اشتراک کی انقلاب سب سے پہلے رونما ہوگا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں صنعتی انقلاب سب سے پہلے رونما ہو رہے ہیں۔ سرمایہ داری اپنی تکمیل کو سب سے پہلے پہنچی اور مزدوروں کی قوت اور تعداد

-
212. See: Carew Hunt, R.N., *The Theory and Practice of Communism*, op. cit., Part III; Rauch, George Von, *A History of Soviet Russia*, F.A. Parerger New York, 1961, Prologue and Ch. I; Plamenatz, John, *German Marxism and Russian Communism*, Longmans, Green and Co., London, 1954, Part II.

سب سے زیادہ موثر تھی۔ لیکن یہ تاریخ کا ایک عجیب و غریب طنز (Irony) ہے کہ جہاں بھی اشتراکی انقلاب رونما ہوا ہے وہاں مزدوروں کے ہاتھوں نہیں فوج کے ہاتھوں یا اس کی مدد سے رونما ہوا ہے۔ روس میں پہلی جنگ کے آخری زمانے میں فوجی بغاوتوں نے اشتراکی انقلاب کی راہ ہموار کی اور ”جنگی اشتراکیت“ (War communism) کے پورے دور میں جو دراصل ۱۹۱۸ء

سے ۱۹۲۴ء تک پھیلا ہوا ہے روس کے بیشتر علاقے فوجی تیغ کے ذریعہ داخل اشتراکیت کئے گئے۔ چھپ کا انقلاب دو فوجوں کی جنگ کے نتیجے میں برپا ہوا۔ مشرقی یورپ کے تمام اشتراکی ممالک میں تبدیلی روسی فوج کی فتوحات کے زیر سایہ رونما ہوئی۔ اشتراکی اصول انقلاب یہاں بھی ناکام رہا اور خود اشتراکیت کو اپنے نظریہ میں دم اڑکم ظاہری طور پر، یہ تبدیلی کرنی پڑی کہ روس اور چین دونوں جگہ انہوں نے بطور انقلابی قوت کے مزدوروں اور کسانوں سے کام لیا اور روسی دستور میں بھی کسانوں کا ذکر شامل کیا گیا حالانکہ مارکس کی فکر میں کسان کا کوئی مقام نہیں ہے اور وہ انہیں ایک انقلابی قوت تسلیم نہیں کرتا۔

قومی ملکیت اور ذاتی ملکیت

اشتراکیت کا سب سے بنیادی اصول قومی ملکیت ہے۔ اشیائے صرف میں نجی ملکیت کو عبوری دور کے لیے اشتراکی نظریہ قبول کرتا ہے۔ لیکن وسائل پیداوار کی نجی ملکیت کے لیے اس نظریہ میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشتراکی پروگرام کا اول و آخر قومی ملکیت کو قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس

پہلو سے روس نے کیا کیا۔ سمجھوتے کیے ہیں، ان کی داستان بڑی عبرت انگیز ہے۔ ہم صرف چند ضروری پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ روس کا دستور جمعی ملکیت کا اسی طرح تحفظ کرتا ہے جس طرح امریکہ کا دستور۔ اس فرق کے ساتھ کہ روس میں نجی ملکیت پر اجرت پر کام نہیں لیا جاسکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں روس میں صرف اشیائے صرف (Consumers goods) ہی کی نجی ملکیت نہیں ہو سکتی بلکہ وسائل پیداوار کی بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ ان پر دوسروں کی محنت سے کام نہ ہو۔ ایک شخص اور اس کا خاندان وسائل پیداوار اپنی تحریل میں رکھ سکتا ہے۔ اس پر کام کر سکتا ہے، حاصل پیداوار کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے اور فروخت بھی کر سکتا ہے۔ یہ تمام چیزیں قانوناً ممنوع نہیں ہیں، البتہ ان پر ٹیکس مائد کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض ذاتی ملکیت یا وسائل پیداوار کی ذاتی ملکیت ممنوع نہیں ہے صرف وہ ذاتی ملکیت ممنوع ہے جو محنت کے انتفاع (Exploitation of labour) پر مشتمل ہو۔

۲۔ زراعت میں نجی ملکیت موجود ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں ان کی تعداد ۲ کروڑ ۵۸ لاکھ تھی اور گروہ کل زیر کاشت رقبہ کا صرف ۴-۱ تھے یعنی کل زراعتی پیداوار کا ۳۲ فی صدی ان نجی کھیتوں سے حاصل ہو رہا تھا۔ آؤ کہ پیداوار کا ۶۰ فی صدی ان کھیتوں سے حاصل ہو رہا تھا۔ دودھ کا ۵۰ فی صدی سے

فراہم کر رہے تھے اور انڈوں کا ۸۰ فیصدی۔ ۱۹۳۷ء
 (۱۱) اشتراکی پارٹی کی بانیسویں کانفرنس (۱۹۶۱ء) کے موقع پر جو نیا قانون
 نافذ ہوا ہے اس کی رو سے ایک شادی شدہ جوڑا اپنا ذاتی مکان رکھ
 سکتا ہے۔ ہر شہری ایک خاصی تعداد جانوروں کی رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح
 کارڈیفیغیر بجریٹیلی ویشن، کپڑا و سونے کی مٹین اور اس نوعیت کی دیرپا اثاثہ
 (Durable goods) بھی ذاتی ملکیت میں رکھے جاسکتے ہیں۔

غیر کسی آمدنی کا رواج

بات صرف ذاتی ملکیت ہی تک نہیں بلکہ اب یہ ذاتی ملک قانون وراثت کی
 رو سے وراثہ کی طرف منتقل بھی کی جاسکتی ہے۔ وراثت کو انقلاب کے فرائض ختم
 کر دیا گیا تھا۔ ۲۷ اپریل ۱۹۱۸ء کے قانون کی رو سے ۲۳۷ وراثت — خواہ

213. See: *Crisis in World Communism*, op. cit., p. 42.

Newth J.M. "The Private Sector of Soviet
 Agriculture" *Soviet Studies*, October 1961 and
 April 1962; Vigor, P.H., *A Guide to Marxism
 and Its Effects on Soviet Development*, Faber and
 Faber, London.

214. Decree of April 27th (14) 1918 V. Ts.I.K. All
 Union Central Executive Committee.

پذیر قانون جہاں بذریعہ وصیت — منسوخ کر دی گئی تھی اور ایک شخص کی موت پر اس کا تمام ترکہ حکومت کی ملک میں آجاتا تھا البتہ سماجی نفع کے قانون کے تحت تک یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ وصیت کے ذری (Dependents) کو ترکہ میں سے امانت ملتی رہے گی۔ پھر ۱۹۱۹ء میں ۱۱۵۵ء زندگی، سرمایہ اور آمدنی کا بیمہ (Insurance) ختم کر دیا گیا۔ لیکن ۱۹۳۹ء کے دستور میں دفعہ ۱۰ وراثت کے قانون کو بحال کر دیا گیا اور آخری وصیت کے ذریعہ ہر شہری کو غیر محدود مالک کی وصیت کا حق دے دیا گیا۔ زندگی کا بیمہ بھی شروع کر دیا گیا اور سرکاری بیمہ ٹرسٹ (GOSSTRAKH) کی طرف سے پرچوں میں بیمہ کی ترغیب کے لیے اشتہارات بھی آنے لگے۔ اس بیمہ میں اب کم سے کم رقم (Premium) ہینڈ رو بل رکھی گئی ہے اور شخص متعلقہ کی موت پر یہ رقم اس کے ورثہ کاروں کی جانتے گی۔ اب بڑے لوگوں اور امیر کامریڈوں کی اولاد اسی طرح سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوتی ہے جس طرح امریکہ اور بھارت میں۔ وراثت کے ذریعہ اولاد کو اور بہت ہی محدود دائرہ میں، بڑی بڑی رقم ملتی ہیں۔

اثر اکیسٹ غیر کبی آمدنی (Unearned income) کی شدید مخالفت ہے

215. Decree of November 18th 1919, Code of Laws, 56-542.

اسے مثال کے طور پر ملاحظہ ہو میر کا اشتہار "Literature Iskustvq" میں
 مورخہ دسمبر ۱۹۲۳ء

اور اسے تمام انتفاع کی بڑھوتری دیتی ہے اسی لیے وہ وسائل پیداوار میں نئی حکیت کو ختم کرنا چاہتی ہے تاکہ سرمایہ پر سود یا منافع اور زمین پر لگان ختم ہو جائے اور ہر شخص صرف محنت کے ذریعہ اپنی مزدوری کائے۔ لیکن دوسری اشتراکیت نے اس اصول کو بھی بہت سخت اور مشکل العمل پایا اور بالآخر غیر کیسی آمدنی کے لیے شہاہ و روازے کھول دیئے۔ صرف چند مثالیں:

(۱) وزارت کے ذریعہ بننے والی رقوم اور مال غیر کیسی ہوتا ہے اور اسے دوسری اشتراکیت نے جائز کر دیا ہے۔

(۲) بڑے لوگوں کی موت پر ان کی اولاد کے لیے خصوصی امداد کا طریقہ رائج کیا گیا ہے۔ ایک عام مزدور کے ورثہ کو قانون کے ذریعہ ۲۰ سے ۶۰ روپل ماہانہ بطور امانت ملتے ہیں اور بڑے آدمیوں کی اولاد کو کم اور کم ہزار روپل ماہانہ اور لاکھوں روپل کی ایک مشقت امانت انوالڈ کی وضاحت کے لیے صرف ایک سرکاری اعلان کا متن ہم دیتے ہیں۔

شہوانی جہاز ڈیزائن کرنے والے کامریڈ امین ایم۔ لہلی کرپو

۸۔ جنوری ۱۹۳۸ء کے فرمان و بحوالہ مجموعہ قوانین ۱۹۳۹ نمبر ۱۱ کی رو سے معدنی صنعت میں کام کرنے والے ایک عام مزدور کے خاندان کا اگر ایک بچہ ہے تو ۳۰ روپل ماہانہ اور اگر دو یا زیادہ بچے ہیں تو ۴۰ روپل ماہانہ پیش ملے گی۔ خطرناک جگہوں پر کام کرنے والے مزدوروں کے خاندان کو ۶۰ روپل اور عددی علی الترتیب ملیں گے۔

(Polikarpov) کی موت پر، جو سوشلسٹ محنت کا ہیرو اور سپریم سوویت کارکن تھا حکومت نے طے کیا ہے کہ اس کی بیوی کو ۱۰ لاکھ روپل کی رقم ملے۔ اس کی بیوی کو تمام عمر کے لیے ایک ہزار روپل ماہانہ، اس کی بچی کو ۵۰ روپل ماہانہ اس وقت تک کے لیے جب تک وہ اپنی تعلیم مکمل نہ کرے اور اس کی بہن کو تمام عمر کے لیے ۴۰۰ روپل ماہانہ دے دیئے گئے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ شخصی من لولہ کر لو جس خاندان میں پلے گی اس کے پاس ترکے کے علاوہ ایک لاکھ روپل کا سرمایہ اور ۲ ہزار روپل ماہانہ کی آمدنی ہوگی۔ اور اشتراکی نظریہ کی رو سے یہ سب غیر کبھی آمدنی ہے!

لہذا اپنی ذاتی بچت کو ہر شخص ملک میں رکھ سکتا ہے اور اس پر ۲ فی صدی سود وصول کر سکتا ہے۔ سرمایہ کو سرکاری بونڈ اور شکات کی شکل میں رکھا جاسکتا ہے اور اس پر بھی مستقل آمدنی ہوتی ہے۔ حکومت اشتہار دے کر لوگوں کو اس سرمایہ کاری کی ترغیب دیتی ہے اور سود کی ضمانت دیتی ہے۔ یہ رقم مرکزی بینک کی ۹۹ ہزار شاخوں میں رکھی جاسکتی ہے۔ ایسے لوگ بھی ہزاروں کی تعداد میں ہیں جن کے پاس لاکھوں روپل کی مالیت کے شکات ہیں۔ ۱۹۴۳ء میں روسی اخبارات میں پہلے ہندوستانی لکھ چہ (Proletarian Millionaire) کی خبریں شائع ہوئیں اور اسے بھی ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے پیش

کیا گیا۔ یہ اعزاز تاجکستان کے ایک سرکاری کیت کے ڈائریکٹر کا سرٹیفیکٹ برٹائی بیکوٹ (Berdyebekov) کو حاصل ہوا تھا۔ اس کے احباب بہت سے کھپتی موجود ہیں جن کا لاکھوں اور کروڑوں روپل حکومت کے پاس بطور قرض تسکات کی شکل میں ہے اور جن کو اس پر لاکھوں روپل سود کے مل چکے ہیں ^{۱۹۷۱}۔

غیر کبھی آمدنی کا ظہور اور اس کا فروغ اصل اشتراکیت کی موت ہے۔

محنت کا استحصال

اشتراکیت کا ایک اور بنیادی اصول دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھانے کی ممانعت ہے۔ ان کی استحصال کی کلاسیک تعریف یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اس طرح اپنے تصرف میں نہ لائے کہ اس کی محنت سے خود فائدہ اٹھائے مگر

219. See : Koestler, *The Yogi and the Cocomisar*, op. cit. p. 159-166 ; Arnold, Arther Z., *Banks, Credit and Money in Soviet Russia*, Columbia University Press, New York, 1937 ; Hardt, John., "Industrial Investment in the USSR", *Comparisons of United States and Soviet Economics*, op. cit., Landarer, Car, *Contemporary Economic Systems*, Lippincott Co. Philadelphia, 1964, pp. 239-545.

روس میں قانوناً محنت کا استحصال ممنوع ہے لیکن قانون ہی کی رو سے صرف اہل خانہ ان کی محنت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے ایک خانہ ان کی محنت سے حاصل کی ہوئی پیداوار کو بازار میں فروخت کرنے کی اجازت ہے بلکہ شوفر، باورچی اور گھر کے غلام اتنا اور مالی وغیرہ کو بطور ملازم بھی رکھا جاسکتا ہے۔
طبقاتی استحصال

اشتراکیت ایک غیر طبقاتی معاشرہ قائم کرنے کی مدھی ہے، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں وہ اشتراکیت کے اولین دور میں ایک طبقاتی اور آخری دور میں غیر طبقاتی معاشرہ قائم کرنا چاہتی ہے۔ لیکن روس میں طبقاتی تقسیم کو ختم نہیں کیا جاسکا۔ نظری طور پر بھی وہاں دو طبقات کا سرکاری طور پر اعتراف کیا جاتا ہے۔ اشتراکی پارٹی کے حالیہ پروگرام میں اس امر کا اعتراف ہے کہ کمیونسٹ یونین میں اب دو دست طبقات (Classes) پائے جاتے ہیں۔ مزدور اور کسان۔ مسئلہ اسی طرح وہاں کا شعبہ شماریات کمیونسٹ معاشرہ کی طبقاتی تقسیم کے ذیل میں بھی دو جدا گانہ طبقات - مزدور اور کسان کا تذکرہ کرتا ہے۔

220. Vide, Vigor, A Guide to Marxism, op. cit. p, 191-92.

221. "Programme of the Communist Party of the Soviet Union"

222. See for instance, Narodnoye Khovyaistro USSR 1961, Moscow 1961, p. 27 vide Vigor, op. cit. p. 192.

یہ تو متحی سرکاری اور نظری پوزیشن۔ اس کی رو سے ایک طبقہ کا استحصال دوسرے طبقے کے ہاتھوں ممکن ہے۔ کم از کم اشتراکی فلسفہ سماج کی رو سے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں طبقات دوست طبقات نہیں بلکہ فی الحقیقت متضاد طبقات ہیں۔ روس کے کسانوں نے وہاں کی صنعتی ترقی کی قیمت ادا کی ہے۔ وہ وہاں کی سماجی فلاح کی ایکسکم کے ثمرات سے محروم ہیں۔ ان کو پنشن کے حقوق حاصل نہیں۔ روس کے شہریوں میں رہنے کے لیے جن شافٹی کاغذات کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ان کو براہ آسانی نہیں ملتے اور اگر ملتے بھی ہیں تو ان کو شہریوں کے برابر نہیں سمجھا جاتا، بلکہ برابر نہیں امتیازات کا نشانہ بنایا جاتا ہے نیز تنخواہوں اور دوسری سہولتوں اور مراعات کے باب میں ان کو ثانوی درجہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح حقیقت یہ ہے کہ جن گروہوں کو سرکاری طور پر دو طبقات مانا گیا ہے ان میں سے ایک دوسرے کا استحصال کر رہا ہے۔

پھر استحصال کی صورت یہی صورت نہیں ہے، قومیتوں (Nationalities) کا استحصال بھی بہت بڑے پیمانے پر کیا جا رہا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر حکمران گروہ اور پارٹی خود ایک طبقہ بن گئے ہیں جن کے مقابلے میں باقی تمام آبادی بے بس اور مجبور ہے۔ کوئی نہیں جو مکملے بندوں اس طبقہ کو چیلنج کر سکے۔ اس کا سیاسی، معاشی اور معاشرتی اقتدار مغربی دنیا کے سرمایہ داروں سے کم نہیں زیادہ ہی ہے۔ اشتراکیت یہ سمجھتی تھی کہ ملکیت تبدیل ہونے کے بعد استحصال ختم ہو جائے گا مگر ملکیت تبدیل ہونے کے باوجود تصرف کا کل اختیار ایک مخصوص گروہ کو حاصل رہا اور اس کے ہاتھوں دوسروں کا

خود مزدور طبقہ کا استحصال بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔
 بالواسطہ ٹیکس

اسی طرح بالواسطہ ٹیکس کو سمجھنے، مارکس کی نگاہ میں اس کے لیے کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔ یعنی نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ بالواسطہ محصول دراصل غریب پر محصول ہوتے ہیں۔ ^{۲۲۷} ٹیکس روس میں سرکاری بجٹ کا ۷۰ فی صدی سے بھی زیادہ بالواسطہ محصول کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کا بار عوام پر اندر خصوصیت سے مزدوروں، کسانوں اور میری آبادی پر پڑتا ہے۔

معاشی محرکات

اشتراکیت معاشی اور مالی محرکات کی مخالفت محض اور یہ سمجھتی تھی کہ آمدنیوں کی مساوات معاشرتی بدل کے لیے ضروری ہے نیز سماجی اور اجتماعی محرکات بذریعہ عمل اور تفریق کاہ کے لیے کافی ہوں گے۔ یعنی نے انقلاب سے قبل کہا تھا کہ انتظامیہ کے اُنچے سے اُوچے فرد اور ایک معمولی تربیت یافتہ کارکن کی تنخواہ میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ لیکن اس کی جو تفسیر روس کے نظام میں کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ بقول اسٹالن اجمرتوں کی مساوات کا مطالبہ کرنا بدشروانی مطالبہ اور اشتراکیت دشمنی ہے۔ ان تمام چوٹی کے اشتراکیوں کو جو مساوات کے قائل تھے ایک ایک کر کے ختم کر دیا گیا اور جو نظام قائم کیا گیا اس میں اتنی ہی عدم مساوات ہے جتنی برطانیہ اور دوسرے سرمایہ دارانہ ممالک میں ^{۲۲۸} تھے اس

سلسلہ کی کچھ تفصیل ہم اوپر کے صفحات میں دے چکے ہیں جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

قوم پرستی کا احیاء

معاشی محرکات کے علاوہ اشتراکیت نے تجربہ سے یہ بھی محسوس کر لیا ہے

۱۔ اختیار پرست ریاست (Meritocracy) جے سویت سماج میں حقیقی کسی آمدنی میں دلچسپی کے بعد زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم کے درمیان فرق و تفاوت بلاشبہ اس سے زیادہ ہے جو انگلستان اور اسکاٹ لینڈ پر یا کے ممالک میں پایا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کے برابر جو جو امریکہ میں رہتا ہے۔ سویت روس کے قائد یہ سمجھتے ہیں کہ جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ ملوی محرکات ہیں اس لیے انہوں نے ایک محرکات سے جبری جوتی ریاست (Incentive State) بنائی ہے اور بلا واسطہ محصول کے ذریعہ اس کے نتائج میں حرمیم کے بھی حق میں نہیں ہیں۔ انہوں نے بلاشبہ یہ ثابت کر دیا ہے کہ کم سدا صرف انفرادی ملکیت ہی کی پیدا کردہ نہیں جوتی۔ یہ میرا اپنا یقین ہے اور معلوم شہادیات اور چشم سر و فون کی شہادت یہ ہے کہ مفت تعلیم، پیرانہ سال کی پنشن، ذراعت سے سوا، اور دوسری سماجی خدمات کے باوجود وہاں عدم سادات کو ان حدود سے بہت دور تک بڑھا دیا گیا ہے جو ایک ملک کے شہریوں کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہیں۔

Jay, Douglas, Socialism in the New Society, Longmans, London, 1962, p. 16 17.

کہ اسے آزمانش کے لمحہ میں قومیت کے جذبات کی ضرورت ہے ایک ملک میں انقلاب سے جو تحریک شروع ہوئی تھی وہ جنگ عظیم ثانی کے دور میں خالص قوم پرستی پر منتج ہوئی اور سارا انقلابی جوش حقیقت پسندی کے آستانہ پر پہنچا ہو گیا۔ اس سلسلہ میں اشتراکیت کی مروجہ پرستی اور قومیت کے اگے شکست کی صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

(i) اشتراکیت کی بین الاقوامی تنظیم کو مغربی ممالک کے اثر کے تحت باقاعدہ طور پر ختم کیا گیا۔ یہ گویا ایک مالگیر تحریک کے تصور سے مراجعت اور قوم پرستی کے لیے زمیں ہموار کرنے والا پہلا قدم تھا۔

(ii) جنگ کے زمانہ میں جرمنی کے نسل پرستانہ نعروں کے مقابلہ میں روس نے سلیو نسل کا نفرو بلند کیا۔ ۱۹۴۱ء سے تقریباً ہر سال روس میں (All Slavic) لاگرمیں منعقد کی جانے لگی۔ "دنیا کے مزدوروں کی سرزمین" اب "سلیو نسل کی قاعدہ" بنی گئی تھی اور اس کی فوج سلیو اقوام کی ماتمی فوج قرار دی گئی!

(iii) فوج کا عہدہ (Oath) بھی تبدیل کر دیا گیا ۱۹۳۹ء سے پہلے فوجیوں کا عہدہ یہ تھا،

"میں عہد کرتا ہوں کہ اپنے قول و فعل سے مزدوروں کی ترقی کے عظیم مقصد کے لیے کوشاں رہوں گا اور میں عہد کرتا ہوں کہ سویت یونین، سوشلزم اور تمام انسانوں کی اخوت کے لیے لڑوں گا۔"

۱۹۳۹ء کے بعد نیا عہدہ صرف یہ تھا۔

میں اپنے آخری سانس تک اپنے مادر وطن اور حکومت
کی خدمت کروں گا۔^{۲۲۵}

(۱۷) ۵ مارچ ۱۹۴۲ء کو بین الاقوامی حرانہ ترک کر دیا گیا عظیم روس کی بڑائی
اور عظمت کے بیان میں ایک نیا ترانہ اختیار کر لیا گیا۔

(۱۷) قبل انقلاب کے دور کے زار روس کے فوجی جرنیلوں کی شاہی میں تصدیق کرنی
کا از سر نو آغاز ہوا۔ انہیں قومی ہیرو کی حیثیت سے پھر پیش کیا جانے لگا۔
جنہیں کل تک سامراجی اور دور غلامی کے بھاڑے کے ٹٹو

(Mercenaries) کہا جاتا تھا اب ان کے نام کے اعزازات جاری کیے
جانے لگے۔ ۲۹ جولائی ۱۹۴۲ء کو زاروں کے دور کے جرنیل سرگوروت

(Suvorov) کیوٹوزو (Kutuzov) اور ایگنڈینسکی (Nevsky)

کے ناموں کے اعزازات جاری کئے گئے اور بالآخر ۹ جنوری ۱۹۴۳ء کو فوجی
افسروں نے ان جھبٹوں (Epaulettes) کا از سر نو استعمال شروع کر دیا جو
وہ زاروں کے دور میں اپنے کندھوں پر لگاتے تھے۔

(۱۷) شروع کے دور میں جس مورخ کا طوطی بولتا تھا اور جس کی کتب نصاب
میں شامل تھیں وہ پوکروفسکی (Pokrovsky) تھا۔ اس نے شخصیت پرستی
کی جگہ خالص مادہ کسی انداز میں پوری تاریخ کو پیش کیا تھا۔ ۱۹۴۳ء میں اس کو ہٹا

225. Vide Koestler, *The Yogi and the Commissar*, op. cit., p. 196.

دیا گیا اور اس کی بجگہ شیتا خوت (Shestakov) نے لے لی جس کی تاریخ ۱۹۳۶ء میں داخل نصاب ہوتی اور جس کا امتیازی نشان یہ تھا کہ ہم اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں، ہمیں اس کی عظیم تاریخ سے واقف ہونا چاہیے۔ پڑھی تاریخ کو دوبارہ قومیت اور اقتدار پرستی کے رنگ میں بیان کیا گیا اور اس میں یہاں تک پہنچے کہ سرحدیں اور اسٹار ہوں مدی کے وہ مزدور لیڈر جنہیں آج تک انقلاب کا ہراول دستہ کہا گیا تھا۔^{۲۲۶} اب ان کی اہمیت باقی نہیں رہی بلکہ وہ قابل ذکر ریاست داں بھی نہ رہے اس لیے کہ ان کی تحریکات میں تیرے بھی شامل تھے۔“

۱۷) اس زمانہ میں جو نئے ہیرو قوم کے سامنے پیش کئے گئے ان میں نہ مارکس کا نام تھا نہ اینجلز کا، نہ لینن کا اسٹالن کی، نومبر ۱۹۳۱ء کی لوم انقلاب کی تقریر یوں شروع ہوتی ہے۔^{۲۲۷}

”تم اس جنگ میں ہمارے عظیم پیش رو انگلینڈر نیوسکی، ڈی میٹری و پونسکو، کو زامینین دی میٹری پوٹر ہارسکی، انگلینڈر سوفوون اور میک فائیل کوٹزوف کے ناموں سے ہمت اور رہنمائی حاصل کرو گے۔“

یہ چھ شخصیتیں زمانہ جنگ میں اصل ہیرو بنے۔ ان میں سے چار شہزادے

^{۲۲۶} Stenka Razin Bulavin، Emelyan Pugachov اور

تھے، ایک پادری تھا اور ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو نام نہاد ترقی پسندی کا کسی درجہ میں بھی حامی رہا ہو، لیکن نئے خدا اب یہی قرار پائے۔ حالانکہ یہی وہ لوگ تھے جن کی ماضی میں ذرا سی تعریف بھی ایک کتاب کی مضبوطی کے لیے کافی تھی۔^{۱۹۳۰}

(vii) یہی قوم پرستانہ رجحان اب وثاعت کے دائرے میں رد ہوا۔ ۱۹۴۲ء کے پاراٹائل پر اتار پانے والے ناول یہ تھے: بورڈن کی شہزادہ دی میٹری و نسکوئی کی سوانح، انتونوفسکی کی کتاب عظیم مورامی۔ دیورجیا کا ایک قومی ہیرو یان کی "چینگیز خان" اور اسیروں برگ کی سقوط پیرس "نظم کے لیے اسٹالن پر انگریزوں کو گلیا جس کی مشہور ترین نظم یوں شروع ہوتی ہے۔
میں ایک روسی جوان ہوں، ماسکو کا پلوت، عظمت روس کا وارث۔"
قوم کو ہر قدم پر روسی قومیت کی شراب پلائی جا رہی ہے اور اشتراکیت

^{۱۹۳۰} وامنخ رہے کہ کو زما سینین وہ ہستی ہے جس کے بارے میں سویت انسائیکلو پیڈیا (۱۹۳۰ء) یہ لکھ چکی تھی کہ اس کو بورڈن دامور ضیق نے مقدس داور روس کے لیے فوٹے والا اور ایک فوجی ہیرو بنانے کی کوشش کی تھی۔ شہزادہ پوٹارسکی نے پالینڈ کے خلاف ۱۹۱۶ء میں فوجی رہنمائی کی تھی، شہزادہ سوفوروف نے انقلاب فرانس سے ملکر لی تھی اور ہرز دوروں کی بغاوت کو کچلا تھا، شہزادہ کوٹوزوف وہ ہے جس نے کسانوں کی بغاوت کو ختم کیا تھا اور شہزادہ دولسکوئی ملگلوں سے لڑا تھا اور پرانی روسی چرچ کا ایک سینٹ تھا۔

کی جگہ روس کی عظمت کے گیت گائے جا رہے ہیں۔ مثلاً ایک نصابی کتاب سے جو اساتذہ کے تربیتی اداروں میں پڑھائی جاتی ہے یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔
 ”روس عوام کی خدمات غیر معمولی طور پر عظیم ہیں، صرف سویت یونین کے عوام ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے۔ روسی عوام کی تاریخ ان کی سیاسی سوچ و بوجھ، مسکری جرأت، اور عبقریت کا بین ثبوت ہے۔ ہمارے جرأت مند عوام کی تاریخ سے ان حقائق کو طلباء کے سامنے بڑی عرق ریزی کے ساتھ پیش کیا جانا چاہئے تاکہ ان کے دلوں میں ان انقلابی اور ترقی پسند چیزوں کے بارے میں جتنی جفا پیدا ہو جن سے ہماری تاریخ مالا مال ہے۔“ ۲۲۹

یہ ہے وہ المیہ جس سے اشتراکی بین الاقوامیت اور عالمگیریت دو پار ہوئی۔ بین الاقوامی تحریک مانند چنگی اور قومیت کے عفریت نے سراٹھایا۔ یہی وہ بنیادی روگ ہے جو عالمی اشتراکیت کو گھس کی طرح کھاتے جا رہا ہے۔ پہلے روس میں قومیت نے رنگ جمایا۔ دوسری جنگ کے بعد دوبارہ اس تحریک کو کچر عالمگیر رنگ دینے کی کوشش کی گئی لیکن سب سے پہلے یوگوسلاویہ نے بغاوت کی اور اپنے قومی دھوم کو منوایا۔ یہ اشتراکی پرڈسٹنٹر کم کی ابتدا تھی۔ پھر چین، اردمانیہ اور ایبانیہ نے بھی یہی راہ اختیار کی۔ آج روس اور امریکہ میں

تو جھوٹ لاتی ہے اور بین الاقوامی امور میں باہمی تعاون۔ لیکن چین اور روس ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں اور دونوں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ پر کھڑی ہیں۔ چین کا الزام ہے کہ روس بورژوا ہو گیا ہے اور اشتراکیت کو ترک کر چکا ہے۔ وہ سامراجی عزائم اپنے سینے میں بال رہا ہے اور سامراجیوں سے تعاون کر رہا ہے۔ پچاس سال کے اندر اندر ایک نظریہ کایوں ابھرا اور پھر اسی طرح اپنی ہر چیز کو ترک کر دینا اشتراکیت کا سب سے بڑا سانحہ ہے۔ اشتراکی کالج جن باتوں کو دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں، اپنی سرخ جنت میں وہ ان میں ایک ایک کر آ کر رو کر چکے ہیں۔

سیاسی موقع پرستی

سیاسی تعلقات میں بھی کسی اصول پرستی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ پہلی جنگ میں اشتراکیوں نے تادان جنگ (War Reparations) کو ایک سامراجی ظلم کہا تھا اور ان کی سختی سے مخالفت کی تھی۔ دوسری جنگ کے بعد روس نے خود تادان جنگ وصول کیا۔ جرمنی فاشزم کی شدید ترین لہر میں مخالفت کی گئی اور اسے سرمایہ داری کی آخری اور بدترین شکل کہا گیا لیکن جب مفاد نے تقاضا کیا تو اس جرمنی سے معاہدہ کیا گیا، اس کا قومی ترانہ ماسکو کے جوائی اڈہ پر گایا گیا اور جنگ کے پہلے دو سال اس سے پورا پورا تعاون کیا گیا اور اس تعاون کے ذریعہ پولینڈ پر پناہ دی گئی۔ بین الاقوامی معاہدات کے بارے میں بھی روس کا رویہ نہایت موقع پرستانہ رہا ہے۔

تازہ ارتداد

اس سلسلہ کی تازہ ترین چیز وہ بنیادی معاشی اصلاحات ہیں جو اس وقت روس میں اور پورے مشرقی یورپ میں جو رہی ہیں۔ ان اصلاحات کی پشت پر کام کرنے والی چیز یہ ہے کہ مارکٹ کے نظام کو ختم کرنے کے بعد اشتراکیت کے پاس معاشی حساب کاری کا کوئی معروف طریقہ باقی نہیں رہا تھا منصوبہ بندی کے ذریعہ وسائل کی تقسیم کا کام انجام دیا گیا لیکن ایک مدت کے تجربے نے بتایا کہ رسد اور طلب کی فطری قوتیں اپنا لوہا منواتی ہیں، مصنوعی قیمتیں ایک سنگ تو کام دیتی ہیں لیکن اس کے بعد نئی پیچیدگیوں کو جنم دینے لگتی ہیں۔ ملک کا مسئلہ بھی رونما ہوتا ہے اور وسائل اور پیداوار میں عدم آہنگی کا بھی۔ اجرتوں کے فرق کے باوجود معاشی حرکات کا مسئلہ پورے طور پر حل نہیں ہو پایا۔ مختلف ممالک میں پیداوار کی کارکردگی کے تعین کا کوئی اصولی باقی نہیں رہتا ہے۔ ان تمام پیچیدگیوں سے نکلنے کے لیے اس وقت اشتراکی دنیا میں ایک غیر معمولی اہمیت کا تجربہ ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے پلیننگ نے قدم اٹھایا اور اس کا لانگے کی رہنمائی میں سوشلسٹ معیشت کے (Framework) میں مارکٹ کے نظام کو قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ روس نے اس کی سخت مخالفت کی اور پولش موزوں کے مطالعہ کو ممنوع کر دیا۔ لیکن جب منصوبہ بند معیشت کی اندرونی پیچیدگیاں حد سے بڑھ گئیں تو خود روسی معاشی ماہرین نے اس کے لیے راہ ہموار کی پروفیسر ایل۔ وی۔ کانٹوروویچ (L. V. Kantorovich) اور پروفیسر ایو سی لائبرمین

(Evsei Liberman) نے اس سلسلہ میں بنیادی کام کیا ہے۔ کانٹروورسک نے مارکس کے نظریہ قدر سے ہٹ کر قدر کے مسئلہ پر غور و فکر کی بنیاد ڈالی اور لائبرمین نے تعین قدر کے ایک نئے نظام کا خاکہ پیش کیا۔ کوسین اور بریزینوف اس نئے نظام کے مداح ہیں اور اب اس کا تجربہ کر رہے ہیں۔^{۲۳}

اسکے اس موضوع پر مطالعہ کے لیے مندرجہ ذیل چیزوں کا مشورہ دیا جاسکتا ہے۔ ہم مجبور ہیں کہ جگہ کی قلت کے باعث ان اصلاحات کی طرف صرف اشارہ کریں۔ درحقیقت یہ ہے کہ ان کی حیثیت انقلابی ہے اور اشتراکی نظام سے اتنا بڑا انحراف اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔^{۲۴} لائبرمین کے مضامین (Pravda) میں شائع ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ کا سب سے مفصل مضمون ۲۰ ستمبر ۱۹۶۶ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ لائبرمین نے ایک مختصر مضمون لندن ایکوفرمسٹ میں بھی لکھا ہے:

Vigor, A. Guide to Marxism, op. cit., pp. 207-212, Zauberman, Alfred, "Breakthrough to Economics" Survey, July 1963, pp. 118-124, Nove, Alec, "The Liberman Proposals", Survey, April 1963, pp. 112-118; Hevesay, The Unification of the World, op. cit. pp. 70-77; Somlinski, Leon, "What Next in Soviet Planning", Foreign Affairs, July 1964; and Goldman, Marshall L., 'Economic Controversy in the Soviet Union' Foreign Affairs, April 1963 and "Economic Revolution in the Soviet Union", Foreign Affairs, January, 1967.,

ستمبر ۱۹۶۲ء میں لائبریرین نے ایک مضمون کے ذریعہ منصوبہ بندی کی کچھ پیچیدگیوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس کے بعد چار سال تک ماہرین معاشیات کے درمیان بحث و مباحثہ کی کیفیت رہی۔ اب دو ڈھائی سال سے نئے نظام پر عمل ہو رہا ہے اور وزیر اعظم روس جناب کوسیچن نے یہ کہہ کر دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے ۱۹۶۸ء کے آخر تک پوری صنعت نئے اصولوں پر منظم ہو جائے گی۔

اس تجربہ کا پس منظر ۶۵-۱۹۵۹ء کے سات سالہ منصوبہ کی ناکامی ہے۔ پھر روس کے معاشی کرائف سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ گزشتہ دس سال سے صنعت کی پیداوار میں برابر کم ہو رہی ہے۔ اس سے یہ بنیادی سوال پیدا ہوا کہ کیا قانونِ تغلیل حاصل نے اپنا عمل شروع کر دیا ہے اور اب لمبے عرصے کی سست روی (Slackening) رونما ہو گئی ہے۔ دوسری بنیادی چیز جس نے معاشی ماہرین کو پریشان کر رکھا ستادہ صدر سے بڑھتی ہوئی مرکزیت اور اس کے نتیجے میں رونما ہونے والی پیچیدگیاں اور الجھنیں ہیں۔ تیسری چیز نظام محرکات (Incentive system) کا مطلوبہ رنگ موثر نہ ہونا تھا۔ چوتھی چیز کیفیت کے مقابلہ میں کیفیت سے فضا اور اختراع اور تنبیہ کی کمی تھی۔ پانچویں چیز نظام میں تغیر پذیری اور مطابقت پذیری (Flexibility and adaptability) کی کمی تھی۔ ان سب پر مستزاد قیمتوں کا غیر حقیقی ہونا ہے جس کا احترام خود کو کوسیچن نے کیا کہ ہماری قیمتیں حقیقی لاگت کی آئینہ دار نہیں ہیں۔ ان تمام غرابیوں کا

اعتراف مالیہ معاشی مناظرہ میں صاف طور پر کیا گیا ہے۔ لائبرمین نے جو نیا ذہن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ

”مجوزہ اسکیم کے ذریعہ مرکزی منصوبہ بندی کا ادارہ تمام اذرائع کی تفصیلی نگرانی کے کام سے فارغ ہو جائے گا۔ اسی طرح پیداوار کی معاشی ذرائع کی بجائے انتظامی ذرائع کی مداخلت سے متاثر کرنے کا ہنگامہ عمل بھی باقی نہیں رہے گا۔ ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہر تنظیم ہی اس بات کا بہتر فیصلہ کر سکتی ہے کہ اس کی بہترین امکانی صلاحیت کیا ہے۔“ ۲۳۱

حکومت نے جو نئی اصلاحات نافذ کی ہیں ان کا تجربہ سب سے پہلے ماسکو کی ایک مزدور لباس بنانے والی فیکٹری (Bolshevikka Maiak) میں اور گورڈ کی ایک زمانہ لباس بنانے والی فیکٹری Maiak میں مئی ۱۹۶۴ء میں ہوا تھا۔ جنوری ۱۹۶۵ء میں پوربھن کی سجاری صنعت نے اس اصول پر کام شروع کر دیا اور ۱۹۶۵ء کے آخر تک اشیائے صرف تیار کرنے والے ۳۰۰ کمپنیاں اور پوربھن فروشی کی ۳۰۰ دکانوں کو نئے نظام کے مطابق ڈھلا دیا چکا تھا۔ جنوری ۱۹۶۷ء تک پوری صنعت کی ایک تہائی نئے اصولوں پر منظم ہو چکی تھی اور توقع ہے کہ دسمبر ۱۹۶۹ء تک تقریباً پوری صنعتی معیشت اس پر عامل ہو جائے گی۔

231. Vide Nove, Alec, "The Liberman Proposals", Survey, April 1963, p. 114.

ان اصلاحات کا خلاصہ یہ ہے۔

(i) پلاننگ اور کاروباری محرکات کے پرانے نظام کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔

اب ہر کام مرکز سے کئے جانے کی بجائے ہر کمپنی کو ایک منہج آزادی دی جا رہی ہے اور وہ اپنا معاشی پروگرام خود بناتی ہے۔

(ii) معاشی فیصلے بڑی منہج معاشی اصولوں کو سامنے رکھ کر کرنے کی کوشش

کی جا رہی ہے اور اصل مقصد یہ ہے کہ ایسی قیمتیں مقرر ہوں جو ایک طرف کل پیداوار کی نکاسی کا باعث ہوں اور دوسری طرف ایسی چیزیں تیار کی جاتیں جو صارفین کی ضروریات پوری کریں۔

(iii) اس کے لیے قیمت کے تعین میں عاملین پیداوار کا معاوضہ شامل کیا جا

رہا ہے۔ زمین پر لگان لیا جانے کا، سرمایہ پر مصارف سرمایہ

(Capital charges) ۶ فیصدی کے حساب سے لگاتے جاتے ہوں گے۔

بنکوں سے حاصل کئے ہوئے قرضوں پر ۵ فیصد سے ۲ فی صدی تک سود

لگایا جائے گا۔ اس طرح قیمتوں کو معاشی معائنات سے زیادہ ہم آہنگ

کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ نیز ان مصارف کے بعد ٹیکسٹری وغیرہ

ٹیکسٹری کا فٹنگ بھی رکھے گا جسے اوپر سے متعین نہیں کیا جائے گا۔

(iv) ملک بھر میں ایک چیز کی ایک ہی قیمت نہیں ہوگی۔ ہر ٹیکسٹری اپنی

مصنوعات کی قیمت خود مقرر کرے گی۔ اور اس میں ہدایت

(Novelty) اعلیٰ کوالٹی اور بہتر کارکردگی کی مناسبت سے قیمت

اوپنی رکھی جاسکتی ہے۔ ۲۳۳

(۷) رسد کا بھی نیا نظام اختیار کیا جائے گا۔ ہر فیکٹری یا ادارہ اپنی خرید اور فروخت خود کرے گا۔ وہ کاروباری گشتے (Salesmen) رکھ سکتا ہے۔ تجارتی سیلوں میں شرکت کر سکتا ہے۔ منڈی کی دیر سچ پر روپیہ صرف

میں ان حالات کا جائزہ مارکسی لٹریچر کی روشنی میں لینے کے لیے تفصیلی مضمون کی ضرورت ہے۔ ان میں ہر اصول اشتراکیت سے متصادم ہے۔ ان عوامل کی بنا پر پراٹیا کا ان کی سماجی قدر (Social value) سے اوپر اشتراک دنیا میں فروخت کیا جانا مارکس کا تسواڑ اٹانے کے مترادف ہے۔ اس سے اشتراک پلاننگ کا ہر نظام اپنی اصل بنیادوں سے ہٹ جاتا ہے اور لائبرین پر تنقید کرتے ہوئے ایک روسی ماہر معاشیات نے اس ایکلم پر عمل سے پہلے لکھا تھا کہ لائبرین کی تبدیلیاں قومی منصوبہ بندی کے نظام کو درہم برہم کر دینے کا باعث ہوں گے۔ پلاننگ انقلاب اکتوبر کا ایک عظیم کارنامہ ہے اسے یوں سمجھیں کہ ترک کیا جائے۔ نیز یہ کہ اگر ہم مرکزی طور پر اجرتوں کے فنڈ، محنت کی کارکردگی، لاگت، فتنے، سرمایہ کاری وغیرہ کی منصوبہ بندی نہیں کرتے تو ہم دراصل اہم اور بنیادی معاشی روابط کی مرکزی منصوبہ بندی کو ترک کر دیتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ قومی منصوبہ بندی ہی کو ترک کر دینے کے مترادف ہے۔ روسی

ایکونومسٹ نے زلیویرو (A. Zverev) اور کے پلوشنی کوٹ

(K. Plotnikov) اقتباسات ۱۹۶۲-۱۹۶۱ اور نومبر ۱۹۶۲ء کے

Ekonomicheskaya Gazeta سے ماخوذ ہیں بحوالہ "یاد و خیر" لاہور ۱۹۶۲ء

کر سکتا ہے اور حد یہ ہے کہ اخباروں میں اپنی خاص مصنوعات کا اشتہار دے سکتا ہے۔ اس طرح مرکزی طور پر وسائل کی تقسیم کی بجائے اس محدود قسم کی آزاد رسد اور طلب سے یہ کام کیا جائے گا۔

(iv) کاروبار کی کامیابی کا معیار پیداوار کی بجائے نفع آوری ہوگی جس کی تعریف انجینئرس نے یہ کی ہے کہ کل پیداواری فنڈ کی مالیت کی نفع سے نسبت "The ratio profit to the value of the

(production fund) اب وہ صنعتیں اور کمپنیاں جن کی کارکردگی اچھی ہے اور جن کی مصنوعات کے لیے طلب زیادہ ہے انہیں نفع کی باتیں کی جائیں گی اور دوسری ان سے پیچھے رہ جائیں گی۔ نظام سرمایہ داری کے منافع سے خواہ اس میں ابھی کتنا ہی فرق باقی ہو لیکن مرکزی منصوبہ بندی اور اشتراکی محرکات سے یہ ایک جوہری انحراف ہے۔

(v) یہ نفع ٹیکسٹری مینجر کی تحریک میں ہوگا اور ہر ادارہ اسے خود استعمال کر سکے گا۔ اس کے استعمال کے لیے مین فنڈ ہوں گے۔ ایک محرکات کا فنڈ، دوسرا قدرتی اور رہائشی فنڈ اور تیسرا ترقیاتی فنڈ، ان میں سے ہر فنڈ میں جاننے والی رقم کا انحصار کل منافع پر ہوگا۔ اس طرح مینجر اور مزدوروں کو معلوم ہوگا کہ اگر منافع زیادہ ہو تو ان کو بھی زیادہ ملے گا، ثقافتی امور پر بھی زیادہ صرف ہوگا اور خود کاروبار کے فروغ کے لیے بھی زیادہ رقم مل سکے گی۔ ترقیاتی فنڈ ایک بالکل نئی چیز ہے اور ترقی کی جاتی ہے کہ اس سے ایجاد و اختراع کو خصوصی تحریک حاصل ہوگی۔

یہ تمام اصلاحات روس کے اشتراکی معاشی نظام میں انقلابی تبدیلیوں کا باعث ہوں گی اور اس نظام کو سرمایہ دارانہ معیشت اور معاشی اصولوں سے کچھ اور قریب لے آئیں گی۔

ہم نے اوپر کے صفحات میں جو بحث کی ہے اس سے دو نتائج بہت صاف طور پر نکلتے ہیں۔

دفعہ روس میں اشتراکی نظریہ سے مسلسل انحراف کی ایک روپائی باقی ہے اور آہستہ آہستہ اس کے ایک ایک بنیادی اصول کو ترک کیا جا رہا ہے۔ جب، ممبران کے اس عمل کے نتیجہ کے طور پر روسی اشتراکیت بہت سے پہلوؤں سے مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام سے قریب تر آتی جا رہی ہے اور اب معاشی ماہرین اور فلاسفہ عمران کی ایک قابل ذکر تعداد اس امر کا اظہار کر رہی ہے کہ یہ دونوں نظام ایک دوسرے میں ضم ہو رہے ہیں، ان کے اختلاف کے پہلو برابر کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اور ان کی مماثلت کے پہلو بڑھتے جا رہے ہیں۔

ان دونوں نکات کی تائید و توثیق کے لیے ہم چند شہادتوں کی طرف مزید اشارہ کرتے ہیں۔ روس میں صنعتی انقلاب کے بلوں میں اب ایک صنعتی تہذیب جلوہ گر ہو رہی ہے۔ روس میں ابھی معاشی ترقی اپنی انتہا کو نہیں پہنچی ہے۔ وہاں قلت کے مسائل ہنوز درپیش ہیں اور عوامی صرفہ کا معیار زیادہ بلند نہیں ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ وسطی High mass

(affluent society) یا گاہریتہ کی consumption economy

سے ابھی بہت دور ہے لیکن اس کے باوجود صنعتی معاشرہ کے تمام پہلو اس میں رونما ہونے لگے ہیں اور ایک فرانسیسی مفکر دے سونڈائیرون (Raymond Aron) کے الفاظ میں کار، ریفریجریٹر اور ٹیلی ویژن انقلاب کی روح کو فنا کیے دے رہے ہیں۔

روس کے نوجوان اشتراکیت میں وہ حرارت محسوس نہیں کرتے جو انقلابی دور کے نوجوان محسوس کرتے تھے۔ ان میں بے راہ روی کی وہ تمام صورتیں رونما ہو رہی ہیں جو مغرب میں رائج ہے، چوری، شراب نوشی، اچھی چیزوں کو تباہ کرنا (Vandalism) زنا اور دوسرے جنسی جرائم، تعلیم میں شدید نظریاتی رنگ کے باوجود نوجوانوں کی اپنے نظریہ میں دلچسپی کم ہو رہی ہے۔ نوجوانوں کی اشتراکی تنظیم کارسبحان برابر یہ شکایات شائع کر رہا ہے کہ نوجوان پارٹی کے اجتماعات میں کم آ رہے ہیں۔ رکنیت اختیار کرنے کے بعد بھی پارٹی کی کاروائی کو پورا نہیں کرتے۔ جو کہانیاں وہاں کے نوجوانوں کے رسالوں مثلاً

(yeemost) (نوجوان)، میں شائع ہو رہی ہیں وہ انسی مرض کی غماز ہیں۔ ان میں جو موضوعات (Themes) تسلسل کے ساتھ آ رہے ہیں وہ نوجوانوں کی خود رفتگی اور بیگانگی (Alienation) کا پتہ دیتے ہیں۔ اسکول سے بھاگنا، گھر سے بھاگنا، ڈسپنس سے لاپرواہی، فرض سے غفلت افسانوں اور کہانیوں کے عام موضوع ہیں۔ روسی امور کا ایک ماہر بجا طور پر لکھتا ہے کہ

”روس کی عام زندگی کے کلیج پہلوؤں پر سے پردہ اٹھانے کے مقابلے میں روس کے اس ادب کا مطالعہ زیادہ مفید اور نکلیں

کھولنے والا ہے، جب ایک نوجوان ہیرو کہتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی نظریات نہیں ہیں“ جب ایک نوجوان ماہر طبیعیات ایک دوسرے ناول میں بڑی حقارت اور نفرت کے ساتھ کہتا ہے کہ ”یہ سب اُونچے اُونچے بے معنی الفاظ کیا ہیں“ یا یہ کہتا ہے کہ یہ سب زبانی بیع و خراج ہے، لفظ پرستی اور الفاظ کے (fetishism) یہ تمام اظہارات اس نظام کے لیے ایک چیلنج کا درجہ رکھتے ہیں جو لوگوں کو نظر پاتی بند حسوں میں جکڑتا ہے۔ ۲۳۳

معیشت میں دونوں جگہ سرکاری مداخلت اور جیور وکریسی کی بالادستی نظر آتی ہے۔ سیاست میں فرد کی اہمیت کم ہو رہی ہے۔ معاشرت میں نانسانی نظام تو بالا ہو رہا ہے۔ روس میں مغربی میوزک برابر مقبول ہو رہا ہے۔ مدیہ ہے کہ نوجوانوں میں جانس (Jazz) سے رغبت بڑھتی جا رہی ہے۔ علمی میدان میں بھی اہم تبدیلیاں آرہی ہیں۔ سائنس اور مادی مادیت کا تصادم اب نمایاں تر ہوتا جا رہا ہے اور اس سلسلہ میں مادی مادیت پر اصرار باقی نہیں رہا۔ سائنسی علوم میں نسبتاً زیادہ آزادی دی جا رہی ہے۔ معاشیات میں مارکس کے نظریہ قدر کو تقریباً ترک کر دیا گیا ہے۔ یہ ساری ملائیں اور اُوپر جو حقائق پیش کیے گئے ہیں وہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ روس

233. Alexander Gerschenkron quoted in Survey, April

1963, p. 66.

میں اشتراکی نظریہ انتشار اور فرسودگی کا شکار ہے اور آہستہ آہستہ وہ بنیادیں
 فشر ہو رہی ہیں جن پر انقلاب برپا کیا گیا تھا۔ اس کی جگہ سرمایہ دارانہ ذہن
 برابر اٹھ کر سامنے آ رہا ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی جا رہی
 ہے کہ روسی اشتراکیت اور مغربی سرمایہ داری دراصل ایک ہی تہذیب۔
 مغرب کی مادی سستی تہذیب۔ کے دو روپ ہیں اور آج یہ دونوں نظام ایک
 دوسرے سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں پیٹری روم سوروکن
 کا حالیہ مطالعہ بڑا دلچسپ اور معنی خیز ہے۔ مصنف موصوف نے اپنی تازہ
 کتاب ہمارے دور کے بنیادی رجحانات کے بارے میں دونوں نظاموں کے
 قرب اور ایک دوسرے میں عدم ہونے کے رجحان کا تفصیل پرستہ لیا ہے کہ
 فکر و فلسفہ سے لے کر سائنس اور ٹیکنالوجی اور تنظیم اور بیوروکریسی تک کے ہر
 میدان میں ایک دوسرے سے قریب آگئے ہیں موصوف کے نتائج مطالعہ
 یہ ہیں۔

”اولاً اپنی اصل اور انتہائی شکلوں میں اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں
 بہت ناقص ہیں اور انسانیت کے لیے ایک اعلیٰ، خیر سے بھری ہوئی
 اور تخلیقی زندگی کی تشکیل نہیں کر سکتے۔“

-
234. Sorokin, Pitirim A., *The Basic Trends of Our Times*, New Haven, Conn., 1964, Chapter III, pp. 78-130.

ثانیاً دونوں نظام کچھ مخصوص حالات میں کچھ مخصوص زمانوں کے لیے مفید مطلب ہو سکتے ہیں۔ بدلے ہوئے حالات میں دونوں غیر مفید اور غیر ضروری ہو جاتے ہیں۔

ثالثاً اقوام کے یورپی اور سویت دونوں دائروں میں بتدریج یہ دونوں نظام اپنی اصلی خصوصیات کو تیزی کے ساتھ کھو رہے ہیں اور ایک دوسرے کی خصوصیات کو قبول کر رہے ہیں اور اپنے نظام میں ختم کرتے جا رہے ہیں۔ اس کے معنی ہیں کہ دونوں کی اصل شکل آہستہ آہستہ بدل رہی ہے اور دونوں ہر اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ تر ہوتے جا رہے ہیں۔ کچھ مٹی سماجی ادارت میں، نظام اقدار میں، نظریہ حیات میں۔^{۲۳۵}

یہ ایک ماہر عمرانیات کی رائے تھی۔ اسی کی تائید ڈیوئیٹ ہیوسے سی کی رائے سے ہوتی ہے۔ جس کا خیال ہے کہ دونوں نظاموں کے درمیان تصادم کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب ان دونوں کے مختلف اجزاء پر مشتمل ایک قیما نظام رونما ہو رہا ہے جیسے ایک دوسرا ڈیوئیٹ روس کے بارے میں کہتا ہے کہ

”جدید تبدیلیوں اور اجتہادات سے سارا نظریاتی محل مٹوں
کے گھروندوں کی طرح ہل گیا ہے۔“^{۲۳۶}

235. *ibid.*, p. 79.

236. Hévesy, *The Unification of the World*.

237. *The Soviet World*, op. cit., p. 243.

ماہرین معاشیات میں سائیرل زیبوت کا خیال ہے کہ
 ان بڑے بڑے اختلافات کے باوجود جو مختلف معاشی
 نظاموں کے درمیان موجود ہیں، آج کی دنیا کے مختلف نظام اپنے
 بنیادی وظائف اور کارکردگی میں ایک دوسرے سے قریب اور
 مشابہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔^{۲۳۸}

سورانی انگر اور ٹمبرگن جیسے عالمی شہرت کے معاشی ماہرین نے بھی
 اسی رائے کا اظہار کیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت
 کے درمیان کش مکش کا دور ختم ہو گیا اب یہ نظام ایک دوسرے میں مدغم
 ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے سے قریب تر کتے چلے جا رہے ہیں۔^{۲۳۹}

238. Zebot, Cyril A., *The Economics of Competitive Co-existence*, Praeger, New York, 1964, p. (vii).

239. See: Timbergen, Jan., "Do Communist and Free Economics Show a Converging Pattern? *Comparative Economic Systems: Models and Cases*, ed., by Morris Bornstein, Richard D. Irwin. Homewood, Illinois, 1965; pp. 455-464; and Suranyi-Unger, Theo, *Comparative Economic Systems*, McGraw Hill, New York, 1962, Chapter III to V. See also *Survey*, April 1963, pp. 59-70.

اشتراکیت کی سرخی اب بہت کم ہو گئی ہے اور سرمایہ داری کے چہرے پر
 نازہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ اپنی اصل سفیدی کو کھو چکا ہے۔ مغربی تہذیب
 کے یہ دونوں سپوت آج ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے ہیں۔
 اس حصہ کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ خود خالص اشتراکی
 اصولوں کے نقطہ نظر سے بھی اشتراکیت کا عملی تجربہ بڑا مایوس کن ہے۔

اشتراکیت اور اسلام

ہم نے مختلف معیارات پر اشتراکیت کا بے لاگ محاکمہ کیا ہے اور حقائق ہمیں جس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی معیار پر بھی وہ پوری نہیں اترتی۔ اب صرف ایک پہلو ایسا ہے جس پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ کیا اسلام اور اشتراکیت میں کوئی مطابقت یا اشتراک ہو سکتا ہے؟ کیا یہ دونوں ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے مفید معاون بن سکتے ہیں؟ اگر دونوں کا یہ اجتماع ممکن ہے تو کیا یہ مفید بھی ہوگا؟ اب

۱۳۴۱ء اسی نوعیت کی کوششوں کا ایک منظر اسلامی سوشلزم کا نعرہ ہے۔ یہ ترکیب بہت سے کانوں کے لیے اجنبی ہے اور فتنہ انگیز بھی۔ اگر اس کے پیچھے کام کرنے والے ذہن کا تجزیہ کیا جائے تو یہ صورتیں سامنے آتی ہیں۔ (۱) سوشلزم اور اسلام ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہیں۔ انہیں ایک ساتھ جمع کیا جاسکتا ہے۔

(۲) جمع کرنے کی صورت یہ بھی ہو سکتی کہ یہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہوں۔ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ اسلام نا مکمل ہے، اور اس کی تکمیل (۳)

ہم اسی پہلو پر مختصر روشنی ڈالیں گے۔

(۱۰) سوشلزم کے ذریعہ ضروری ہے۔

(i) جمع کرنے کا ایک اور مفہوم تو صیفی یا توضیحی ہو سکتا ہے۔ یعنی اسلام کی اس خصوصیت کو پیش کرنا کہ وہ اشتراکیت کا علمبردار ہے لیکن اس صورت میں بھی دا، میں اٹھاتے ہوئے سوال کے علاوہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام اس طرح قابل تقسیم ہے کہ اس کے کسی ایک حصہ کو دوسروں سے نمایاں کر کے نکالا جائے اور اس کے بعد بھی دین میں وہ توازن اور ہم آہنگی باقی رہے۔ نیز یہ کہ اس صورت میں ترکیب سوشلزمی اسلام“ ہونی چاہیئے ذکر اسلامی سوشلزم“۔

ہماری نگاہ میں یہ اصطلاح سخت گمراہ کن ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کو استعمال کرنے والے سب لوگ بددیانت ہیں۔ لیکن وہ غلط سمجھ کے مرکب ضرور ہو رہے ہیں۔ یہ آواز چند گروہوں کی طرف سے اٹھ رہی ہے اور وہ گروہ مختصر آید ہیں۔

(ii) وہ کیورسٹ جو جانتے ہیں کہ وہ اسلامی ممالک میں اشتراکیت کی لڑائی لڑ رہے ہیں کہ اس پر اسلام کی شکر لگاتے بغیر لوگوں کے حلق میں نہیں اتار سکتے یہ دونوں نظاموں کے فرق کو سمجھتے ہیں مگر لینن کے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے اپنی کامیابی کے لیے دھوکہ کی یہ تجارت ضروری سمجھتے ہیں۔

(iii) وہ لوگ جو مذہب کے محدود تصور پر ذہناً قانع ہو چکے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ

ہم شروع میں اشتراکیت کے معنی و مفہوم کے سلسلہ میں جو بحث کر چکے ہیں اس سے اشتراکیت کا تاریخی ارتقاء اس کا تہذیبی مزاج اور اس کے غائی مقصد کے ساتھ آپکے ہیں۔ ان پر گہری نظر ڈالنے کے بعد کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کہ یہ نظام اسلام کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔

(۳) کہ مذہب تو صرف انفرادی زندگی سے متعلق ہے، اجتماعی معاملات میں وقت کے کسی بھی نظام کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ تصور کسی اور مذہب کے ماننے والوں کا ہو سکتا ہے، اسلام کے پیروؤں کا نہیں ہو سکتا۔ لہذا وہ مخلص لوگ جنہوں نے اسلام کا گہرائی میں جا کر مطالعہ کیا ہے اور اشتراکیت کا۔ وہ اشتراکیت کے عوام دوست نعروں اور انصاف پسندانہ دعوؤں سے مرعوب ہو سکتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ چونکہ اسلام بھی انصاف کا علمبردار ہے۔ اس لیے یہ دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ ان کا اخلاص اپنی جگہ، لیکن غلو میں خواہ کتنی ہی بڑی مقدار میں ہو، علم اور حقیقت پسندی کا بدل نہیں ہو سکتا۔

(۴) وہ حضرات جنہیں اشتراکیت سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ اسلام سے۔ لیکن چونکہ اشتراکیت کے ذریعہ ان کے ہاتھوں میں سیاسی اور معاشی قوت کا ارتکاز ہو جاتا ہے اس لیے وہ اپنے سیاسی استبداد کو قائم رکھنے اور مضبوط کرنے کے لیے اس کا سہارا لیتے ہیں۔ ان چاروں میں سے صورت جو بھی ہو، وہ غلط اور مبنی بر باطل ہے اور اس سے کبھی صحیح نتائج نہیں نکل سکتے۔

اخلاقات کے چند بنیادی پہلو

پھر بھی ہم فرق کے چند اہم اور نمایاں پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اشتراکیت

اسلام

۱۔ اشتراکیت مغرب کی مادہ پرستانہ

۱۔ اسلام زندگی کے مادہ پرستانہ

تہذیب کی پیداوار ہے اور زندگی

تصور کی بغاوت پر مبنی ہے اور

کے ہر شعبہ میں اس مادہ پرستی کی تکمیل

وہ انسانیت کو انبیائے کرام کے

کرتی ہے۔ جس کا غلہ کے دہننا انبیائے کرام

بناتے ہوئے طریقے کی طرف

ہیں اس سے لئے کوئی نسبت اور تعلق نہیں

دعوت دیتا ہے۔

۲۔ اشتراکیت وجود باری تعالیٰ کی منکر

۲۔ اسلام کی نگاہ میں کائنات کی سب

ہے اور مادہ کو اولیت اور قدامت

سے اہم اور بنیادی حقیقت تسلیم

کا مقام دیتی ہے۔ وہ نہج کے چپے

ہے۔ خدا کا وجود، اس کی وحدت

کسی قوت کی قائل نہیں ہے۔ وہ

اور اس کی ملکیت و ربوبیت۔

کسی بلازہستی کو ماننے کے لیے تیار

اسلام کا پورا نظام۔ انفرادی

نہیں اور نہ اپنے پورے نظام میں

زندگی سے لے کر اجتماعی معاملات

لئے اس سلسلہ میں مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہوں :

۱۔ ”اسلامی سوشلزم“ از نعیم صدیقی، چراغ راہ سوشلزم نمبر

۲۔ اقبال، اجتہاد اور اسلامی سوشلزم“ از مسٹر لے۔ کے۔ بدھی۔ چراغ راہ

سوشلزم نمبر

۲۲۱

اس کا کوئی پر تو قبول کر سکتی ہے۔

حک۔ خدا کی بندگی سے عبادت ہے اور اس کی مالکیت کے تابع ہے۔

۳۔ اشتراکیت اخلاق کو مخصوص طبقاتی حالات کی پیداوار مانتی ہے اور کسی مستقل قدر یا اصول کی قائل نہیں۔ وہ ہر بات کو طبقاتی تضاد کی عینک سے دیکھتی ہے، اخلاق کی اولیت اور اخلاقی نشو و ارتقاء کی فریت تو دور کنار وہ اسے کوئی مستقل بہت نہیں دیتی۔ اس کی نگاہ میں اخلاق انسانی اور محض طبقہ داری حالات کی پیداوار ہیں۔ ۲۲۲

۴۔ اشتراکیت کی نگاہ میں عقل خود

۲۔ اسلام کا بنیادی نقطہ نظر اخلاقی ہے۔ وہ ہر قول و فعل کو خیر و شر کی اس میزان پر پرکھتا ہے جسے خدا نے اپنی شریعت میں بیان کیا ہے اور جسے انسانیت کے اجتماعی ضمیر نے بحیثیت مجموعی اپنا لیا ہے۔

۴۔ اسلام کی نگاہ میں زندگی گزارنے

۲۲۳ اس مسئلہ پر مضمون کے شروع میں تفصیل گفتگو کی جا چکی ہے اور ضروری حوالے بھی دیئے جا چکے ہیں۔

۲۲۴ ملاحظہ ہو مارکس کی ”اشتراکیت“ ایجنڈا کی رد و رد پر ”گنگ“ اور مینسکی کی ”تذہیب“

کاراستہ پیدا کرنے والے نے ط
 کر دیا ہے۔ مذہب وہ راستہ
 ہے۔ اس راستہ کی تفصیل کو مضمون
 عقل اور تجربہ کے ذریعہ دریافت
 نہیں کیا جاسکتا اس راستہ کی
 نشاندہی خدا کی شریعت میں کی
 جاتی ہے اور شریعت ہی خیر و شر
 اور حسن و قبح کا اصل معیار ہے۔
 اس سے معلوم ہوا کہ کامیابی کی
 زندگی وہ ہے جو مذہب کے
 مطابق گزاری جائے اور زندگی
 کے سارے معاملات، خواہ ان
 کا تعلق انفرادی امور سے ہو یا
 اجتماعی معاملات سے، معاشرت
 سے ہو یا سیاست سے، معیشت
 سے ہو یا عدالت سے، امن

بڑے جملے میں تیز کر سکتی ہے۔
 اور اسے کسی بیرونی دہشناکی مابین
 نہیں پھر اس کے خیال میں مذہب
 ایک افیون کی حیثیت رکھتا ہے
 جو۔ حقیقت سے فرار کا درس دیتا
 ہے، استحصال کرنے والے طبقات
 کا آلہ کار بنتا ہے، ظلم پر قناعت
 سکھاتا ہے، بے عملی پیدا کرتا ہے۔
 ایک مخصوص پیداواری نظام کا
 محافظ بنتا ہے اور ضمیر کو موت کی
 نیند سا کہ مخصوص مفادات کا تحفظ
 کرتا ہے۔ اسے ختم کیے بغیر کوئی
 اصلاح ممکن نہیں ۱۹۲۲

۱۹۲۲ء ملاحظہ ہو مارکس متاثر پر لیڈر بارخ، اینجیلز، رڈو و ہرنگ، فیور باخ اور غلطوط
 لیبن "مذہب"، قاضی اشتر کی تحریک، "اشتر کی تحریک کا پر و گرام۔"

سے ہو یا جنگ سے، ہلکی سہلات
سے ہو یا خارجہ تعلقات سے۔
انہیں مذہب اور خدا کی شریعت
کے مطابق طے کیا جائے۔ اس
سے ہٹ کر جو راستہ بھی اختیار
کیا جائے گا وہ دنیا میں گمراہی
اور آخرت میں خسارہ کا راستہ
ہو گا۔

۵۔ اشتراکیت نے فرد کو اجتماع کا
ایک جزو قرار دیا ہے۔ اور اس کی
نگاہ میں فرد کو اجتماعی مفاد کی خاطر
کام کرنا چاہیے۔ اجتماعی مفاد
اس درجہ غالب ہے کہ فرد کی
کلی نفی کر کے بھی اسے حاصل کیا
جانا چاہیے۔^{۲۲۵}

۵۔ اسلام فرد کی انفرادی حیثیت
کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کے بنیادی
حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ انسانی
نظام کو مستحکم ضرور کرتا ہے لیکن
فرد کی نفی کے ذریعہ نہیں بلکہ فرد
کی شخصیت کو نشو و ارتقا رکاوٹ
موقع دیتے ہوئے اور پھر اس

^{۲۲۵} تفصیل کے لیے علامہ جوہر پروفیسر عبدالحمید صدیقی صاحب کا مضمون اشتراکیت
کی ٹکری بنیادوں اور اس کا جائزہ چران رائے، سوشلزم خبر اصل اشتراک کی نظر سے اس
مسئلہ کو سمجھنے کے لیے اس کے فلسفہ تاریخ اور فلسفہ سماج کا مطالعہ مفید ہو گا

کی نگاہ میں آخرت میں ہر فرد اپنی جہاد پہی انفرادی طور پر کر گیا۔

۶۔ اسلام کا طریق اصلاح یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے فرد کے ایمان کو درست کرتا ہے، پھر تعلیم و تربیت کے ایک عمل کے ذریعہ اس کی زندگی کو بدلتا ہے اور اس طرح حاصل ہونے والی قوت سے اجتماعی نظام کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن کسی مرحلہ پر بھی اپنے نقطہ نظر کو دوسروں پر جبر و تشدد کے ذریعہ مسلط نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ اس کا بھی قیام کی نہیں ہے کہ محض معاشرہ کو درست کر دینے سے انسان بدل جائے گا۔ اس کی نگاہ میں فرد اور معاشرہ دونوں کی اصلاح بیک وقت ہونی چاہیئے اور فرد کی دل کی دنیا کو تبدیل کیے بغیر

۶۔ اشتراکیت اصلاح کے طریقہ کی مخالفت اور خونریز انقلاب کی مدعی ہے۔ وہ تعلیم و تربیت کے مقابلہ میں جبر اور قوت کے طریقوں کو اولیت دیتی ہے اس کی نگاہ میں فرد کو تبدیل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اجتماعی نظام کو بدل دیا جائے اس کے بعد فرد آپ سے آپ بدل جائے گا۔ اس کی فکر کے بڑے حصہ کی نگاہ میں تدریجی اصلاح کا طریقہ غلط اور لامحالہ ہے۔ اصل چیز انقلابی اقدام ہے۔

اس کی باقی دنیا کبھی ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ اس سلسلہ میں اسلام جابر ذرائع کے استعمال کی تلقین کرتا ہے اور ایک تدبیر بھی مل کے ذریعہ انسانوں کی زندگی کو خدا کی مرضی کے تابع اور اس کے حکم کا پابند بنا دینا چاہتا ہے۔

۷۔ اسلام اجتماعی زندگی کے لیے ریاست اور قانون کے اداروں کو ضروری سمجھتا ہے اور ان کو اسلام کے لیے سحر کرتا ہے۔ پھر وہ حقیقی سیاسی اور معاشرتی مساوات، حقوق کی حفاظت اور شریعت کے مطابق لوگوں کی آزاد مرضی کے ذریعہ عکرائی کے اصول پیش کرتا ہے اور اصولوں پر اس نے ریاست قائم کر کے جمی دکھا دی ہے۔

۸۔ معاشرت کے دائرہ میں اسلام

۷۔ اشتراکیت ریاست اور قانون کو آزاد ظلم و استحقاق سمجھتی ہے۔ عبوری دور میں وہ ان قوتوں کو آمرانہ انداز میں ایک طبقہ کو ختم کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہے اور اپنے معیاری معاشرہ کے لیے وہ ان اداروں کو ختم کرنے کی دعوے دار ہے۔ اس کا نظام نہ مساوات پر مبنی ہے، نہ قانون کی عکرائی پر اور نہ سیاسی اور معاشرتی جمہوریت پر۔

۸۔ اشتراکیت طبقاتی نزاع اور تصادم

کو زندگی کی سب سے اہم حقیقت قرار دیتی ہے۔ خاندان کا نظام اس کی نگاہ میں انفرادی ملکیت ہی کے اصول کا ایک شاخزاد ہے اور اس کے ساتھ اسے بھی ختم ہونا چاہیے۔ اولاد معاشرہ کی دولت ہیں۔ والدین کی منہیں تمام اقدار کو طبعاً تقسیم کی روشنی میں طے کیا جائے گا، ان سے ہٹ کر منہیں۔

۹۔ اشتراکیت وسائل پیداوار کی ملکیت سے رونما ہونے والی بنیادی ساخت کو پوری زندگی میں اصل فیصلہ کن قوت قرار دیتی ہے اور ان کو قومی ملکیت میں لے لینے کو ساری پہلاد کا علاج قرار دیتی ہے۔ اس کی معاشیات حرام و مباح کے تصور سے ناکشا ہے اور ہریت یہاں بھی اس کی اہم ترین خصوصیت

خاندانی نظام، عفت و عصمت کی پاسبانی، انسانی مساوات، اخوت اور محبت، تعاون باہمی اور اجتماعی تحفظ و تضام کے طریقہ کا داعی ہے اور اس کا پورا معاشرتی نظام قرآن و سنت کی دی چھوٹی اقدار پر مبنی اور اس ثقافت و تمدن کا نام کرنے والا ہے جس میں امر بالمعروف اور منہی عن المنکر کا نظم چلے گا۔

۹۔ معیشت میں اسلام انفرادی ملکیت اور آزادی معی و جہد اور صرف و خرچ کی اجازت دیتا ہے۔ لیکن دولت کو ایک امانت قرار دے کر اس کے استعمالات کو محدود کر دیتا ہے اور اس پر فرد، معاشرہ اور خدا کے واضح حقوق عائد کر دیتا ہے جنہیں ادا کیے بغیر وہ دولت پاک نہیں ہو سکتی

ہے۔ وہ ایک طبقہ کا مکمل امتیصال
پابندی ہے۔ لیکن اس کی جدوجہد
سرمایہ داروں سے بھی ایک جہت
طبقہ کو جہنم دیتی ہے۔

وہ پوری معاشی زندگی کو انصاف
کے تقاضے پر راکھنے کے لیے
استعمال کرتا ہے اور کسی جگہ بھی
محض معاشی مقاصد کو اخلاقی اور
اجتماعی مقاصد پر فوقیت نہیں دیتا۔

اسی طرح ان کا تصور انسانی، تصور تائیدِ نفع، نظریہ خیر و شر، تصور قانون و
عدالت، نظریہ قومیت، بین الاقوامی تعلقات کے اصول نہ صرف ایک دوسرے
سے مختلف ہیں۔ بلکہ متضاد ہیں۔ ان کی منزلیں بھی جدا ہیں، ان کے راستے بھی
مختلف ہیں، ان کا مزاج بھی الگ الگ ہے، ان کا طریق کار بھی مبدلہ
ہے اور یہ دونوں بس قسم کا معاشرہ اور معیشت قائم کرنا چاہتے ہیں وہ بھی ایک
دوسرے کی ضد ہیں۔ اس کے بعد ان کے ایک ساتھ جمع ہونے اور ان کے
اشتراک سے کسی مرکب کے تیار کیے جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ اشتراکیت
اور اسلام ایک دوسرے سے اتنے ہی مختلف ہیں جتنا اسلام اور الحاد اور
لا دینیّت، یا اسلام اور مغربی سرمایہ داری اور فسطائیت، ارباب اشتراکیت
سے اسلام کے تمام پرچم کو یہ بات حقائق اور دلائل کی روشنی میں سامنے کہہ دینا
چاہیے کہ

لا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا اَسْتَعِيذُ بِمَا تَعْبُدُونَ
عَابِدًا مَّا عَابَدْتُمْ وَلَا اَسْتَعِيذُ بِمَا اَعْبَدْتُمْ
وَلَا اَسْتَعِيذُ بِمَا تَعْبُدُونَ وَلَا اَسْتَعِيذُ بِمَا اَعْبَدْتُمْ
وَلَا اَسْتَعِيذُ بِمَا تَعْبُدُونَ وَلَا اَسْتَعِيذُ بِمَا اَعْبَدْتُمْ

ولی دین۔

جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اس کی عبادت نہیں کرتا اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں تم اس کی عبادت نہیں کرتے، ہاں! ہاں! جس کی تم عبادت کرتے ہو، میں اس کی عبادت نہیں کرتا اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں اس کو تم نہیں پہنچتے۔ تمہارا دین تمہارے لیے، میرا دین میرے لیے ہے۔

اس سلسلہ میں دو خاصاتوں کی مزید ضرورت ہے۔

ایک یہ کہ کچھ لوگ اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر اشتر اکیت میں خدا کے تصور کا اضافہ کر دیا جائے تو وہ اسلام کے مطابق ہو جائے گی۔ یہ تصور محض خوشامیالی پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ اشتر اکیت کے پورے نظام میں اسلام کے خدا کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اور اگر اسلام کے خدا کو مان لیا جائے تو پھر یہ ایک تصور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے ایک مکمل اور مخصوص نظام عطا کرتا ہے جو اشتر اکیت کے پیش کردہ نظام سے ہر قدم پر متضاد ہے۔ اس قسم کی جینٹلڈی کی باتیں یا غلط فہمی، کم علمی اور ژولیدہ ٹکری کا نتیجہ ہیں یا شرانگیزی کا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے پورے نظام کو محفوظ رکھو، صرف اس میں سوشلزم کے معاشی پروگرام کو شامل کر دو۔ یہ بات بھی اتنی ہی غلط ہے جتنی اول الذکرات۔ اشتر اکیت کی معاشیات اس کی بالذات طبیعت سے اور سماجیات سے الگ نہیں کی جاسکتی اور اگر انہیں الگ کر دیا جائے تو کوئی مثبت معاشی پروگرام باقی نہیں رہتا ہے۔ پھر اشتر اکیت کے معاشی نظام میں جو روح کارفرما ہے اور جس کو ذہنی کیفیت اور جس مزاج کے ساتھ اس

پر عمل ہو سکتا ہے وہ ایک مخصوص مزاج ہے جو اسلام کے مزاج، اس کے بنیادی نقطہ نظر، اس کے انداز کار، اس کے طریق اصلاح سے متصادم ہے۔ پھر اسلام نے اپنا ایک معاشی نظام دیا ہے وہ اس بارے میں خاموش نہیں ہے اور یہ معاشی نظام اشتراکیت کے معاشی نظام سے بالکل مختلف اور اپنے مخصوص فلسفہ حیات اور نظام تمدن سے مربوط ہے۔ اسلام کے نظام حیات میں کسی دوسرے متناقض نظام کے معاشی پروگرام کا جوڑ نہیں لگایا جاسکتا۔ ایسی صورت میں دونوں جگڑ جائیں گے اور ماحصل کچھ بھی نہ ہوگا۔ اس لیے سوچنے کا صحیح انداز یہ نہیں ہے کہ سوشلزم اور اسلام کو کیسے جوڑ جائے اور ان کا کس طرح مرکب تیار کیا جائے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ زندگی کے مسائل کو ان دونوں نظاموں نے کس طرح حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اگر اشتراکیت کا طریقہ ہمارے لیے ناقابل قبول ہے تو اسلام کا طریقہ کیا ہے اور دوسرے نظاموں پر اسے کیا فوقیت ماحصل ہے۔

سوشلزم یا اسلام

اب تک ہم نے سوشلزم کا ایک علمی اور تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اس سلسلہ میں جو بھی معیار ہو سکتے تھے ان سب کو سامنے رکھ کر اس نظام تہذیب کو جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ نتائج یہ ہیں اس نتیجہ پر پہنچاتے ہیں کہ زمام کار گزردہ کے ہاتھوں میں ہو چکا

طریقہ کو کچھ نہیں رہی وہی جیلے ہیں پرویزی

اشتراکیت اپنے تجربے میں ناہم رہی ہے۔ انسانیت کی رہنمائی اس کی حقیقی منزل کی طرف نہیں کر سکی۔ اس نے انصاف اور رد استحصال کا نعرہ لگایا تھا لیکن وہ خود ایک استحصالی قوت بن گئی جس نے ہر قدم پر انصاف کا بخور کیا اور انسان کے دکھوں میں اضافہ ہی کیا۔ سوال یہ ہے کہ پھر انسان کے لیے مستقبل کا راستہ کونسا ہے؟ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اشتراکیت کو قبول دیکھا جائے تو پھر بجز سرمایہ داری کے کوئی راستہ نہیں۔ یہ کتنا نظری ہے۔ سرمایہ داری اور اشتراکیت ایک ہی بنیادی تہذیب کے دو پہلو ہیں ان میں سے کوئی بھی ہمارے مسائل کا حل نہیں۔ دونوں کا مزاج مادہ پرستانہ ہے۔ دونوں انسان کو معاشی عوامل کا غلام بناتے ہیں۔ دونوں استحصال اور انتقام

(Exploitation) کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ دونوں کسی اعلیٰ اخلاقی مناجات کے پابند نہیں۔ دونوں میں سے کسی کے پاس عدل و انصاف کا کوئی مستقل معیار موجود نہیں ہے۔ دونوں نے استعماری رجحانات کا اظہار کیا ہے۔ ہمارے لیے ان میں سے کوئی بھی قابل قبول نہیں۔ ہم سرمایہ داری پر بھی اسی طرح نفرت سمجھتے ہیں جس طرح اشتراکیت پر انسانیت نے ان دونوں کا تجربہ کر لیا ہے اور وہ دونوں سے مایوس ہو چکی ہے۔ اب اسے ایک تیسرے نظام کی ضرورت ہے جو اس کے تمام مسائل کو محض چند پہلوؤں کو نہیں، حل کر سکے اور اسے عزت و شرف کا وہ مقام دے سکے جس کا وہ اہل ہے، تاکہ وہ اپنے دلیں میں بدلیسی اور اپنے گھر میں امنی نہ رہے۔ ہماری نگاہ میں یہ راستہ صرف اسلام ہے اور ماضی میں انسان ایک بار نہیں متعدد بار اس کا تجربہ کر کے دیکھ بھی چکا ہے۔ یہ وہ نظام ہے جس نے ہر دور میں انسانی کے مسائل کو حل کیا ہے۔ یہ وہ پاس ہے کہ جس نے بھی اس کو چھو لیا ہے وہ سونا بن گیا ہے۔

اسلام — ایک جامع اور ہمہ گیر نظام

اسلام پوری زندگی کا ایک نظام ہے اور انسان کے لیے مکمل ہدایت فراہم کرتا ہے۔ دوسرے تمام نظاموں اور نظریوں میں یہ خامی ہے کہ وہ زندگی کے کسی ایک پہلو سے متعلق ہیں یا اگر سب پہلوؤں کو لیتے بھی ہیں تو کسی ایک محدود دائرہ سے لیتے ہیں۔ پھر ان میں اندرونی دھت اور یکسانی بھی نہیں پائی جاتی۔ اس لیے کہ وہ اپنے مختلف اجزاء مختلف ہک ناقص یا خد سے

حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً مغربی تہذیب نے اپنا فلسفہ یونان سے، ادب اٹلیا سے، قانون روما سے، سائنس مسلمانوں سے، معاشی جذبہ یہودیوں سے تہذیب عیسائیت سے اخذ کیا۔ خود اشتراکیت جن مآخذ سے نکلی ہے وہ متضاد اور متناقض ہیں، لیکن اسلام کی بات سب سے مختلف ہے۔ اس کا سرچشمہ ایک ہے۔ الہامی ہدایت۔ یہ رہنمائی پوری زندگی سے متعلق ہے اور اسے ایک ناقابل تقسیم اکائی تصور کرتی ہے۔ یہ زندگی کے سارے پہلوؤں کو ایک سرشت سے جوڑتی اور اس میں ایک روح جاری و ساری کرتی ہے۔ اس نظام میں باسعیت بھی ہے اور کمال بھی، وسعت بھی ہے اور وحدت بھی۔

فطری نظام

یہ نظام زندگی کائنات کے بنیادی معانی سے ہم آہنگ ہے۔ یہ فطرت سے بغاوت کا نہیں، اس سے مطابقت کا دعویٰ ہے۔ اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت توحید ہے۔ یہ تصور کہ اس کائنات کا کوئی خالق، مالک اور آفک ہے اور وہ ایک اور مرتبہ ایک ہے۔ باقی جو کچھ ہے اس کی مخلوق ہے۔ یہ بات کہ اس کائنات کی ایک عمر متعین ہے اور ایک دن اس نظام کو دم بزم ہونا ہے اور اس کی جگہ ایک نئے نظام کو دینا چاہتا ہے۔ یہ بات کہ انسان میں فنی و فجور اور بر و تقویٰ دونوں کے داحیات پائے جاتے ہیں لیکن اس کی اصل فطرت نیک اور اچھی ہے اور غیر کی غالب ہے، یہ حقیقت کہ فناء کی ہدایت کے لیے متعدد انتظامات موجود ہیں۔ اس کی مثل اس کا ضمیر و اس کا وجدان، اس کا تجربہ، اور پھر سب سے بڑھ کر وحی الہی، یہ بات کہ فطرت

انسانی کو کھیل کر، اس کے داعیات کا انکار کر کے، اس کے تقاضوں اور مطالبات کو ایک سر نظر انداز کر کے کوئی صحت مند زندگی رونما نہیں ہو سکتی، نیز یہ کہ جس طرح یہ افراط غلط ہے اسی طرح صرف لذت پرستی میں کھو جانے کی تعریض بھی غلط ہے، یہ امر کہ اس کمالات میں خدا کا قانون کارفرما ہے اور انسان اس سے مطابقت اس وقت اختیار کر سکتا ہے جب وہ بھی خدا کے قانون کا پابند ہو جائے۔۔۔ یہ اور ایسے ہی بنیادی حقائق زندگی میں فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ دنیا کے دوسرے نظام اس لیے ناکام ہیں کہ وہ ان حقائق سے متصادم جمنے ہیں۔ ان سے ہٹ کر، ان کو نظر انداز کر کے یا بگاڑ کے اپنا راستہ نکالنا چاہتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ قدم چلتے ہیں اور ٹھوکر کھا کر گر پڑتے ہیں۔ اسلام نے ان حقائق کو تسلیم کیا ہے اور وہ نظام تمدن قائم کیا ہے جو ان سے ہم آہنگ ہے، جس میں انسان وہ چاہتا ہے جس کا تقاضا فطرت کرتی ہے اور ان حدود کا پابند ہوتا ہے جو فطرت کو مسخ ہونے سے بچا لیتی ہیں۔

احترام آدمی

اس نظام میں انسان اصل مرکز و محور ہے۔ اسے زمین پر خدا کا نائب اور خلیفہ قرار دیا گیا ہے۔ اسے ارادہ اور اختیار کی قوت اور فیصلہ کی آزادی دی گئی ہے۔ نہ وہ ایسا مجبور ہے جیسا جبریت پرست، فلسفوں اور مذاہب نے اسے قرار دیا تھا اور نہ ایسا مادیہ پر آزلو ہے جیسا لادینیت اور مادیت نے اسے سمجھایا۔ اسے آزادی دی گئی ہے۔ حق و باطل میں تمیز کا مادہ دیا گیا ہے۔

اپنے اعمال کا فردا رقرار دیا گیا ہے اور اس کے لیے صحیح راستہ یہ مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے اپنے رکبے بتائے ہونے طریقہ کا پابند ہو جائے اور دینی فلاح اور اخروی نجات حاصل کرے۔

اس تصور کی رو سے ہر فرد اپنا بد امکانہ وجود اور تشخص رکھتا ہے۔ اس کی شخصیت کا تحفظ اور اس کا صحیح فساد و ارتقار یہاں کا نہایت اہم مسئلہ ہے۔ ہر وہ نظام جو فرد کی نفی کرے اسلام کے تصور سے متصادم ہے۔^{۳۳۹} اسلام معاشرہ اور اجتماع کی اصلاح چاہتا ہے اور پورے نظام کو اپنی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہے۔ لیکن فرد کو اجتماع کی بحیثیت نہیں چڑھاتا بلکہ فرد اور اجتماع دونوں کو مرضی رب کا پابند بناتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے لیے ممد و معاون ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کا بنیادی مزاج ہے اور اس کے تصور خلافت کا لازمی تقاضا ہے۔

انفرادی حقوق کی ضمانت

پھر اس تصور کی رو سے انسان کے بنیادی حقوق خدا کے عطا کردہ ہیں، محض کسی دینی قانون یا حکمرانوں کے خلاف سیاسی جدوجہد کے نتیجے میں حاصل کیے جاتے نہیں ہیں جن میں سبب موقع تراش خراش اور قلع و برید ہو سکتی

^{۳۳۹} اس مسئلہ میں اسلام کا مزاج اتنا نازک ہے کہ ایسی نقالی تک جو فرد کی شخصیت کو مجروح کر دے اس کی نگاہ میں ناجائز ہے اسی لیے ایکٹنگ کو ایک پیشہ کی حیثیت سے اسلام نے ناپسند کیا ہے۔ مردوں کو مردوں جیسے کپڑے پہننے اور عورتوں کو عورتوں جیسے کپڑے پہننے سے منع کیا ہے۔

ہو بلاشبہ فرد کو عمومی مفاد کو قربان کرنے کا حق نہیں ہے، لیکن فرد کے اسی حقوق کو بھی معاشرہ پامال نہیں کر سکتا۔ مسئلہ اور یہ بھی اسی تصور کا تقاضا ہے کہ اس میں اسرار بالمعروف اور نہیں عن المنکر دیکھنا کا حکم دینے اور بدی سے روکنے کی آزادی اور اختیار لوگوں کو حاصل ہے۔ منصب خلافت اس کے بغیر ناکمل اور تشنہ ہے۔

پھر اس کے نتیجہ میں انسان کی حیثیت خدا کے بندہ لیکن کائنات کی بانی تمام چیزوں کے آقا اور سرمدار کی قرار پاتی ہے۔ پہاڑ اس سے کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں، پہلی کی قوت کے سامنے وہ بظاہر کیسا ہی مجبور کیوں نہ نظر آئے پانی کی قوتوں کے سامنے وہ کیسا ہی کمزور محسوس ہو، لیکن ان سب کو اس کی خدیت کے لیے مسخر کیا گیا ہے اور انسانی معاشرہ میں جو بھی اداوارہ یا بیست تشکیل دی

۱۳۴۷ء اس موضوع پر اس پہلو سے مہبت کم غور ہوا ہے لیکن فقہانے جو قسم فرض کفایہ اور فرض عین کی ہے اس کا فلسفیانہ سطح پر غور حقوق انسانی اور فرد اور اجتماع کے تعلق سے بڑا اگہ راہنہ ہے۔ فرض عین فرد کی مستقل شخصیت کا احترام ہے۔ اس ذمہ داری کو کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا۔ جب کہ فرض کفایہ میں فرد اور اجتماع کے تعلق کو ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ ذمہ داری پورے معاشرہ پر ہے، اور اگر اسے چند افراد بھی ادا کر دیں تو سب کی طرف سے ادا ہو جاتی ہے اور اگر کوئی بھی ادا کرے تو سب ذمہ دار اور گنہگار ہوتے ہیں۔ یہ عین ربط و تعلق ایک متوازن معاشرہ قائم کرتا ہے۔

جائے گی، اس کی حیثیت انسان کے خادم کی ہوگی، اس کے آٹا کی نہیں یہی وہ چیز ہے جس سے ایک حقیقی انسانی سماج رونما ہوتا ہے اور خود معیشت بھی ایک خالص انسانی معیشت بنتی ہے۔

اخلاق کی مرکزی حیثیت

یہ نظام زندگی کے تمام امور کو اخلاقی نقطہ نظر سے دیکھتا اور طے کرتا ہے۔ اس کا اخلاق کا تصور یہ نہیں ہے کہ بس چند معاملات میں کچھ رسمی قسم کی اخلاقی کما اختیار کر لیا جائے اور زندگی کے باقی تمام معاملات کو محض مفاد اور حرص و ہوس کی بنیاد پر طے کیا جائے۔ وہ ساری زندگی کو خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی خانگی چلتی ہو، سیاسی ہو یا معاشی، روحانی ہو مادی۔ اخلاق کا پابند کرتا ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں غیر و شر اور حق و باطل میں تصادم کا احترام کرتا ہے اور شر کے ترک اور غیر کے اختیار کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کی نگاہ میں انسان کی شان امتیاز یہی ہے کہ وہ حرام و حلال میں تمیز کر سکتا ہے اور اس کے لیے صحیح رویہ یہی ہے کہ ہر معاملہ میں یہ دیکھے کہ وہ حلال ہے یا حرام، باعثِ فخر ہے یا موجبِ شرم، مبنی برحق ہے یا نتیجہ باطل۔ جب پوری زندگی میں اور خصوصیت سے اجتماعی زندگی میں یہ رویہ اختیار کیا جائے تو ایک ایسا معاشرہ بنتا ہے جو فساد سے پاک ہو، جس میں ظلم کا نام و نشان نہ پایا جاتا ہو۔ اس طرح اس نظام میں صرف صحیح مقاصد ہی نہیں صحیح ذرائع کے استعمال پر بھی اصرار کیا جاتا ہے اس طرح اسلام نے معاشرت میں جہی کے پھیلنے پھولنے کے ایک بہت بڑے راستے کو بند کر دیا ہے۔

توازن و اعتماد ال کی راہ

اس نظام میں انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان ایک حسین توازن قائم کیا گیا ہے۔ نہ اس نے وہ غلطی کی ہے جس کے سرکنت دوسرے اخلاقی فلسفے، سوفیانہ مسلک اور مذاہب ہوتے تھے کہ صرف فرد کی اصلاح اور اس کی نجات کو اپنا مقصد و مشتی بنا لے اور اجتماع کو بالکل نظر انداز کر دے۔ اور نہ اس نے وہ حماقت کی ہے جس میں مغرب کے جدید فلسفے اور نظریے مبتلا ہے ہیں کہ محض ماحول اور اجتماع کو بدل دینے سے انسان بدل جائے گا۔ یہ اصلاح کا آغاز فرد کے دل سے کرتا ہے، اس کی زندگی کو تبدیل کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی نظام کو اپنی ایکم کے مطابق بدلتا ہے تاکہ دونوں ایک ہی مقصد کے لیے کام کریں، ایک ہی جذبہ اور روح و دل میں جاری و ساری ہو، ایک ہی منزل کی طرف دونوں سرگرم عمل ہوں اور اس جدوجہد میں ایک دوسرے کو تقویت پہنچائیں۔ اسلام میں کمال بھی ہے اور توازن بھی۔ نہ وہ انسان کو شر محض سمجھتا ہے کہ اس سے مایوس ہو جائے اور نہ مجسم خیر کہ اس پر کوئی پابندی ہی عائد نہ کرے۔ وہ دونوں کی اصلاح کرتا ہے اور اس طرح فرد اور معاشرہ دونوں میں ایک اصلاحی انقلاب برپا کر دیتا ہے۔

تقویٰ اور جہاد کا تصور

اسلام کی نگاہ میں زندگی کا بنیادی قانون یہ ہے کہ انسان تقویٰ اور جہاد کی روش اختیار کرے۔ تقویٰ یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی کو گناہوں اور

بلا تشو سے بچاتے ہوئے انسان کی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی جدوجہد کرنا
 رہے اور جہاد یہ ہے کہ وہی حق کو خدا کی اس زمین پر قائم کرنے کی جدوجہد میں
 مصروف ہو جائے۔ اصول تقویٰ فرد کی زندگی کو سنوارتا ہے اور اصول جہاد تہذیب
 اور تاریخ کو صحیح سمت مٹا کرتا ہے۔ اصول تقویٰ سے انسان کی زندگی میں انضباط
 رونما ہوتا ہے اور اصول جہاد سے نظام اجتماعی تعمیری اور تخلیقی خدمات
 انجام دیتا ہے۔ اصول تقویٰ کی بنا پر صرف جسم اور روح اور مادہ اور اخلاق
 کی قوتیں ہی جمع نہیں ہوتیں بلکہ انسان اس پوری کائنات سے اور اس کے
 خالق سے اس طرح جڑ جاتا ہے کہ ان کے درمیان کوئی تصادم اور کشمکش باقی
 نہیں رہتی، ایسے معاشرہ اور ایسی ہیئت میں کبھی مفارقت (Alienation)
 کا مسئلہ پیدا نہیں ہو سکتا اور اصول جہاد حق پرست گروہ کو باقی تمام انسانیت
 سے ایک مشن کے رشتہ سے جوڑ دیتا ہے اور پوری انسانی برادری کو دائرہ حق
 میں شامل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ وہ اصول ہیں جن کے
 نتیجہ میں مادہ ہی صحت بھی قائم ہوتی ہے اور روحانی اور اخلاقی صحت بھی
 خوب تر ہوتی جاتی ہے۔ نیز تہذیب و تمدن میں صحت مندی کے راستے
 پر گامزن ہو جاتے ہیں۔ اور تاریخ بھی اپنی حقیقی منزل کی طرف رواں دواں
 ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں اصول انضمام (Principle of integration)
 ہیں اور اصول اصلاح و ارتقاء بھی۔

عالمگیر تہذیب

یہ نظام پوری انسانیت کو ایک برادری قرار دیتا ہے۔ یہ رنگ، نسل،

جغرافیائی حدود، اور زبان وغیرہ کے تمام جدید اور قدیم جنوں کو توڑ دیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ نہ گورے کو کالے پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کالے کو گورے پر نہ عرب عجم پر افضل ہے اور نہ عجم عرب پر فضیلت اگر ہے تو صرف تقویٰ کی بنا پر۔ تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں، اس لیے کہ ایک ماں باپ آدم و حوا کی اولاد ہیں، ایک خالق کے پیدا کردہ ہیں، ایک قانون کے پابند ہیں، اور ایک معیار کے مطابق جانچے جاتے ہیں۔ اس کا دروازہ تمام انسانوں کے لیے کھلا ہوا ہے۔ اس طرح صرف ایک انسانی تہذیب ہی قائم نہیں کرتا، بلکہ صرف یہی وہ نظام ہے جو ایک عالمگیر تہذیب بھی قائم کرتا ہے۔

تعلیمی و اصلاحی نظام

یہ نظام صرف اکرام آدمی کا قائل نہیں بلکہ اس کا مزاج سراسر تعمیری و اصلاحی اور تعلیمی ہے۔ یہ جبر و تشدد کے ذریعہ کوئی تبدیلی نہیں لانا چاہتا اور ان راستوں سے لاتی ہوئی تبدیلیوں کو غیر فطری قرار دیتا ہے۔ بلاشبہ حق کے لیے تلوار اٹھانا جائز ہی نہیں واجب بھی ہے، لیکن اس نظام کا مزاج منصفانہ نہیں ہے، یہ نفرت نہیں محبت اور اخوت کی بنیاد پر زندگی کو تعمیر کرنا چاہتا ہے۔ ظلم و ستم کوئی استحصال کو مٹانے کے لیے اسے تلوار بھی اٹھانی پڑتی ہے، لیکن وہ صرف مظلوم کی مدد کے لیے اور باطل کی سرکشی کو ختم کرنے کے لیے ہے۔ انسانوں پر کوئی عقیدہ یا مسلک ٹھونسنے کے لیے نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، اسلام کے انقلاب کا پورا مزاج تعلیمی اور تبلیغی اور اصلاحی ہے۔ وہ صرف گردنوں کو

جھکانے نہیں، دلوں کو بہلنے آیا ہے۔ اور جب دل میں ایک دنیا وہ تعمیر کرویتا ہے تو سر بھی برضا و رغبت حق کے آگے جھک جاتے ہیں۔

ثبات اور تغیر

اس نظام میں ایک طرف زندگی کے ابدی اصول اور مستقل اقدار ہیں کی گنتی ہیں تو دوسری طرف زمانہ کے تغیرات اور وقت کے حالات و ضروریات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس کی تعلیمات کسی انسان کے ذہن کی بیدار نہیں ہیں کہ مرد و زمانہ کے ساتھ ساتھ باسی اور ناکارہ ہو جائیں۔ اسی پر زمان و مکان کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ یہ اس کی بنائی ہوئی ہیں جو خود ملی و مکان کا بھی خالق ہے اور زمانہ کی بانی جس کے ہاتھوں میں ہے۔ پھر اس میں مناسب حدود کے اندر تبدیلی اور ارتقار کی پوری گنجائش موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہر زمانہ کے چیلنج کا جواب دیتا رہا ہے اور جب بھی جو ضرورت رونما ہوتی ہے، اس کی تکمیل کا سامان اس میں موجود ہوتا ہے۔ ہمارے قدم جتنے آگے بڑھتے جاتے ہیں، اس کی صداقتیں اتنی ہی نمایاں اور روشن ہو کر ہمارے سامنے آتی جاتی ہیں، اور ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات تو اسے والی برج سے بھی زیادہ نرواناہ ہیں۔

اسلام کا معاشی نظام

اس نظام نے معاشی زندگی کی تشکیل و تعمیر کے لیے بھی ضروری ہدایات دی ہیں۔ یہ نہ معاشیات کو باقی زندگی سے کاٹتا ہے اور نہ اس کا رشتہ اخلاق سے منقطع کرتا ہے۔ یہ پورے معاشی مسئلہ کو اخلاقی حقائق اور اقدار کی روشنی میں حل

کرتا ہے۔ معاشی جہد و جد کو حلال و حرام کا پابند بنانا سب سے اور ظلم و ظلمانی سے اسے پاک کرتا ہے۔ اس کی نگاہ میں معاش کے مسئلہ میں بھی مرکزی اہمیت جس چیز کا ہے وہ بدل ہے۔ بدل کا تقاضا ہے کہ فرد کی معاشی ضرورتیں پوری ہوں اور بدل ہی کا مطالبہ ہے کہ معیشت بحیثیت مجموعی ترقی بھی کرے اور اس ترقی کے پھل تمام انسانوں تک پہنچیں۔ ان کے تعلقات انصاف پر مبنی ہوں اور ظلم کا اس کی ہر شکل میں، استیصال کر دیا جائے۔ وہ انفرادی ملکیت کی آلودہی دیتا ہے، لیکن مالکانہ انقیادات کے استعمال کو کچھ متعین اصولوں کا پابند کرتا ہے۔ اس کی نگاہ میں ملک ایک امانت ہے، جسے خدا، خلق، اپنی ذات اور خاندان کی بہتری کے لیے خدا کے بنائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کیا جائے گا، من مانی کرنے کا حق کسی کو نہ ہوگا۔ وہ ہر فرد کو ذاتی نفع کے حصول کی اجازت دیتا ہے، لیکن اُن تمام راستوں کو بند کر دیتا ہے جن میں نفع دوسروں کو نقصان پہنچا کر یا ان کے استعمال کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ اپنے مال کو فروغ کرنے کی آلودہی دیتا ہے، لیکن صرت کے بھی اہی تمام راستوں کو بند کر دیتا ہے۔ جو فرد یا معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہیں وہ ہر شخص کو معاشی جہد و جد کی آلودہی دیتا ہے۔ لیکن یہ ذمہ داری معاشرہ اور ریاست پر ڈالتا ہے کہ ہر شخص کو مناسب مواقع حاصل رہیں اور غیر فطری عدم مساوات کی کوئی ایسی صورت رونما نہ ہونے پائے جس سے کچھ لوگوں کے لیے ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں۔ بلاشبہ آمدنی کا انحصار محنت پر ہے۔ لیکن جو لوگ معاشی روڈ میں پیچھے رہ جاتیں، یا جو کسی وجہ سے زمین سے اپنا حصہ حاصل نہ کر سکیں۔ ان کی ضروریات کو عزت و وقار

کے ساتھ پروا کرنا معاشرہ اور ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اسلام کسی فرد کو جھوٹا نکلا
 بے گھر، بلا دوا یا بے تعلیم نہیں چھوڑنا چاہتا۔ وہ ان تمام ضرورتوں کی تکمیل کی ضمانت
 دیتا ہے اور پورے معاشرہ کو ان کے لیے ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ یہ معاشی زندگی
 کے ہر شعبوں میں توازن، عدل و انصاف، رفق و ہمدردی، جنگی قلم کرنا چاہتا ہے
 اور تصادم کی جگہ تعاون اور منفی مسابقت کی جگہ مثبت اور تعمیری مسابقت
 کا نظام قائم کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی معیشت ہے جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام
 اور اشتراکی معاشی نظام دونوں کی ضد ہے اور جو پورے معاشی مسئلہ کو اپنی بنیاد
 پر، اپنے طریقے سے، اپنے مزاج کے مطابق تیار کیے ہوئے انسان کے
 ذریعہ عمل کرتی ہے۔ اس میں سرمایہ داری کے لیے کوئی گنجائش ہے اور نہ
 اشتراکیت کے لیے۔ یہ دونوں سے بدرجہا اعلیٰ اور افضل ہے۔

پھر اس میں یہ صلاحیت بھی ہے کہ صرف عام حالات ہی میں نہیں،
 نہایت بگڑے ہوئے حالات میں بھی اپنے اصلاحی انقلاب کا آغاز کرے
 اور ایک خاص تدبیر کے حالات کو معمول پر لے آئے۔ ۲۲۴

میں تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: "تجاربہ راتوشازم تبر جناب نعیم صدیقی صاحب کا
 مضمون اسلام کا میزانی نظریہ معیشت"۔ اسلام کے بنیادی معاشی اصولوں کے مطالعہ
 کے لیے دیکھئے: "نہات اقتصادی صاحب کا مضمون اسلامی ریاست کی معاشی نظریہ"
 مزید مطالعہ کے لیے دیکھئے: "اسلام کا اقتصادی نظام از حفصہ الرحمن صدیقی"
 اسلام کے معاشی نظریے" از یوسف الدین احمد "اسلامی معاشیات" از مولانا

اسلام اور سرمایہ داری

یہ نظام سرمایہ دارانہ معیشت سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اس اختلاف کے چند پہلو یہ ہیں۔

(الف) یہ ایک مکمل نظام تہذیب ہے، محض ایک معاشی نظام نہیں۔ جبکہ سرمایہ داری محض ایک معاشی نظام ہے۔

(ب) یہ اخلاقی نقطہ نظر سے پوری زندگی بشمول معیشت کو سنوارتا ہے بطریقہ کا نقطہ نظر مادہ پرستانہ اور خالص منفعت پرستانہ ہے۔

(ج) اس کا مقصد عدل کا قیام ہے، جبکہ سرمایہ داری کا مقصد ذاتی نفع کی تکثیر ہے۔

(د) انجمن کا تصور ملکیت سرمایہ داری کے تصور سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

(ه) یہ منڈی کا نظام تو ضرور قائم کرتا ہے۔ لیکن اسے اخلاقی اصولوں، اور اجتماعی مصلحتوں کا پابند بناتا ہے۔

(و) سرمایہ داری میں اصل اہمیت سرمایہ کی ہے، جبکہ اسلامی نظام معیشت

(۳) مناظر احسن گیلانی "سود" اور اسلام اور جدید معاشی نظریات" از مولانا سودودی، "معاشی ناہمواریوں کا اسلامی حل" اور اسلام کا فلسفہ ملکیت" از نعیم صدیقی۔ اسلام اور سود، از ڈاکٹر انور اقبال قریشی، اسلام کا نظام محاصل" و ترجمہ کتاب الخراج، از امام ابو یوسف، ترجمہ شمبات احمد صدیقی، "معاشیات اسلام" انگلزی، از محمود احمد۔

میں مرکزی اہمیت انسان اور انسانی محنت اور اختراع کو حاصل ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ ذہن کو مٹانے کے لیے سود کا جو سرمایہ داری کا بنیادی ستون ہے، کلی خاتمہ کر دیتا ہے۔

د، تقسیم دولت میں اس کا اصول زیادہ سے زیادہ گردش اور پورے معاشرہ میں دولت کی گردش ہے۔ حبيب کہ سرمایہ دارانہ نظام ارتکاز اور اس سے روٹنا چھوٹنے والی سرمایہ کاری پر مبنی ہے۔

و، سرمایہ اور محنت اور انتظامیہ اور محنت کے باہم تعلق کے بارے میں بھی دونوں کا نظریہ ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے۔

د، سرمایہ داری اجتماعی کفالت (Social maintenance) کی کوئی ذمہ داری نہیں لیتی جب کہ اسلام کے نظام کی یہ ایک بنیادی خصوصیت ہے۔

ام، جائز اور مناسب اجرت جس میں کفالت کے تقاضے بھی پورے ہوں اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے۔ سرمایہ داری کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ صرف رسمہ اور طلب و نظری طود پر، کے قوانین کی قائل ہے، خواہ اس کے نتیجہ میں منصفانہ اجرت روٹنا چو یا نہ ہو۔

دی، اسلام پیداوار صرف تجارت اور نظام کے بارے میں مناسب حد بندی کا قائل ہے جب کہ سرمایہ داری اس تصور سے خالی ہے۔

غرض جس پہلو سے بھی غور کیا جائے ان دونوں میں بعد الشرعین ہے۔ اسلام جس طرح اشتراکیت کی منہ ہے دائرہ ہم چلے، رکھا چکے ہیں، اسی طرح سرمایہ داری کی بھی منہ ہے یہ کسی کی بھی خوشہ چینی نہیں کرنا چاہتا۔ اس کا اپنا

مخصوص نظام ہے اور یہ اسی کو قائم کرنا چاہتا ہے۔

اسلام اور کلیت پسندی

اب صرف ایک سوال اور باقی رہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ اسلام اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں کی ضد ہے۔ لیکن چونکہ وہ ایک نظریاتی ریاست قائم کرتا ہے اور معیشت پر ریاست کی نگرانی اور گرفت قائم کرتا ہے اور چونکہ اسلام کا نظام زندگی کے سارے شعبوں پر محیط ہے تو کیا اسلامی نظام میں بھی ایسی ہی کلیت پسندی (Totalitarianism) رونما نہیں ہوگی جو اشتراکیت میں ہے۔

ہمارے نگاہ میں ایسا نہیں ہوگا۔ اس کی بنیادی وجہ ہے کہ اشتراکیت میں صرف کلیت پسندی ہی نہیں، من مانی اور استبدادی کلیت پسندی (Arbitrary and despotic totalitarianism) ہے۔ اسلامی نظام بلاشبہ پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے۔ لیکن نہ اس میں من مانی کرنے کی گنجائش ہے اور نہ وہ استبدادی ہے وہ فرد اور حکومت دونوں کو خدا کی وحی ہوتی شریعت کا پابند بناتا ہے اور ایک ایسا نظام قائم کرتا ہے جس میں سب کے حقوق محفوظ ہوں اور تمام افراد اور احادے خالق کے بنائے ہوئے طریقے کے مطیع ہو جائیں۔ یہ نہ جن کبھی استبدادی نہیں ہو سکتا۔ اس میں آمریت کے لیے کبھی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ اس میں حقوق کی پامالی کا کوئی سوال نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہ دراصل ایک پابند دستور و قانون نظام ہوگا اور ایک ہی قانون سکرائون اور عام انسانوں پر لاگو ہوگا۔ تاریخ اس امر کا

میں ثبوت ہے کہ اسلام نے حقیقی آزادی اور سیاسی اور معاشرتی مساوات اور
 جمہوریت کے تقوید سے انسانیت کو روشناس کرایا اور ان اصولوں کو
 عمل پرست کر اور نافذ کر کے دکھا دیا۔

اسلام فرد کی شخصیت کا اثبات ہی نہیں کرتا، فرد کو معاشرہ میں ایک
 بنیادی اور مرکزی مقام دیتا ہے اور کسی ایسی چیز کو جائز نہیں سمجھتا جو اس کی
 شخصیت کو فنا کر دے۔ وہ بلاشبہ اجتماعی احساس پیدا کرتا ہے اور اپنے
 نظام زندگی کی حفاظت کی خاطر فرد کو اپنی جان تک قربان کرنے پر اکساتا ہے
 لیکن حکومت کو قانون شریعت سے ہٹ کر اور حق مافوقی کے بغیر کسی فرد پر
 کسی قسم کا کوئی تصرف کرنے کا اختیار نہیں دیتا۔ یہ انبیائے کرام کا ماسخ طریقہ کا
 ہے اور اس کی بنا پر اسلام کی نظریاتی ریاست کبھی استبدادی کلیت پسندی
 کا شکار نہیں ہو سکتی۔

پھر اسلام نے انسان کے حقوق کو خدا کے حق کا درجہ دیا ہے۔ اس نے
 سیاسی، معاشرتی، معاشی اور انفرادی حقوق کا تصور اس وقت پیش کیا جب
 دنیا ان الفاظ سے بھی نا آشنا تھی۔ اس نے معاشرہ میں امر بالمعروف اور
 نہی عن المنکر کی روح پیدا کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں
 ہمیشہ افراد کو اختلاف کا موقع حاصل رہنا چاہیے تاکہ وہ بائعوں کو پھیلنے
 سے روکیں اور نیکوں کا مکمل ویں، یہ چیز آزادی کی بہترین ضمانت ہے اور اس
 حق شرعی سے کوئی کسی کو محروم نہیں کر سکتا۔

اسلام میں حکومت عوام کے سامنے جواب دہ ہے۔ معاشرہ میں کوئی

ایک گروہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس کی اجارہ داری قائم ہو جائے اور باقی تمام گروہ ختم کر دیتے جائیں۔ مختلف گروہوں کا وجود آمریت کے خلاف بہترین ضمانت ہے۔

معیشت میں اسلام کی قومی ملکیت کے خلاف ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی ضرورت کی مناسبت سے کسی خاص صنعت یا معاشی دائرہ کو قومی ملکیت میں لیا جاسکتا ہے۔ لیکن معیشت کا عمومی نظام انفرادی ملکیت اور انفرادی آزادی پر مبنی ہوگا۔ روزگار کے تمام مواقع کو حکومت کے ہاتھوں میں دے کر اشتراکیت نے ایک نظام ظلم کو جنم دیا اور اس سے ایک ایسی ملکیت پسندی رونما ہوئی جس نے انسانیت کو پس ڈالا۔ اسلام میں اس کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان اور دوسری وجوہ کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ امر ضروری بالکل بے معنی ہے کہ اسلام کا معاشی نظام بھی ملکیت پسندانہ ہوگا۔ اسلامی نظام ان خطرات سے دوچار نہیں ہوگا جہاں اشتراکیت کو لے ڈالے۔

ہم نے ان صفات میں اشتراکیت کا ایک بے لاگ جائزہ پیش کیا ہے۔ ہم نے پروپیگنڈے کی سطح سے بلند ہو کر خالص علمی انداز میں حقائق کا مطالعہ کیا ہے۔ حالات کا جائزہ لیا ہے اور اپنے حاصل غور و فکر کو ملک و ملت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ ہم نے جن مآخذ سے اپنی معلومات کو اخذ کیا ہے وہ یا تو روسی مآخذ ہیں، یا روس کے باہر کے چوٹی کے اشتراکی اہل قلم ہیں اور یا بلند پایہ مغربی محققین۔ ہم نے ہر بات کو دلیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور ہم اپنے ملک کے سوچنے سمجھنے والے عناصر کو دعوت دیتے ہیں کہ ان حقائق پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور

پھر سوچ سمجھ کر بیٹے کریں کہ انہیں کونسا راستہ اختیار کرنا ہے۔ سوشلزم کا راستہ یا اسلام کا راستہ۔ اب سوشلزم ایک معرکہ نہیں ہے محض ایک انقلابی غرہ بھی نہیں ہے، یہ ایک نامعلوم دنیا کا خواب بھی نہیں ہے۔ اس تحریک کو کام کرتے ہوئے سوا سو سال ہو گئے ہیں اور عمل کے میدان میں اترتے جیتے ہمسایہ سال بیت گئے ہیں۔ اب اس کے نظام کو پیچھے سرویکھا جاسکتا ہے، محض شاعروں کے کلام میں اسے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر سلی بند بابت سے لہجہ ہو کہ حقائق کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو تمام صورت حال سامنے آ جاتی ہے اور وہ چند الفاظ میں یہ ہے کہ ہماری منزلی آزمائش میں ناکام ہونے والی اشتراکیت نہیں، ہر آزمائش میں کامیاب ہونے والا اسلام ہے اور نشانہ بآئہ خرقہ اسی دین حق کو حاصل ہونا ہے۔ جھوٹے خداؤں کا ظلم کے عرصہ قریب جاتا ہے لیکن ہمیشہ نہیں چل سکتا اور پھر جب عصائے موسیٰ بھی میدان میں ہو تو نظر فریب ظلم کب ٹھیکہ کھتے ہیں۔ آج اسلام ایک اجتماعی قوت کی حیثیت سے میدان کارزار میں قدم رکھ چکا ہے۔ کشمکش اور پکار بلاشبہ سخت اور جان گسل ہوگی لیکن کامیابی انشاء اللہ دینِ قیم ہی کو حاصل ہوگی۔ یہی فطرت کا قانون ہے، یہی عقل کا مطالبہ ہے اور یہی خدا کا وعدہ ہے۔

جاء الحق وذهب الباطل، ان الباطل کان زهوتا۔

حق آگیا اور باطل میدان چھوڑ گیا۔ بے شک باطل ہے ہی دھوکہ
 مہونے والا۔

Ours is a period of

- CRISIS and REVOLUTION
- RESTLESSNESS and ANGUISH
- ANXIETY and FRUSTRATION

The need for a clean, precise and logical exposition of the message and strategy of ISLAM was never as urgent and pressing as it is today

A. K. BROHI

The Renowned Scholar, Thinker Philosopher and the
Leading Advocate of our Country

fulfils the need of the hour

I S L A M

IN THE MODERN WORLD

a collection of selected addresses and speeches

Price: Rs. 10.00

Can be had from :

CHIRAGH-E-RAH PUBLICATIONS

Yousuf Manzil, Harmuzji Street,
KARACHI-I — (PAKISTAN)